کی موت
خاص نمبر
اشتیاق احمد

بار اول : جولائی ۱۹۸۳ء
طابع : اشتیاق احمد نقش محمد
مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز لاہور
خطاطی : محمد عبدالستار اسعد نامدار
قیمت : [illegible] روپے ۵۰ پیسے صرف

مکتبہ اشتیاق ۔ راجپوت مارکیٹ ۔ اردو بازار لاہور
فون نمبر [illegible]




# دو باتیں

جی چاہتا ہے اس بار آپ سے خوب باتیں کروں، کیونکہ میں خاص نمبر لکھ کر فارغ ہوا ہوں اور آپ لوگ سکولوں سے! گویا راوی عیش ہی عیش لکھتا ہے، لیکن اگر میں نے خوب باتیں شروع کر دیں، تو پھر یہ دو باتیں کہاں رہ جائیں گی اس صورت میں اس کا عنوان دو باتیں کے بجائے خوب باتیں رکھنا پڑے گا۔ ایک بار عنوان خوب رکھ دیا تو آپ مطالبہ کریں گے کہ اب خوب سے خوب تر کی طرف آئیے اور ان باتوں کا جواب خوب تر باتیں رکھیے۔ اس طرح اور تو کچھ ہو نہ ہو، بات کا بتنگڑ ضرور بن جائے گا اور یہ شاید آپ پسند نہ کریں، لہٰذا میں دو باتیں جب کروں گا اور صبر سے کام لوں گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ یہ دو باتیں شیطان کی آنت کی طرح لمبی ہو جائیں اور خوب بلکہ خوب تر باتوں کو بھی پیچھے چھوڑ جائیں۔

فہرست منگوانے کا اشتہار کیا لگایا، ہزاروں خطوط فہرست کی طلبی کے موصول ہو گئے اور سٹاک میں موجود فہرستیں پر لگا کر اڑ

گئیں۔ فوری طور پر نئی فہرستیں شائع کرائی گئیں اور اب
ارسال کی جا رہی ہیں۔ جن لوگوں کو مل نہیں سکیں،
وہ ایک اور کارڈ لکھ کر منگوا لیں۔

اور اب آتا ہوں موجودہ خاص نمبر کی طرف۔۔ تین ماہ
پہلے کتابوں کے آخر میں جب خاص نمبر کا اعلان کیا گیا تو
اس میں واضح طور پر لکھا گیا تھا کہ اس مرتبہ خاص نمبر تین
حصوں میں شائع ہوگا، لیکن ہمارے اس اشتہار کی مخالفت
میں بے شمار خطوط موصول ہوئے۔ ڈیلر حضرات نے بھی اعتراضات کیے
مارے۔ سب کا کہنا یہ تھا کہ خاص نمبر اول تو ایک جلد میں ہو
یا پھر زیادہ سے زیادہ دو جلدوں میں، تین یا چار حصوں میں اب
نہیں چلے گا، کیونکہ اس طرح خاص نمبر، خاص نمبر کے علاوہ
اور تو سب کچھ نظر آتا ہے، خاص نمبر نظر نہیں آتا۔ جب کہ ہم
خاص نمبر کو خاص نمبر ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔۔ اعتراض دل
کو بھایا، تمام متعلقہ لوگوں سے بات کی گئی اور یہی فیصلہ کیا گیا
کہ خاص نمبر ایک ہی جلد میں شائع کیا جائے گا، چنانچہ یہ
آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

تمام پبلشنگ ادارے اپنی کتابوں کی قیمت مسلسل بڑھاتے
چلے جا رہے ہیں اور اب ایک سو اٹھائیس یا ایک سو چالیس
صفحات کی کتابوں کی قیمت ساڑھے سات روپے تک پہنچ گئی



ہے جب کہ مکتبہ اشتیاق گزشتہ ایک سال سے ساڑھے پانچ روپے
پر ہی قائم ہے۔ اس کے باوجود یہ گلہ کیا جاتا ہے کہ کتابوں
کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ حالات یہ ہیں کہ پریس، بائنڈنگ
اور پروسیس والوں نے اپنے ریٹ پچھلے سال کی نسبت
بڑھا دیے ہیں۔ ان حالات کا تقاضا تو یہ ہے کہ مکتبہ اشتیاق
بھی ناولوں کی قیمت میں معمولی سا اضافہ تو کر ہی دے،
لیکن اس سلسلے میں آپ لوگوں کی رائے کے بغیر قدم
اٹھانا مناسب نہیں سمجھا، لہذا آپ کی آرا موصول ہونے کے
بعد ہی قدم اٹھایا جائے گا۔ اس بار کا خاص نمبر بھی ۶۴۰
صفحات پر مشتمل ہے اور قیمت وہی چار ناولوں کے برابر۔۔
جب کہ چار ناولوں کے صفحات ۵۱۲ بنتے ہیں۔ اسی سے
آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ادارہ اپنے پڑھنے والوں کا کس
حد تک خیال کر رہا ہے۔ امید ہے، آپ سوچ بچار کر کے
جواب سے نوازیں گے۔

"مجھے ڈر ہے کہ آپ اس بار کے خاص نمبر "بجلی کی موت"
کی تیزی کا ساتھ نہیں دے سکیں گے اور امید ہے کہ
ناول کی تیز رفتاری آپ کو دور بہت دور یعنی پیچھے
بہت پیچھے چھوڑ جائے گی۔۔ پیچھے بہت پیچھے پر اگر آپ
بے ساختہ مسکرا رہے ہوں تو پھر آپ کو دو باتیں کی [illegible]

ماندہ سطور پڑھنے کی ضرورت نہیں رہ جائے گی کیونکہ آپ
ان سے اپنا حصہ وصول کر چکے اور اگر آپ کو مسکراہٹ سے
واسطہ نہیں پڑا تو پھر بے شک آگے بڑھتے جائیے۔ کہیں
نہ کہیں تو کوئی نہ کوئی ڈھکی چھپی مسکراہٹ آپ تک
پہنچ ہی جائے گی اور آپ کا چہرہ گلاب کی طرح کھل
ہی اٹھے گا — یوں تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ خاص نمبر
کو دیکھ کر آپ کا چہرہ مختلف قسم کے پھولوں کی طرح کھل
اٹھے گا؛ گویا ایک گلدستہ نظر آئے گا۔ لیجیے آپ میرے قاری
نہ ہوئے، گلدستے ہو گئے۔ چلیے دوسروں کو خوشبو تو پہنچائیں گے
دوسروں کو کچھ دیں گے تو سہی کہ یہی زندگی ہے۔

خاص نمبروں کے بارے میں ایک عام اور زور دار شکایت
یہ ہے کہ میں تمام کرداروں سے انصاف نہیں کرتا۔ انسپکٹر جمشید
پارٹی کو انسپکٹر کامران مرزا پارٹی پر فوقیت دیتا ہوں۔ لیجیے
اس خاص نمبر کو پڑھ کر یہ اعتراض کر دکھائیے، تب جانوں گا۔
میں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ ناانصافی کا شائبہ تک محسوس
نہ ہو۔

اب آئیے انعامی سوال اور انعام کی تقسیم کی طرف — ایک
نمایاں اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ لاہور میں کتاب پہلے فروخت
کی جاتی ہے، دوسرے شہروں میں بعد میں؛ حالانکہ



ایسا نہیں ہے۔ تمام شہروں کو کتاب پندرہ تاریخ تک پوسٹ
کر دی جاتی ہے۔ جو انیس تاریخ کی شام تک ہر جگہ پہنچ
جاتی ہے اور انیس تاریخ کی شام کو لاہور میں ہول سیل
ڈیلر کو کتاب دی جاتی ہے، وہ شام کو ہی سٹالوں پر
دینا شروع کرتے ہیں — اس طرح بیس تاریخ کو کتاب
پورے ملک کے سٹالوں پر پائی جاتی ہے۔ میں نہیں سمجھتا
کہ ان حالات میں اعتراض کی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے۔
یوں بھی یہ ضروری نہیں کہ اگر کسی شہر میں ایک آدھ
دن یا چند گھنٹے پہلے کتاب فروخت ہو جائے تو پہلا درست جواب
بھی اسی شہر سے آ جائے گا — پہلا درست جواب تو ہو سکتا
ہے کہ کئی دن گزرنے پر بھی نہ آئے، جیسا کہ پچھلی مرتبہ
ہوا۔ خاص نمبر کا پہلا درست جواب ۲۵ یا ۲۶ تاریخ کو موصول
ہوا تھا، لہٰذا میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ آپ مطمئن رہیں، انعام
کے سلسلے میں کسی کی طرف داری یا کسی سے ناانصافی
نہیں کی جاتی۔ درست جملے کا علم میرے علاوہ اور کسی کو
بھی نہیں ہوتا، ادارے کے کسی فرد کو بھی نہیں ہوتا۔ جملہ ایک
کاغذ پر لکھ کر میں اسے کہیں رکھ کر خود بھی بھول جاتا ہوں
کہ جملہ کون سا تھا — اور آپ کے خطوط موصول ہونا شروع ہوتے
ہیں تو پرزہ نکال کر دیکھتا ہوں۔ بھئی، ایک دن دوسری

دنیا میں جا کر حساب نہیں دینا کیا۔۔۔ اس دنیا کا تو سب
کچھ یہیں رہ جائے گا۔۔۔ اصل چیز تو اعمال ہیں، وہی ساتھ
جائیں گے اور ساتھ دیں گے۔۔۔ صرف نیک اعمال، بد نہیں۔۔۔

خطوط اور سوالات کی اشاعت کے سلسلے میں بھی کسی سے
خصوصی رعایت نہیں برتی جاتی۔ جو خط یا سوال بھی اشاعت
کے قابل نظر آتا ہے، اسے ضرور شائع کیا جاتا ہے۔ یہ دیکھے بغیر
کہ وہ کس کا ہے، لہٰذا جن کے خطوط اور سوالات شائع
نہیں ہوتے، انہیں چاہیے، وہ غور کریں اور اپنے خط اور سوال
کو قابل اشاعت بنانے کی سر توڑ کوشش کریں، لیکن خدانخواستہ
میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ اپنا سر ہی توڑ بیٹھیں، اگر ایسا ہو گیا
تو ناول کون پڑھے گا، جی ہاں۔۔۔

لائبریریوں سے کتابیں لے کر پڑھنے والوں کا کہنا ہے
کہ انہیں کتابیں بہت دیر سے ملتی ہیں۔ ایک روز زیادہ
انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ان کا یہ کہنا بجا ہے، لیکن اس کا تو
کوئی بھی حل میرے پاس نہیں۔ حالات انسان کو کس حد
تک مجبور کر دیتے ہیں، یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں اور صرف
یہی کر سکتا ہوں کہ خدا ان پڑھنے والوں کے حالات اس
حد تک بہتر بنا دے کہ وہ کتابیں خرید کر پڑھنے کے قابل ہو
جائیں۔ لیکن اس دعا سے لائبریری حضرات یہ مطلب نہ لے



یقین کریں ان کا کاروبار چلتا نہیں دیکھ سکتا۔۔۔ جی نہیں،
خدا سب کا رازق ہے۔۔۔ انہیں بھی پڑھنے والے اسی تعداد
میں ملتے رہیں گے، دنیا کا چکر اسی طرح چلتا رہتا ہے۔

امدادی سلسلہ جاری ہے۔ پوری چھان بین کے بعد
ہی مستحق بچوں کا وظیفہ مقرر کیا جاتا ہے۔ جو بچے وظیفہ پا رہے
ہیں، ان سے درخواست ہے کہ جوں ہی وہ یہ محسوس کریں
کہ اب انہیں وظیفے کی ضرورت نہیں رہی، وہ ادارے کو لکھ
دیں، تاکہ یہ رقم کسی اور مستحق کے کام آ سکے۔ غالباً اس وقت
تک صرف ایک بچے نے ایسا لکھا ہے، اس کا خط بھی شائع
کیا گیا تھا۔

لیجیے، دو باتیں تو واقعی شیطان کی آنت کی طرح لمبی
ہو گئی ہیں اور خشک بھی۔۔۔ نہ جانے کیوں میں خاص نمبر کی
دو باتیں لکھتے وقت سنجیدہ ہو جاتا ہوں۔ خیر، اب سنجیدگی کو خیرباد
بھی تو نہیں کہہ سکتا۔ جیسی بھی دو باتیں ہیں، ان پر گزارہ
کر لیجیے گا اور حلق سے اتاریں۔ حلق کی خشکی کے لیے کوئی دوا
تجویز کروں گا کہ آج کل یہ کام بھی کرنے لگا ہوں۔۔۔ آئندہ
خاص نمبر تک کے لیے لمبی دو باتیں کو خدا حافظ۔۔۔ آپ سے تو ہر
ماہ ہی ملاقات ہوتی ہے۔

لیجیے اتنی لمبی دو باتیں لکھ گیا اور سب سے زیادہ اہم بات

گول کر گیا — لیکن جان بوجھ کر نہیں، صرف بھول کر۔ آپ حیران ہو رہے ہوں گے کہ وہ کون سی خاص بات ہے تو جناب خاص نمبر پڑھ کر آپ ابھی فارغ ہوئے ہی ہوں گے کہ عید آپ کے سر پر آ جائے گی، لہٰذا آپ سب کو میری اور ادارے کی طرف سے عید مبارک، اور ان ہزاروں قارئین کا حد درجہ شکریہ، جنھوں نے مجھے عید کارڈوں سے نوازا۔ جی ان

آپ یہ جان کر یقیناً خوش ہوں گے کہ ہمارے ہاں فون لگ گیا ہے۔ مکتبہ اشتیاق کا فون نمبر ۵،۲۹۴ ہے۔

اشتیاق احمد



# حدیث شریف

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا، ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (سواری پر) سوار تھا۔ آپ نے فرمایا:

اے بچے! میں تجھے چند باتیں سکھاتا ہوں۔ اللہ کے دین کی حفاظت کر، اللہ تیرا محافظ ہوگا۔ اللہ کے دین کی حفاظت کر تو اس کی رحمت کو اپنے سامنے پائے گا۔ جب مانگنا ہو تو اللہ سے مانگ، جب مدد کی ضرورت ہو تو اللہ سے طلب کر۔ یہ بات جان لے کہ مخلوق اگر تجھے نفع پہنچانے پر اتفاق بھی کر لے تو وہ نفع نہیں پہنچا سکتی۔ مگر اسی قدر جو خدا نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر سب لوگ نقصان پہنچانے پر تل جائیں تو وہ نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اس حد تک جو خدا کے ہاں طے ہو چکا ہے۔

(مشکوٰۃ: ص ۴۵۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

**چھٹا عظیم الشان خاص نمبر**

محمود ، فاروق ، فرزانہ ، انسپکٹر جمشید

اور

آفتاب ، آصف ، فرحت ، انسپکٹر کامران مرزا

کا مشترکہ کارنامہ

متفرق سلسلہ نمبر ۶۱

# کھیل کی موت

اشتیاق احمد

# ترتیب

## پہلا حصّہ

# دُوسرا حِصّہ

- رُوحوں کا قلعہ
- پانچواں ساتھی
- قلعے کی طرف سفر
- خوف کی زندگی
- جھیل بھُوکی ہے
- ان کی شخصیت
- آپ کا خادم
- پہلی خبر
- بھاگو
- کیا چیز



# تیسرا حِصّہ

- اُلجھن
- ہونٹ سی لو
- بات چیت کی ٹانگ
- سیاہ فام
- بڑا باس
- تھوڑی سی لہریں
- سنجیدہ ارے
- فرزانہ کا خیال
- اسلحے کی فصل
- مَیں یہاں ہُوں
- چمنی کا سفر
- آخری خواہش
- خوف ناک لمحات

## ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں — شکریہ!

مخلص:

اشتیاق احمد



# پہلا حصہ

خودی میں گم ہے خدائی تلاش کر غافل
یہی ہے تیرے لیے اب صلاحِ کار کی راہ

(اقبالؒ)



# فون پر دھمکی

پروفیسر ہامان کے فون کی گھنٹی بجی — اس وقت ان کے ساتھ ان کا اسسٹنٹ فاخر طوری بھی موجود تھا۔ اس نے پروفیسر کی طرف دیکھا، وہ کسی گہری سوچ میں گم تھے۔

"پروفیسر صاحب، فون —" فاخر نے توجہ دلائی۔

"کیا کہا؟ میں فون — طوری، تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا — میں پروفیسر ہامان ہوں، اس وقت کا سب سے بڑا سائنس دان — تم دیکھ لینا، دنیا میرا لوہا مان کر رہے گی — میرا احسان رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ عنقریب میری ایجادات دنیا بھر میں کھلبلی مچا دیں گی، پھر تم سمجھو گے کہ میں کیا ہوں اور تم مجھے کہہ رہے ہو، میں فون ہوں۔ فون نہ ہوا، مذاق ہوگیا، ہیں —" انہوں نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

"آپ غلط سمجھے۔" فاخر طوری نے جلدی سے کہا، لیکن ابھی جملہ مکمل نہیں کر سکا تھا کہ پروفیسر نے بات کاٹ دی:

"اچھا، تو اب میں غلط بھی سمجھنے لگا ہوں — طوری، میں تمہیں اسی

وقت ملازمت سے الگ کرتا ہوں۔ اپنا حساب کتاب لو اور یہاں سے رفوچکر
ہو جاؤ۔ تم ایک دم ناکارہ ہو، فضول ہو، مجھے تمہاری قطعاً کوئی ضرورت نہیں
یوں بھی تمہیں اسسٹنٹ رکھنا اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا ہے۔ تمہیں تو
سائنس کی الف ب بھی نہیں آتی، میری کیا مدد کر سکتے ہو۔ ارے، تم نے
سنا نہیں، میں تمہیں ملازمت سے نکال چکا ہوں اور تم ابھی تک یہاں
نظر آ رہے ہو۔ چلتے پھرتے نظر آؤ، ورنہ میں سخت قدم اٹھا
بیٹھوں گا۔"

"بہت بہتر، میں چلا جاتا ہوں۔ مجھے بھی اس ملازمت کی ضرورت
نہیں، لیکن نہ تو میں نے آپ کو فون کا خطاب دیا ہے، کیونکہ کسی آدمی
کو فون کا خطاب دیا ہی نہیں جا سکتا۔ دوسرے یہ کہ نہ میں نے آپ کو
ناسمجھ کہا ہے۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بج رہی ہے۔
فون آپ سنیں گے یا میں سن لوں۔" طوری نے جھنجھلائے ہوئے لہجے
میں کہا۔

جب سے اس نے یہ ملازمت اختیار کی تھی، کم و بیش ہر روز اسی
قسم کے الفاظ سننے پڑتے تھے اور وہ خود ملازمت سے تنگ آیا ہوا تھا۔
پروفیسر نامان کی کوئی کل سیدھی ہی نہیں تھی۔ ان کے ہاں ملازمت کرنے
سے پہلے وہ ایک لیبارٹری میں اسسٹنٹ تھا۔ اخبار میں پروفیسر کی طرف
سے ملازمت کا اشتہار چھپا تو وہ انٹرویو دینے چلا گیا اور کامیاب بھی ہو
گیا۔ کامیاب اس لیے ہوگیا کہ اس کے علاوہ کوئی اور انٹرویو دینے



ہی نہیں آیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ پروفیسر سارے شہر میں جھکی
سائنس دان کے نام سے مشہور تھا۔ لوگ اس کے سائے سے بھی دور
بھاگتے تھے اور طوری اس کے پاس ملازمت کرنے چلا آیا تھا۔ اس
کے دوستوں نے اسے منع بھی کیا تھا کہ کہاں ملازمت کرنے جا رہے
ہو، مصیبت میں پھنس جاؤ گے، لیکن اس وقت اس نے ان کی باتوں
کو کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ بعد میں وہ بہت پچھتایا تھا۔ فوری طور پر
ملازمت سے جواب اس لیے نہیں دے سکا کہ پہلی ملازمت چھوڑ
چکا تھا۔ اس طرح اسے بے کار رہنا پڑتا، لیکن آج اسے بھی بے تحاشا
غصہ آ گیا تھا؛ چنانچہ اس بار اس نے پروفیسر کی پروا کیے بغیر تیز
لہجے میں یہ الفاظ ادا کیے تھے۔

"کیا کہا، فون کی گھنٹی بج رہی ہے۔ لاحول ولا قوۃ، عجیب
آدمی ہو۔ پہلے کیوں نہیں بتایا کہ فون کی گھنٹی بج رہی ہے۔" پروفیسر
نے تلملا کر کہا۔

"آپ بتانے کا موقع بھی تو دیں نا۔" وہ بولا۔

"خیر خیر، میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ اب تم ملازمت میں نہیں رہ سکو گے،
لیکن جانے سے پہلے اور اپنا حساب لینے سے پہلے یہ فون ضرور سن لو،
کیونکہ میں اس وقت ایک گہری سوچ میں ہوں۔ فون ٹھیک طرح نہیں
سن سکوں گا۔"

"بہت اچھا، سن لیتا ہوں فون، لیکن اس کے بعد میں یہاں نہیں

رکوں گا۔ رہا حساب کتاب کا معاملہ — تنخواہ میں کل لے ہی چکا ہوں۔ آج
کا دن ابھی پورا نہیں ہوا، لہٰذا آج کی تنخواہ نہیں لوں گا۔"

یہ کہتے ہوئے طوری نے ریسیور اٹھا لیا۔ گھنٹی مسلسل بجتی رہی
تھی۔ شاید فون کرنے والا جانتا تھا کہ اس نے کسے فون کیا ہے اور
جلد ریسیور اٹھائے جانے کی امید بے کار ہے —

"ہیلو، میں پروفیسر ہامان کا سابقہ اسسٹنٹ فاخر طوری بول رہا
ہوں۔ آپ کون صاحب ہیں؟"

"سابقہ اسسٹنٹ؟" دوسری طرف سے ایک تیز سی آواز سنائی
دی۔ آواز میں حیرت شامل تھی۔

"جی ہاں، ابھی ایک منٹ پہلے میں نے ملازمت سے جواب
دے دیا ہے؛ تاہم پروفیسر صاحب نے یہ فون سننے کی درخواست کی
ہے، کیونکہ وہ اس وقت کسی گہری سوچ میں غرق ہیں۔"

"اوہ اچھا، تو یہ بات ہے — خیر، تو سنیے، اپنے پروفیسر صاحب
سے کہہ دیجیے کہ ان کی تازہ ترین ایجاد آج رات ٹھیک آٹھ بجے
اڑا لی جائے گی۔"

"جی، کیا فرمایا —" طوری نے حیران ہو کر کہا۔

"ایک بار پھر غور سے سن لیں، پروفیسر ہامان کی تازہ ترین ایجاد
آج رات اڑا لی جائے گی، ٹھیک آٹھ بجے — سن چکے۔"

"ہاں۔" طوری نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا، پھر بولا: "مگر آپ



ہیں کون، آپ کا نام کیا ہے؟"

"سرخ پنجہ۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا۔

"سرخ پنجہ —" فاخر طوری کے منہ سے سوالیہ لہجے میں نکلا۔

"ارے باپ رے، کیا کہا تم نے؟" پروفیسر نے اچھل کر کہا۔ اس
کے چہرے پر خوف کا ایک ایسا عالم نظر آیا کہ طوری نے کبھی کسی
آدمی کے چہرے پر بھی نہ دیکھا ہو گا۔

"فون کرنے والے نے اپنا نام سرخ پنجہ بتایا ہے۔"

"نہیں۔" پروفیسر چیخ پڑنے والے انداز میں بولا۔

"آخر آپ اتنے خوف زدہ کیوں ہو گئے یہ نام سن کر، ویسے
نام ہے عجیب سا، سرخ پنجہ۔"

"اف خدایا، طوری، بار بار میرے سامنے یہ منحوس نام نہ لو ورنہ
میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا اور پھر تمہیں یہاں کچھ اور دیر رکنا پڑے
گا، وہ بھی بغیر تنخواہ کے، کیوں کہ میں تمہیں ملازمت سے نکال چکا ہوں۔"

"تو کیا آپ یہ نہیں پوچھیں گے کہ سرخ پنجے نے کیا کہا ہے؟"

"پھر وہی، اس کا نام لیے بغیر بتاؤ، اس نے کیا کہا ہے۔" اب
پروفیسر کی آواز میں باقاعدہ تھرتھری پیدا ہو چکی تھی۔

"اس نے کہا ہے، آج رات ٹھیک آٹھ بجے آپ کی تازہ ترین
ایجاد چرا لی جائے گی۔"

"کیا؟" پروفیسر پوری قوت سے حلق پھاڑ کر چلا اٹھا۔ فضا جھنجھنا

اٹھی ۔ طوری کو اپنے کانوں کے پردے ہلتے محسوس ہوئے ۔ اس نے بوکھلا کر پروفیسر کی طرف دیکھا اور پھر بُری طرح گھبرا گیا، کیونکہ پروفیسر پر غشی کی کیفیت طاری ہو چلی تھی ۔ اس نے لپک کر انہیں سنبھالا ۔ پاس ہی رکھے گلاس میں سے پانی کے چھینٹے ان کے منہ پر مارے ۔ یہاں تک کہ انہوں نے آنکھیں پوری طرح کھول دیں ۔

"پھر کہو، اس نے کیا کہا تھا ؟" پروفیسر کی آواز کسی اندھے کنویں سے آتی محسوس ہوئی ۔

"اس نے کہا تھا، آج رات ٹھیک آٹھ بجے آپ کی ایجاد چرا لی جائے گی ۔"

"نہیں نہیں نہیں، یہ نہیں ہو سکتا ۔ وہ ایجاد تو میری زندگی بھر کی کمائی ہے ۔ میں نے مدتوں کے تجربات کے بعد کامیابی حاصل کی ہے ۔ میں مر جاؤں گا، لیکن ایجاد چوری نہیں ہونے دوں گا ۔ طوری، کیا وقت ہوا ہے ۔" پروفیسر صاحب نے جلدی جلدی کہا ۔

"آپ کے اپنے ہاتھ پر بھی تو گھڑی بندھی ہے ۔" طوری نے جھنّا کر کہا ۔

"طوری، تم کیسے سابقہ اسسٹنٹ ہو، وقت بتانے کے معاملے میں بھی میری مدد نہیں کر سکتے ۔ جلدی بتاؤ، میرے پاس وقت بہت کم ہے ۔"

"اس وقت شام کے چار بجے ہیں ۔" اس نے برا سا منہ بنایا ۔



"گویا ٹھیک چار گھنٹے بعد سرخ پنجہ یہاں آ جائے گا ۔ اف، مجھے فوری طور پر کچھ کرنا چاہیے ۔"

"لیکن پروفیسر صاحب، آخر وہ کون سی ایجاد ہے جو وہ چرانا چاہتا ہے ۔ اور یہ سرخ پنجہ ہے کون ؟"

"تم نہیں جانتے طوری، تم تو کچھ بھی نہیں جانتے ۔ میرے پاس آئے ابھی تمہیں عرصہ ہی کتنا ہوا ہے ۔ بے وقوف انسان، سرخ پنجہ ایک طوفان ہے، ایک مصیبت ہے، ایک زلزلہ ہے ۔ بس یوں سمجھ لو کہ ایک قیامت ہے ۔"

"میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کچھ ہے ۔" طوری نے گھبرا کر کہا : "مگر آپ کا اس سے کیا تعلق، یا آپ سے اسے کیا دشمنی ہے کہ وہ آپ کی ایجاد چرا لینا چاہتا ہے ؟" طوری بولا ۔

"کم عقل انسان، سنو، سرخ پنجہ پہلے بھی مجھے فون کر چکا ہے ۔ تم شاید اخبارات غور سے نہیں پڑھتے ۔ سرخ پنجے کی کارروائیاں پوری دنیا کو خوف زدہ کیے ہوئے ہیں، لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ ادھر بھی آ جائے گا ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں واقعی اس دنیا کا بہت بڑا، بلکہ سب سے بڑا سائنس دان ہوں ۔ اسی لیے تو وہ میری ایجاد چرانے آ رہا ہے ۔" پروفیسر نے فخریہ لہجے میں کہا ۔

"لیکن آپ کی تازہ ترین ایجاد ہے کیا ۔ مجھے تو آپ نے اس ایجاد کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا ۔"

"تم جیسوں کو بتا بھی کیسے سکتا ہوں۔ ہٹو، مجھے حکام کو فون کرنے دو۔"

یہ کہہ کر پروفیسر اٹھ کر فون کے پاس بیٹھ گیا، پھر اس نے سب سے پہلے آئی جی شیخ نثار احمد کے نمبر ملائے۔ سلسلہ ایک منٹ کی کوشش کے بعد ملا۔ یہ ایک منٹ پروفیسر نے بُری طرح پیچ و تاب کھاتے گزارا۔۔۔ اس دوران فاخر طوری بھی حیرت زدہ سا بیٹھا رہا تھا۔

"ہیلو شیخ صاحب، میں پروفیسر ہامان بول رہا ہوں۔" انہوں نے اپنی سخت اور کراری آواز میں کہا۔

"اوہو، یہ آپ ہیں؟" دوسری طرف سے آئی جی صاحب کی آواز سنائی دی، لیکن آواز میں ناگواری کی جھلک پروفیسر محسوس نہ کر سکے۔

"جی ہاں، ابھی ابھی مجھے ایک فون موصول ہوا ہے۔ فون کرنے والے نے دھمکی دی ہے کہ آج رات ٹھیک آٹھ بجے میری تازہ ترین ایجاد اڑا لی جائے گی، لہٰذا فوری طور پر میری تجربہ گاہ کی حفاظت کا انتظام کیا جائے، ورنہ ملک کو اتنا زبردست نقصان پہنچ جائے گا کہ میرے علاوہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"اوہو، تو یہ بات ہے، اور فون کس نے کیا تھا؟"

"سرخ پنجہ نے۔" پروفیسر ہامان نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"کیا کہا، سرخ پنجے نے؟" شیخ صاحب نے حیرت زدہ انداز



میں کہا۔

"جی ہاں، سرخ پنجے کا فون تھا۔"

"اور کیا فون آپ نے خود سنا تھا؟" شیخ صاحب نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"نہیں، میرے اسسٹنٹ نے۔" انہوں نے کہا۔

"ریسیور اسسٹنٹ کو دیں۔ میں سرخ پنجے کے الفاظ ان کے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔"

"لیکن اس کی کیا ضرورت ہے؟" پروفیسر نے حیران ہو کر کہا۔

"جاسوسی نقطہ نظر سے کہہ رہا ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"اچھی بات ہے، یہ لو بھئی طوری، آئی جی صاحب سے بات کرو۔" انہوں نے کہا اور ریسیور طوری کی طرف بڑھا دیا۔

"جی میں بات کروں۔" اس نے قدرے حیران ہو کر کہا اور پھر ریسیور لے لیا۔

"ہیلو، فاخر طوری بول رہا ہوں جناب۔" اس نے کہا۔

"کیا آپ پروفیسر صاحب کے اسسٹنٹ ہیں؟" شیخ صاحب نے پوچھا۔

"کچھ دیر پہلے تک تھا، اب نہیں۔" وہ بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"تھوڑی دیر پہلے انہوں نے مجھے ملازمت سے نکال دیا ہے۔"

"اوہ خیر، یہ بتایئے، فون آپ نے خود سنا تھا؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی ہاں، اس میں کوئی شک نہیں۔" طوری نے فوراً کہا۔

"فون کرنے والے نے اپنا نام سرخ پنجہ بتایا تھا اور یہ کہا تھا کہ وہ آج رات ٹھیک آٹھ بجے پروفیسر صاحب کی تازہ ترین ایجاد اڑا لے جائے گا؟"

"جی ہاں، اس نے بالکل یہی الفاظ کہے تھے۔" فاخر طوری نے جواب دیا۔

"ہوں، آپ ابھی جایئے گا نہیں۔ ہمیں حالات کا جائزہ لینا پڑے گا، کیونکہ اگر فون کرنے والے نے سرخ پنجہ نام نہ بتایا ہوتا تو ہم یہی خیال کرتے کہ کسی نے پروفیسر صاحب سے مذاق کیا ہے لیکن سرخ پنجہ اور مذاق بالکل دو مختلف چیزیں ہیں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا۔

"کیا کہہ رہے تھے آئی جی صاحب؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"کہہ رہے تھے، معاملہ بہت سنگین ہے۔"

"یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ سرخ پنجہ معمولی جگہوں پر تو جاتا نہیں۔" انہوں نے منہ بنایا، پھر چونک کر بولے:

"اور ہاں مسٹر طوری، تم اپنا بوریا بستر گول کر جاؤ۔ میں تمہیں فارغ کر چکا ہوں۔"

"سوری پروفیسر صاحب! میں ابھی نہیں جا سکتا۔" اس نے



"کیا مطلب؟" پروفیسر نے غصے میں آ کر کہا۔

"آئی جی صاحب نے مجھے ہدایت دی ہے کہ جب تک وہ نہ پہنچ جائیں، میں یہاں سے نہ جاؤں۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔ پھر چونک کر بولے۔

"میرا خیال ہے، مجھے تمام دروازے اور کھڑکیاں اندر سے بند کر لینی چاہییں۔ مسٹر طوری، اب جب کہ تمہیں یہاں کچھ دیر کے لیے رکنا پڑ ہی گیا ہے، کیا تم دروازے بند کرنے کے سلسلے میں میری مدد کرو گے؟"

"کیوں نہیں پروفیسر، بے کار بیٹھ کر میں کیا کروں گا، آیئے۔"

دونوں جلدی جلدی دروازے بند کرنے لگے۔ ٹھیک ایک گھنٹے بعد دروازے کی گھنٹی بجی۔

(۔)

آئی جی صاحب کا چپراسی انسپکٹر جمشید کے دفتر میں داخل ہوا:

"صاحب آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" انہوں نے کہا اور اٹھتے ہوئے بولے:

"اکرام، ان فائلوں کو سمیٹو۔ شیخ صاحب کی بات سننے کے بعد تو گھر ہی جانا پڑے گا، کیونکہ وقت ختم ہو چکا ہو گا۔"

"اوکے سر" اکرام نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا — انسپکٹر جمشید تیز تیز
قدم اٹھاتے شیخ صاحب کے کمرے میں داخل ہوئے۔
"السلام علیکم سر۔"
"وعلیکم السلام، جمشید بیٹھو — پروفیسر ہامان کے متعلق جانتے ہو کچھ"
انہوں نے کہا۔
"جی ہاں، کیوں نہیں — وہ ایک سائنس دان ہیں، بہت پڑھے
لکھے آدمی ہیں۔ سائنس میں ڈاکٹریٹ کی ہے انہوں نے — لیکن
ہے، بہت زیادہ تعلیم حاصل کر لینے کی وجہ سے ان کے دماغ میں خلل
پڑ گیا ہے اور اب وہ ایک جھکی انسان مشہور ہو چکے ہیں۔ دن رات
تجربات کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ سنا ہے کہ وہ کوئی ایسا تجربہ کرنے
کی فکر میں ہیں کہ ساری دنیا ان کی سائنس کا لوہا مان جائے۔"
"تمہاری معلومات قابل تعریف ہے۔ اتنا ہی میں بھی ان کے
بارے میں جانتا ہوں — اب یہ بتاؤ کہ سرخ پنجہ کے بارے میں کیا
کیا جانتے ہو؟"
"چند ملکوں میں سرخ پنجہ کا نام سننے میں آیا ہے — یہ کوئی
بہت ہی خوف ناک بلا سننے میں آئی ہے۔ یہ کیا ہے، کیا مقاصد ہیں
ابھی تک کسی کو معلوم نہیں، بس نام ضرور ذہنوں میں گونج رہا
ہے — سرخ پنجہ، سرخ پنجہ۔" انہوں نے کہا۔
"میں بھی سرخ پنجے کے بارے میں اتنا ہی جانتا ہوں۔ ابھی کل کی



پہلے پروفیسر ہامان نے فون کیا تھا۔ انہوں نے بتایا ہے کہ سرخ پنجہ
نے انہیں فون پر دھمکی دی ہے کہ آج رات ٹھیک آٹھ بجے وہ
ان کی تازہ ترین ایجاد اڑا کر لے جائے گا۔"
"جی — " انسپکٹر جمشید حیران رہ گئے۔
"تمہیں یہ سن کر حیرت ہوئی۔" آئی جی صاحب مسکرائے۔
"جی ہاں، سرخ پنجہ ہمارے ملک میں — یہ خبر میرے لیے واقعی
حیران کن ہے اور اس سے بھی زیادہ حیران کن بات یہ کہ اس نے
پروفیسر ہامان کی کوئی ایجاد اڑانے کا پروگرام بنایا ہے، اگر وہ پروفیسر
کو دھمکی دیتا تو ایک بات بھی تھی۔" انہوں نے کہا۔
"بالکل یہی بات میں نے سوچی تھی، پھر مجھے یہ خیال بھی آیا
کہ شاید پروفیسر ہامان نے شہرت حاصل کرنے کے لیے کوئی ڈرامہ
کا پروگرام بنایا ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ فون انہوں نے
نہیں، ان کے اسسٹنٹ نے سنا ہے اور میں اسسٹنٹ سے فون
پر بات کر چکا ہوں۔"
"اوہ، لیکن میں نہیں سمجھتا کہ پروفیسر ہامان نے کوئی ایسی ایجاد
کی ہو جسے سرخ پنجہ جیسا آدمی اڑانا چاہے گا۔"
"میں بھی یہی سمجھتا ہوں، لیکن جمشید یہ بھی تو سوچو پروفیسر
ہامان بہت زیادہ پڑھے لکھے ہیں — سائنس کی بے شمار ڈگریاں
لی ہیں انہوں نے — کیا خبر وہ کوئی اہم ایجاد کرنے میں کامیاب

ہو ہی گئے ہوں۔ اس صورت میں اگر سرخ پنجہ نے واقعی فون کیا
ہے اور وہ چیز اڑانے آجاتا ہے تو کیا ہوگا۔ اگر وہ ایجاد اڑا لے
گا تو پھر پروفیسر صاحب اس قدر شور مچائیں گے کہ صدرِ مملکت
تک ان کی آواز پہنچ جائے گی اور ہمیں جواب دہ ہونا پڑے گا
لہذا کیوں نہ ہم آج پروفیسر کی تجربہ گاہ کو اپنی نگرانی میں لے
لیں۔"

"جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے"
انسپکٹر جمشید خوش دلی سے مسکرائے۔

"تمہیں آج کہیں جانا تو نہیں؟"

"جی مجھے — مجھے بھلا کہاں جانا ہوگا۔" وہ بولے۔

"چھپاؤ نہیں جمشید، میں جانتا ہوں، آج پروفیسر داؤد نے تمہیں
اور خان رحمان کو اپنے ہاں رات کے کھانے پر بلا رکھا ہے"

"دراصل انہوں نے مجھے بھی دعوت دی تھی، لیکن میں نے معذرت
کر لی تھی۔"

"تو کیا ہوا جناب، فرض کی ادائیگی کے سلسلے میں ایسی بے شمار
دعوتیں قربان کی جا سکتی ہیں۔ میں پروفیسر صاحب سے معذرت
کر لیتا ہوں۔"

"میں خاص خاص لوگوں کو پروفیسر، ان کی تجربہ گاہ کی طرف
روانہ کر رہا ہوں — سات بجے تک میں خود بھی پہنچ کر انتظ



ا جائزہ لوں گا۔ تم پروفیسر داؤد کے ہاں سے ہوتے ہوئے،
طلب ہے، ذاتی طور پر معذرت کرتے ہوئے وہاں پہنچ جانا۔"

"بہت بہتر، میں ایسا ہی کروں گا۔" انہوں نے کہا۔

"کیا خیال ہے، کس قدر پولیس کافی رہے گی؟"

"میں سرخ پنجہ کے طریقۂ کار کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔
کانسٹیبل تو ضرور مقرر کر دیں، باقی آفیسر ہو جائیں گے۔" وہ

"ٹھیک ہے، اب تم جا سکتے ہو۔" انہوں نے کہا۔
انسپکٹر جمشید اپنے کمرے میں آئے اور اکرام سے بولے:

"اکرام، تم سرخ پنجہ کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"میں اسے ایک بین الاقوامی ہوّا کہوں گا۔" اکرام بولا۔

"تفصیل بتاؤ۔"

"وہ کبھی کسی ملک میں سننے میں آتا ہے، کبھی کسی ملک
— جس ملک میں بھی اس کی موجودگی ثابت ہوئی ہے، وہاں
کوئی گڑبڑ ضرور ہوتی ہے۔"

"آخری مرتبہ اسے کون سے ملک میں دیکھا گیا تھا؟"

"چھ ماہ پہلے، بحران میں۔"

"چھ ماہ پہلے کے وہ اخبارات فوراً نکال لاؤ، جن میں اس کے
متعلق کچھ شائع ہوا ہے۔"

"خیر تو ہے، یہ سرخ پنجہ کہاں سے ٹپک پڑا؟" اکرام نے پریشان
ہو کر کہا۔

"خیال ہے کہ اس بار وہ ہمارے ملک میں نازل ہو
ہے۔"

"اوہ!" اکرام دھک سے رہ گیا۔ پھر جلدی سے کمرے سے
نکل گیا۔ واپس لوٹا تو اس کے ہاتھ میں چند اخبارات تھے۔
انسپکٹر جمشید ان اخبارات میں گم ہو گئے۔ کافی دیر بعد انہوں
نے سر اوپر اٹھایا اور بولے:

"کافی حد تک ہولناک۔ بجران میں اس نے محکمہ سراغ
سے کچھ کاغذات اڑائے تھے۔ پورے شہر کی پولیس مل
بھی اسے نہیں روک سکی تھی اور ان کاغذات کے چوری ہ
کے صرف دو ماہ بعد بجران کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا تھ
خیال یہ ہے کہ ان کاغذات میں کچھ ایسے اہم راز تھے، جن کا
کی سالمیت سے گہرا تعلق تھا۔"

"خدا اپنا رحم فرمائے۔" اکرام نے کانپ کر کہا۔

"لیکن ہمارے ہاں صورت حال مختلف ہے۔ وہ پروفیس
کی ایک ایجاد اڑا لے جانا چاہتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ۔" اکرام کے منہ سے نکلا۔

"میں پہلے گھر جاؤں گا، وہاں سے پروفیسر داؤد کے



اور اس کے بعد پروفیسر ہامان کے ہاں۔ تم سات بجے سے کچھ پہلے
پہنچ جانا۔ اگر بجران کی پورے شہر کی پولیس سرخ پنجے کا کچھ نہیں
بگاڑ سکی تو پھر تو دو سو آدمی بہت کم رہیں گے۔ ٹھہرو، میں شیخ
صاحب سے فون پر بات کرتا ہوں۔"

انہوں نے فون پر ان سے بات کی۔ بجران میں ہونے والی
واردات کے بارے میں بتایا اور بولے:

"ان حالات میں تو زیادہ سے زیادہ آدمی مقرر کیے جانے
چاہییں۔"

"ٹھیک ہے، یہی کیا جائے گا۔ تم جلد وہاں پہنچنے کی کوشش
کرو۔" شیخ صاحب گھبرا کر بولے۔

انسپکٹر جمشید طوفانی رفتار سے گھر پہنچے، لیکن دروازے پر تالا
لگا پا کر انہوں نے اپنا رخ فوراً ہی پروفیسر داؤد کے گھر کی طرف موڑ
دیا۔ شاید پروفیسر خود آ کر چاروں کو لے گئے تھے یا پھر خان رحمان
ادھر سے ہوتے ہوئے انہیں ساتھ لے گئے ہوں گے، لیکن عجیب
بات یہ تھی کہ انہوں نے انہیں فون پر اطلاع کیوں نہیں دی تھی۔
پروگرام یہ تھا کہ وہ دفتر سے فارغ ہو کر انہیں اپنے ساتھ لے کر پروفیسر
داؤد کے گھر جائیں گے۔

ان کی پیشانی پر بھی بل پڑ گئے۔ جیپ کی رفتار کچھ اور بڑھ گئی۔

# جاسوسی دعوت

محمود، فاروق، فرزانہ اور بیگم جمشید پروفیسر داؤد کے گھر جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ فون کی گھنٹی بجی :

"یہ ضرور ابا جان کا فون ہوگا۔" محمود نے نعرہ لگایا۔

"لیکن میرا خیال ہے، انکل خان رحمان کا فون ہے۔" فاروق بولا۔

"جب کہ میں یہ سمجھتی ہوں کہ فون پروفیسر انکل کا ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"توبہ ہے تم تینوں سے، خیال آرائیاں ہو رہی ہیں اور ریسیور اٹھا کر فون نہیں سن رہے۔" بیگم جمشید جھنجھلا کر فون کی طرف بڑھیں اور ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو، میں پروفیسر داؤد بول رہا ہوں، آپ کون ہیں؟"

"بیگم جمشید، السلام علیکم بھائی جان۔"

"وعلیکم السلام بھابی، فون ذرا محمود کو دے دیں، ایک ضروری بات کرنا ہے۔"



"کیوں، کیا میں فون نہیں سن سکتی آپ کا۔" وہ مسکرائیں۔

"جی، یہ بات نہیں، کچھ اور ہی بات ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ لو بھئی محمود" فرزانہ کا خیال ٹھیک نکلا۔ "اپنے پروفیسر انکل کی کچھ اور بات سن لو۔" انہوں نے ریسیور پر ہاتھ رکھے بغیر شگفتہ انداز میں کہا۔ پروفیسر داؤد ہنسنے لگے۔

"ہیلو انکل، خیر تو ہے۔ ہم تو بس آنے کی تیاریاں ہی کر رہے ہیں۔"

"تیاریاں یہاں آکر کرلینا۔" پروفیسر داؤد نے عجیب بات کہی۔

"جی کیا مطلب، تیاریاں یہاں آکر کرلیں۔" محمود نے حیرت بھری آواز میں کہا۔

"ہاں بھئی، جلد از جلد پہنچنے کی کوشش کرو۔" انہوں نے کہا، لیکن لہجے میں کوئی گھبراہٹ نہیں تھی۔

"لیکن انکل، پروگرام تو یہ تھا کہ پہلے انکل خان رحمان ہمارے ہاں پہنچیں گے، پھر ہم ایک ساتھ یہاں سے آپ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔"

"پروگرام کو مارو گولی، میں جو کہہ رہا ہوں کہ فوری طور پر روانہ ہو جاؤ۔ اور ہاں، جمشید کو بھی اطلاع دینے کی ضرورت نہیں۔"

"آخر بات کیا ہے، آپ تو پراسرار سی باتیں کر رہے ہیں۔"

خیر تو ہے :" محمود نے حیران ہو کر کہا ۔

" ہاں، خیریت ہے، تم فکر نہ کرو، بس روانہ ہو جاؤ "

" جی بہت بہتر جو حکم انکل "

" شکریہ " انہوں نے کہا اور ریسیور رکھنے کی آواز آئی ۔

" انکل ہمیں فوری طور پر بلا رہے ہیں ۔ ضرور کوئی خاص بات ہے ۔ جلدی چلو ۔ امی آپ بھی اپنی تیاری درمیان میں چھوڑ دیں "

محمود نے جلدی جلدی کہا ۔

" اچھی بات ہے " انہوں نے کہا ۔

انہوں نے بیرونی دروازے کو تالا لگایا اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ کی طرف روانہ ہو گئے ۔ پروفیسر داؤد اور شائستہ انہیں گراؤنڈ میں ٹہلتے ملے ۔ ٹیکسی کی آواز سن کر وہ ان کی طرف پلٹے :

" انکل، آخر اس قدر عجلت میں بلوانے کی کیا ضرورت تھی ؟"

علیک سلیک کے بعد محمود نے کہا ۔

" سپنس " شائستہ اور پروفیسر داؤد ایک ساتھ بولے ۔

" جی کیا مطلب ؟ سپنس ؟ " فاروق نے حیران ہو کر کہا ۔

" ہاں، تم لوگ ہمیشہ دوسروں کو سپنس میں مبتلا کرتے رہتے ہو، آج ہم نے سوچا، کیوں نہ تم لوگوں کو مبتلا کر دیا جائے ۔" انہوں نے ہنس کر کہا ۔



" اوہ، تب تو آپ واقعی اپنے مقصد میں کامیاب رہے ہیں "

فرزانہ چہکی ۔

" اب انکل خان رحمان جب گھر پہنچیں گے تو وہ الجھن میں مبتلا ہو جائیں گے " محمود نے کہا ۔

" اور تمہارے ابا جان بھی " بیگم جمشید بولیں ۔

" لہذا بہت لطف رہے گا " شائستہ نے تالی بجا کر کہا ۔

" خدا کا شکر ہے کہ لطف رہے گا ۔ میں تو ڈر رہا تھا، کہیں کوئی چکر تو شروع نہیں ہو گیا " فاروق نے مسمسی صورت بنائی ۔

" چکر ۔ چکر کا تو یہاں دور دور پتا نہیں " پروفیسر داؤد بولے ۔

" یہ کیا مذاق ہے ؟ " اسی وقت پھاٹک کے باہر سے آواز آئی ۔ سب نے مڑ کر دیکھا ۔ تو خان رحمان کار میں سے منہ باہر نکالے انہیں گھور رہے تھے ۔

" جی کیسا مذاق انکل ؟ " شائستہ بولی ۔

" ہم ان لوگوں کو لینے ان کے گھر گئے تھے اور یہ یہاں موجود ہیں ۔ یہ مذاق نہیں تو اور کیا ہے " انہوں نے کہا ۔ اس وقت تک کار اندر داخل ہو چکی تھی ۔ انہوں نے دیکھا، کار ظہور چلا رہا تھا ۔

" اس میں ان کا کوئی قصور نہیں بھئی " پروفیسر داؤد نے کہا اور انہیں بتانے لگے کہ بات کیا ہے ۔

ابھی بتا کر فارغ ہوئے تھے کہ انسپکٹر جمشید بھی پہنچ گئے ۔ انہیں

آتے دیکھ کر فاروق نے کہا۔

"بھیجیے انکل، ابا جان کو بھی بتانے کے لیے تیار ہو جائیے۔"

"فکر نہ کرو، پہلے ہی تیاری کر چکا ہوں۔"

"بھئی یہ سب کیا ہے ۔۔ آپ لوگ تو پہلے ہی یہاں پہنچ گئے۔" انسپکٹر جمشید نے جیپ سے اترتے ہوئے کہا۔ پھر پروفیسر داؤد کی بات سننے کے بعد انھوں نے سنجیدہ لہجے میں کہا:

"آپ ہمیں سپنس میں مبتلا کر چکے، لیکن اب میری باری ہے۔"

"جی کیا مطلب؟ آپ کی باری ۔۔ کیا آپ کا بھی کوئی اسی قسم کا پروگرام ہے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"اس سے بھی کہیں زیادہ زبردست ۔۔ اور وہ یہ کہ میں آج کی دعوت میں شریک نہیں ہو سکوں گا۔"

"جی کیا مطلب؟" سب ایک ساتھ بولے۔

"ہاں بھئی، آئیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

وہ گراؤنڈ میں بیٹھ گئے۔ انسپکٹر جمشید نے انھیں سرخ پنجے کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔

"سرخ پنجہ، پروفیسر ہامان ۔۔" پروفیسر داؤد بڑبڑائے۔

"جی ہاں، پہلے تو آپ یہ بتائیے کہ یہ پروفیسر ہامان کوئی چیز ایجاد کرنے کے قابل بھی ہیں یا نہیں۔"

"بھئی بات دراصل یہ ہے کہ علم تو انھوں نے مجھ سے بھی



زیادہ حاصل کیا ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ ایک جھکی آدمی ہیں، تاہم یہ ناممکن نہیں کہ انھوں نے کوئی اہم ایجاد کر ڈالی ہو۔"

"اوہ، تب تو سرخ پنجے کی دھمکی کی طرف توجہ دینا ہی ہوگی۔ اور مجھے وقت سے پہلے ہی چلے جانا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید فکر مند ہو گئے۔

"تو پھر ہم بھی آپ کے ساتھ کیوں نہ چلیں۔" محمود بولا۔

"یہ کیا بات ہوئی ۔۔ میں نے جو یہاں دعوت کا انتظام کیا ہے۔" پروفیسر داؤد نے آنکھیں نکالیں۔

"بہتر تو یہی ہوگا کہ آپ انھیں میرے ساتھ جانے دیں۔ دھمکی پر عمل کا وقت ٹھیک آٹھ بجے ہے۔ ہم وہاں سے فارغ ہوتے ہی ادھر آ جائیں گے، لیکن اگر ہمیں دیر ہو جائے تو آپ لوگ کھا لیجیے گا۔"

"بھئی، یہ تو اچھا معلوم نہیں ہوتا ۔۔ میں نے تو دراصل ایک نیا باورچی ملازم رکھا ہے۔ اس کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے کھلانے کے لیے بلایا تھا تم لوگوں کو، تاکہ معلوم ہو جائے، وہ کس پائے کا باورچی ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں، ہم جلد آنے کی کوشش کریں گے ۔۔ نہ آ سکے تو بعد میں کھا لیں گے ۔۔ باورچی کا امتحان تو ویسے بھی ہو جائے گا۔"

"پروفیسر صاحب، میرا خیال ہے، یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ملک اور قوم کا مسئلہ پہلے اور کھانے کا مسئلہ بعد میں۔" خان رحمان نے بھی گفت گو میں دخل دیا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ اگر آپ کی یہی مرضی ہے تو یوں ہی سہی"

"اور اگر آپ محسوس نہ کریں تو میں بھی ان لوگوں کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔" خان رحمان مسکرائے۔

"ہائیں، یہ کیا؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"اگر آپ اجازت دیں تو، ورنہ نہیں۔" خان رحمان ڈرے ڈرے لہجے میں بولے اور وہ سب ان کی ایکٹنگ پر مسکرا دیے۔

"اچھا بابا جاؤ، سب لوگ جاؤ۔ میں اکیلا ہی بھلا۔" پروفیسر داؤد نے خوش مزاجی سے کہا۔

فیصلہ یہ کیا گیا کہ پروفیسر داؤد، شاکرہ، حامد، سرور، ناز اور دونوں بیگمات یہیں رہیں گے۔ باقی لوگ پروفیسر ہامان کی تجربہ گاہ جائیں گے چنانچہ وہ لوگ روانہ ہو گئے۔ ادھر وہ روانہ ہوئے، ادھر پروفیسر داؤد کے نئے باورچی نے کھانا تیار ہونے کا اعلان کیا۔

"اب کیا خاک کھانا کھائیں گے؟" انھوں نے منہ بنایا۔

"جی کیا مطلب؟" باورچی نے حیران ہو کر کہا۔

"سنو بھئی، ہم انتظار کریں گے، اپنے دوستوں کا۔ اگر وہ ساڑھے آٹھ بجے تک بھی نہ آئے تو پھر ہم کھانا کھالیں گے۔ وہ لوگ بعد میں



کھائیں گے۔"

"جی بہت بہتر۔" باورچی بولا اور واپس مڑ گیا۔

اسی وقت ایک کار انھوں نے اندر داخل ہوتے دیکھی۔ کار روش پر رک گئی۔ پروفیسر داؤد نے دیکھا، کار سے اترنے والے دونوں آدمی ان کے لیے بالکل اجنبی تھے۔

"شاید پولیس افسران پہنچ گئے۔" پروفیسر ہامان نے خوش ہو کر کہا۔

"ضروری نہیں کہ یہ پولیس والے ہوں۔ ہمیں محتاط رہنا چاہیے پروفیسر صاحب، آپ یہیں ٹھہریے، میں دروازے پر جا کر دیکھتا ہوں، کون ہے۔" طوری نے پریشان ہو کر کہا۔

"لل، لیکن۔ لیکن تم کیوں دیکھو گے، کیا خبر دروازے پر خطرہ موجود ہو۔ اس طرح تمہاری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی، جب کہ میں تمہیں ملازمت سے نکال چکا ہوں۔" پروفیسر ہامان نے پہلی بار جذباتی آواز میں کہا۔

"اگر واقعی کوئی شخص آپ کی کوئی ایجاد چرانے جانا چاہتا ہے تو یہ مسئلہ آپ کا یا میرا نہیں، پوری قوم کا ہے اور مجھے آپ کی حفاظت کرنا ہی ہوگی۔ آپ یہیں ٹھہریں گے پروفیسر، صرف میں دروازے پر

جاؤں گا"۔

"کہیں تم یہ پیش کش اس نظریے سے تو نہیں کر رہے کہ میں تمہیں
دوبارہ اپنی ملازمت میں رکھ لوں گا۔ اگر تمہارا یہی خیال ہے تو
تمہاری خام خیالی ہوگی۔ اب میں تمہیں کسی قیمت پر ملازم نہیں
رکھوں گا"۔

"معاف کیجیے گا پروفیسر صاحب، میں آپ سے ملازمت کی
بھیک نہیں مانگوں گا۔ اب میں آپ کی ملازمت کروں گا بھی نہیں
آپ مجھے دوگنا تنخواہ بھی دیں، تب بھی نہیں۔ سمجھے آپ، اس
باوجود دروازے پر صرف میں جاؤں گا"۔ طوری نے جذباتی لہجے میں
کہا۔

اسی وقت گھنٹی دوبارہ بجی اور طوری جلدی سے دروازے کی
طرف چل پڑا۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے پوچھا:

"کون صاحب ہیں؟" یہ سوال اس نے دروازہ کھولے بغیر کیا
تھا۔

"ایک خط پروفیسر صاحب کو دینا ہے"۔

"اوہ، تو آپ پوسٹ مین ہیں۔ اچھا خط دروازے کے نیچے سے
اندر سرکا دیں"۔ اس نے کہا۔

"میں پوسٹ مین نہیں ہوں۔ یہ خط تو کسی نے یہاں پہنچانے
کے لیے کہا تھا اور اس کام کا انہوں نے مجھے معاوضہ بھی دیا تھا



دس روپے کا ایک نوٹ، میں ایک غریب آدمی ہوں"۔

"اوہ، بہت بہت شکریہ۔ خط آپ اندر سرکا دیں۔ میں بھی
آپ کو دس روپے کا نوٹ دے رہا ہوں"۔ طوری نے کہا اور دس
کا نوٹ نکال کر دروازے کے باہر سرکا دیا۔ دوسری طرف سے خط
سرکا دیا گیا۔

ایک بند لفافہ تھا، لیکن اس کے اوپر کسی کا نام نہیں
لکھا تھا۔ طوری لفافہ لیے اندر آیا اور اسے پروفیسر ہامان کی طرف
بڑھا دیا۔

"ہم یوں ہی ڈر رہے تھے۔ کوئی شخص یہ لفافہ لے کر آیا
تھا۔ تاہم لفافہ عجیب انداز سے بھیجا گیا ہے، جو آدمی لے کر آیا تھا،
اسے کسی نے دے کر ادھر بھیجا تھا"۔

"اوہ" ان کے منہ سے نکلا، پھر انہوں نے لفافے کو احتیاط سے
چاک کیا۔ اس کے اندر سے ایک چکنا کارڈ نکل کر فرش پر گر پڑا۔
دونوں کی نظریں کارڈ پر جم گئیں، پھر پروفیسر ہامان کا چہرہ سفید پڑ گیا۔
کارڈ پر پانچ سرخ انگلیاں بنی تھیں۔ ان سے گویا خون ٹپک
رہا تھا۔ طوری بھی اس سرخ پنجے کو دیکھ کر دھک سے رہ گیا۔

"اف میرے خدا، یہ تو سرخ پنجہ ہے"۔ پروفیسر ہامان نے تھرتھر
کانپتی آواز میں کہا۔

"لگ، کیا، ایسا کوئی سرخ پنجہ آپ کو پہلے بھی مل چکا ہے"۔

"نن نہیں، یہ پہلا موقع ہے۔ میں نے تو ایسا کارڈ کبھی دیکھا بھی نہیں۔" انہوں نے بھی کانپ کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے، سرخ پنجے نے اپنا کارڈ اس لیے ... ہے کہ آپ اس دھمکی کو مذاق خیال نہ کریں۔" طوری بولا۔

"بالکل یہی بات ہے۔ خدا جانے یہ پولیس کب یہاں پہنچے گی، کیوں نہ میں پھر آئی جی صاحب کو فون کروں۔" وہ بولے۔

"ضرور ایسا کریں۔ خطرہ اب بہت بڑھ گیا ہے۔ ویسے ... ایجاد کیا ہے جو آپ کرچکے ہیں اور جس پر سرخ پنجے نے نظر ... دی ہیں۔"

"وہ ایجاد، لیکن نہیں۔ میں تمہیں نہیں بتا سکتا، کسی کو ... نہیں بتا سکتا۔ کیا خبر تم بھی سرخ پنجے کے آدمی ہو۔" پروفیسر نے چونک کر کہا۔

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ مجھ پر سراسر الزام ... " طوری نے بھنا کر کہا۔

"خیر خیر، میں نے تو یوں ہی کہہ دیا تھا۔ ٹھہرو، پہلے میں ... کرلوں۔" انہوں نے کہا اور ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ ایک بار پھر دروازے کی گھنٹی بجی۔

"لو بھئی طوری، گھنٹی پھر بج رہی ہے۔ اس بار بھی تم ہی ... مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔"



"بہت اچھا۔" طوری نے کندھے اچکائے اور ایک بار پھر دروازے ... کی طرف چلا۔ ادھر پروفیسر نے جھک کر کمرے کے فرش سے وہ ... اٹھا لیا۔ کچھ دیر تک اسے گھورتے رہے، یہاں تک کہ طوری ... آیا۔ اس نے پروفیسر کو کارڈ کی طرف خوف زدہ نظروں سے ... دیکھا تو پریشان ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"... پولیس آگئی ہے۔ انسپکٹر صاحب اندر آنے کی اجازت ... ہیں۔"

"لیکن یہ کس طرح معلوم ہو کہ وہ واقعی پولیس انسپکٹر ہے۔ ... کے بھیس میں کوئی اور نہیں ہے۔" پروفیسر بولے۔

"میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ہم یہ کس طرح جان ... ہیں۔"

"اوپر جا کر نیچے جھانک کر دیکھو۔ اگر اس کے ساتھ بہت ... پولیس والے ہوئے تو ہم دروازہ کھول دیں گے، اگر اس کے ... ایک دو آدمی ہوئے تو دروازہ نہیں کھولیں گے۔"

"ترکیب معقول ہے۔" طوری نے کہا اور چھت پر چلا گیا۔ ... جھانک کر دیکھا اور پھر واپس آکر بتایا:

"نیچے تو جناب بے شمار پولیس والے ہیں اور صرف انسپکٹر ہی ... سب انسپکٹر اور حوالدار وغیرہ بھی ہیں۔"

"بہت خوب، اب تم نے اندازہ لگایا، میں کتنی اہم شخصیت

ہوں:" پروفیسر صاحب اکڑ کر بولے۔

"جی ہاں، میں تو پہلے ہی اندازہ لگا چکا ہوں — جب آپ [illegible]
سرخ پہنچنے کی دھمکی موصول ہوئی تھی۔" طوری نے فوراً کہا۔

"گویا تمہیں اس سے پہلے احساس نہیں تھا۔" پروفیسر نے
اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا—

"جی تھا، بالکل تھا۔" وہ بوکھلا گیا—

دونوں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا اور پھر تھوڑی دیر [illegible]
پولیس کے بڑے بڑے افسر بھی وہاں پہنچ گئے۔ ان میں انسپکٹر جمشید
وغیرہ بھی تھے، لیکن خان رحمان کوئی چیز گرا آنے کی وجہ [illegible]
واپس پروفیسر صاحب کی تجربہ گاہ کی طرف چلے گئے تھے، یہ وعدہ کر [illegible]
کہ بہت جلد ان سے آملیں گے۔ لیکن جب تک آئی جی صاحب [illegible]
گئے، اس وقت تک پروفیسر ہامان نے کسی سے بات تک کرنے [illegible]
کوشش نہیں کی—

"خدا کا شکر ہے شیخ صاحب، آپ تشریف لائے۔"

"میرے علاوہ یہاں اور بھی بہت سے لوگ موجود ہیں — آپ [illegible]
پریشان ہونے کی ضرورت نہیں — انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے تک [illegible]
آئے ہوئے تھے۔"

"اوہو، اچھا — مجھے ان کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔ [illegible]
لوگوں سے ملنے کا بہت مشتاق ہوں۔"



"وہ چاروں طرف کانسٹیبلوں کو مقرر کرنے میں مصروف ہیں۔
[illegible] کام اپنی نگرانی میں انجام دے کر وہ آپ کے پاس آئیں گے
اور پھر آپ ہمیں بتائیں گے کہ ایجاد کہاں ہے تاکہ اس کی حفاظت
کا بھی انتظام کیا جا سکے، بلکہ ہم نے پروگرام بنایا ہے کہ انسپکٹر جمشید
اور ان کے بچے آپ کے ساتھ رہیں گے۔"

"ویری گڈ، اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے۔" انہوں نے
[illegible] ہو کر کہا—

تمام حفاظتی انتظامات مکمل کر لیے گئے۔ تب کہیں جا کر انسپکٹر جمشید
اور تینوں پروفیسر ہامان کے سامنے پہنچے۔

"لیجیے ان سے ملیے — یہی ہیں وہ جن سے آپ ملنے کے
[illegible] مند تھے۔" شیخ صاحب مسکرائے۔

"اوہ، اوہ — بہت خوشی ہوئی ان لوگوں کو یہاں دیکھ کر۔"
یہ کہہ کر انہوں نے ان سے ہاتھ ملایا۔

"شکریہ جناب، عام طور پر لوگ ہمیں دیکھ کر خوش ہی ہوتے
[illegible] لیکن ایسا بھی ہوتا ہے، ان کی خوشی بعد میں ناخوشی میں بدل
[illegible]۔" فاروق نے بے تکی بات کہی—

"میں سمجھا نہیں، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"ان کی عادت ہے، ادھر ادھر کی ہانکنے لگتے ہیں۔ آپ کوئی
[illegible] نہ فرمائیں۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"جی ہاں، خیال فرمانے کے لیے ان کی باتیں جو کافی ہیں"
فاروق نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ اور وہ مسکرا دیے۔
"کیا اب آپ ہمیں وہ ایجاد دکھائیں گے" شیخ صاحب نے
کہا۔
"جی ہاں ضرور ــ ایجاد کا فارمولا ایک نوٹ بک میں درج ہے
نوٹ بک میں نے تجوری کے ایک خفیہ خانے میں رکھی ہوئی ہے
آیئے، آپ لوگوں کو دکھاؤں"
"لیکن ایجاد ہے کیا؟" محمود نے بے چین ہو کر کہا۔
"ایک جدید ترین بم ــ ابھی تک اتنا ہلاکت خیز بم نہیں بن
سکا ــ ہمارا ملک یہ بم بنانے میں کامیاب ہو جائے گا تو ہمیں اپ
دشمن ممالک پر بہت برتری حاصل ہو جائے گی"
"اوہ" ان کے منہ سے نکلا، پھر وہ تجوری کے پاس آئے۔
تجوری میں نمبروں والا قفل لگا ہوا تھا ــ سب کی نظر بچا کر پروفیسر
صاحب نے تالا کھولا اور پھر اندر پھر اندر نہ جانے کیا کیا کہ کھٹاک
کی آواز کے ساتھ ایک خانہ کھل گیا۔
"آپ تو ہم سے بھی راز داری سے کام لے رہے ہیں"
آئی جی افتخار احمد خان نے پہلی مرتبہ گفت گو میں حصہ لیا۔
"کیا کیا جائے جناب ــ ایجاد اس قدر اہم ہے کہ بیان نہیں
کر سکتا ــ اگر یہ دشمنوں کے ہاتھ لگ گئی، تو ملک تو کہیں کا



وہ جائے گا"
"ہوں، یہ بھی ٹھیک ہے"
انہوں نے دیکھا، خانے میں ایک چمڑے کی جلد والی موٹی سی
اور بڑی سی نوٹ بک موجود تھی ــ
"بس بند کر دوں خانہ؟" پروفیسر ہامان نے خوف زدہ ہو کر کہا۔
کیا اس کے پر ہی تو نکل آئیں گے اور وہ پھُر سے اڑ ہی تو
جائے
"جی ہاں ضرور، اب ہم تجوری والے کمرے میں آپ کے ساتھ
رہیں گے۔ کمرہ اندر سے بند کر دیا جائے گا۔ کیا آپ کے خیال میں یہ
ترکیب مناسب رہے گی" انسپکٹر جمشید بولے۔
"جو آپ مناسب سمجھیں کریں۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں، وہ
میری ایجاد نہ اڑا لے"
"فکر نہ کریں، ایسا ہی ہو گا"
"تو پھر آپ لوگ یہیں ٹھہریے، میں بھی یہیں رہوں گا" پروفیسر
بولے۔
"ابھی نہیں جناب، ابھی تو بہت وقت ہے ــ ہم ذرا ارد گرد
کے انتظامات کا جائزہ لے آئیں" انسپکٹر جمشید بولے۔
عین اسی وقت فرزانہ دبے دبے انداز میں چونک اٹھی۔ اس
کے چہرے پر نمودار ہونے والے پریشانی کے آثار انسپکٹر جمشید نے

فوراً بھانپ لیے؛ تاہم محمود اور فاروق محسوس نہ کر چکے، پھر جوں ہی وہ باہر نکلے، انسپکٹر جمشید نے مدھم آواز میں کہا:

"فرزانہ، تم کیوں پریشان ہو؟"

"مجھے ابھی ابھی ایک خوف ناک خیال آیا ہے۔ اس نے ڈری ڈری آواز میں کہا۔

"خدا خیر کرے — اور تمہارے خیال کی خوف ناکی سے بال بال بچائے۔" فاروق کانپ کر بولا۔

"کہیں ہم سب بے وقوف تو نہیں بن رہے؟" فرزانہ نے اس کی بات پر دھیان دیے بغیر کہا۔

"ہم کیا بنیں گے، اللہ بنانے والا ہے —" فاروق بھلا کب چپ رہنے والا تھا —

"یار خاموش رہو، سن تو لو، وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔"

"سننے کی ضرورت تمہیں ہے، مجھے نہیں۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

"کیا مطلب، یہ کیا بات ہوئی۔ محمود کو سننے کی ضرورت ہے اور تمہیں نہیں۔" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"جی ہاں، اس لیے کہ میں جانتا ہوں، فرزانہ کیا کہنا چاہتی ہے۔"

"اگر ہمارے پاس وقت کم نہ ہوتا تو میں یہ دعویٰ کرتی کہ تمہیں خاک بھی نہیں معلوم، لیکن میرے خیال میں وقت بہت نازک ہے، میں



کہنا یہ چاہتی ہوں کہ یہاں تو حفاظت کے زبردست انتظام ہیں، لیکن پروفیسر انکل کی تجربہ گاہ میں اس وقت پروفیسر انکل، شائستہ حامد، سرور، فرزانہ ثانی اور امی جان کے علاوہ کوئی بھی نہیں۔ ایسے میں اگر خطرہ ادھر کی بجائے ادھر ہوا تو؟" فرزانہ کہتے کہتے رک گئی۔

"اف خدا، تمہارا یہ 'تو' کس قدر خوف ناک ہے۔" محمود نے کانپ کر کہا۔

"فرزانہ، کہیں تمہیں یہ خیال دیر سے نہ آیا ہو — یہ بھی ہو سکتا ہے ایسی کوئی بات نہ ہو — لیکن بہر حال احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ تم تینوں فوراً ادھر روانہ ہو جاؤ — یہاں کا کام میں اکیلا سنبھال لوں گا — اگرچہ میں چاہتا یہ تھا کہ وہاں خود جاؤں اور تم لوگوں کو یہاں چھوڑ جاؤں، لیکن اس وقت سبھی آفیسر یہاں موجود ہیں — ان کے ہوتے ہوئے میرا جانا اچھا نہیں لگتا، لہذا میں تمہیں حالات کی باگ ڈور سونپتا ہوں۔ جاؤ، جلدی کرو۔" وہ روانی کے عالم میں کہتے چلے گئے —

"خدا حافظ، ابا جان۔" انہوں نے ایک ساتھ کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتے باہر کی طرف چلے۔ ایسے میں شیخ صاحب اور خان صاحب نے انہیں دیکھ لیا۔

"بھئی، یہ چوروں کی طرح تم کہاں جا رہے ہو؟"

"جی، ہم — یعنی کہ آپ کا مطلب ہم سے ہے۔" فاروق نے

بوکھلا کر کہا۔

"ہاں، اس لیے کہ تم لوگوں کے فرشتے ہمیں نظر نہیں آرہے!"

آئی جی مسکرائے۔

"ہم ذرا پروفیسر انکل کی تجربہ گاہ تک جا رہے ہیں۔" محمود نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ہم جانتے ہیں۔ آج وہاں تم لوگوں کی دعوت ہے، لیکن بھئی ایسے میں دعوت کا کیا خاک لطف آئے گا۔"

"یہ بات نہیں جناب عالی، ہم وہاں ذرا دوسری قسم کی دعوت اڑانے جا رہے ہیں۔" فاروق نے شرمیلے انداز میں کہا۔

"دوسری قسم کی دعوت، یہ کیسی ہوتی ہے۔ ہم بھی تو سنیں۔" خان صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

"جی وہ، ذرا جاسوسی قسم کی۔"

"کیا کہا، جاسوسی دعوت [illegible]۔"

"جی، جی ہاں۔ تفصیل آپ ابا جان سے معلوم کر لیجیے، کیونکہ وقت بہت نازک ہے۔ اجازت ہے جناب ہمیں۔"

"ٹھیک ہے، تمہاری تم ہی جانو۔" آئی جی بُرا سا منہ بنا کر بولے۔

اور انھوں نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ ایک ٹیکسی میں وہ تجربہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے ہی تھے کہ دوسری طرف سے خان رحمان آتے نظر



آئے۔ یہ دیکھ کر ان کی سٹی گم ہو گئی کہ ان کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا، جب کہ ظہور بالکل ٹھیک تھا؛ البتہ پریشانی اس کے چہرے سے بھی ٹپک رہی تھی۔

"ڈرائیور صاحب، ذرا ٹھہریں۔" پھر وہ ٹیکسی سے باہر نکل آئے اور ان کی طرف بڑھے۔

# دوسری طرح

دونوں اجنبی ان کے قریب آکر رک گئے۔ پروفیسر داؤد انہیں
حیرت بھری نظروں سے دیکھے جا رہے تھے۔ ان میں سے ایک کے
گلے میں کیمرہ لٹک رہا تھا۔

"فرمائیے جناب، آپ کون ہیں، مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"کیا آپ ہمیں بیٹھنے کے لیے نہیں کہیں گے۔" ان میں سے
ایک نے مسکرا کر کہا۔

"ضرور ضرور، تشریف رکھیے" پروفیسر بولے اور وہ دونوں
کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

موسم بہار شروع ہو چکا تھا اور ٹھنڈی ہوا اچھی لگنے لگی
پروفیسر داؤد انسپکٹر جمشید وغیرہ کے جانے کے بعد گراؤنڈ میں ہی بیٹھے
رہ گئے تھے۔ شاید اس ٹھنڈی ہوا کی وجہ سے۔ انہوں نے دونوں
اجنبیوں کو بھی گراؤنڈ میں بچھی کرسیوں پر ہی بیٹھنے کی دعوت
تھی۔



"آپ کو تو معلوم ہی ہے، پروفیسر ہامان کو سرخ پنجے نے دھمکی
ملی ہے۔"

"جی ہاں، معلوم ہے، لیکن آپ کو یہ بات کس طرح معلوم ہوئی؟"
پروفیسر حیران ہو کر بولے۔

"یہ بات تو اب تک پورے شہر میں پھیل چکی ہے۔ خیر تو
ہم صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ یہ پروفیسر ہامان کہیں
اپنے آپ کو شہرت دینے کے ڈراما تو نہیں کھیل رہے۔"

"سننے میں آیا ہے کہ سرخ پنجے کا فون ان کے اسسٹنٹ نے
سنا تھا اور اگر یہ ڈراما بھی ہو تو اس سے آپ کو کیا؟" انہوں
نے برا سا منہ بنایا۔

"اگر ہمیں اس سے کوئی غرض نہ ہوتی تو یہاں نہ آتے۔"
دوسرے نے پہلی بار لب کھولے۔

"تو پھر بتائیے نا، آپ کس لیے آئے ہیں۔" انہوں نے قدرے
جھلا کر کہا۔

"ہم آپ کی تجربہ گاہ کی سیر کرنے آئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونک کر بولے۔ اسی وقت بیگم جمشید
نے بہت گھبراہٹ محسوس کی۔

"بہت عرصے سے شوق تھا آپ کی تجربہ گاہ دیکھنے کا۔ سوچا،
کیوں نہ آج دیکھ ہی لیں۔" پہلا بولا۔

"لیکن میں نہیں جانتا، تم لوگ کون ہیں۔" پروفیسر داؤد اب
کسی قدر پریشان ہو چلے تھے۔
"اوہو، میں تو بھول ہی گئی — باورچی خانے میں پانی اُبل رہا
ہوگا۔" بیگم جمشید نے گھبرا کر کہا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"تشریف رکھیے، ہم جانتے ہیں، اندر باورچی موجود ہے۔" دوسرا
مسکرایا: "اور یہ بھی کہ یہ آپ کا گھر نہیں۔"
وہ مایوس ہو کر بیٹھ گئیں۔ اب تو ان کے کانوں میں خطرے
کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔ انھوں نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کی
طرف دیکھا؛ تاہم پروفیسر صاحب نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا:
"دیکھیے، اگر آپ تجربہ گاہ دیکھنا چاہتے ہیں تو کسی ایسے
شخص کو ساتھ لائیے، جس سے میں اچھی طرح واقف ہوں یا پھر
میرے کسی دوست کا رقعہ لے کر آئیے۔ اس طرح تو میں آپ کو
تجربہ گاہ نہیں دکھا سکتا۔"
"ہمیں افسوس ہے، آپ کو تجربہ گاہ دکھانا ہی ہوگی اور ہم
دیکھ کر ہی جائیں گے — اب یہ آپ کی مرضی ہے، شرافت سے دکھائیں
یا زبردستی۔" پہلے نے لاپروائی سے کہا۔
"تم — تم کون ہو — زبردستی تجربہ گاہ دیکھنے والے؟" پروفیسر
داؤد کو غصہ آ گیا۔
"اگر آپ ہمارے نام جاننا چاہتے ہیں تو سن لیجیے، میں



ہاں، ہاں بھئی، اپنا تعارف تم خود کراؤ، میں یہ تکلیف نہیں کر سکتا۔"
... نے ان سے کہنے کے بعد اپنے ساتھی سے کہا۔
"پروفیسر صاحب میرا نام سمجھ ہی گئے ہوں گے — جوڈو کا ساتھی
... ہو سکتا ہے۔"
"اور یہ بھی عرض کرتے چلیں کہ ہم صرف نام کے ہی جوڈو
نہیں ہیں، کام کے بھی ہیں۔" دوسرے نے ہنس کر کہا۔
پروفیسر داؤد، بیگم جمشید اور چاروں بچوں کی پیشانیاں پسینے سے
... گئیں۔ پروفیسر داؤد سے غلطی یہ ہوئی تھی کہ انسپکٹر جمشید کے جاتے
ہی انھوں نے دروازہ اندر سے بند نہیں کیا تھا، ورنہ یہ دونوں
... آسانی سے اندر داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ دراصل خطرے کا
... اس لیے بھی ذہن سے نکل گیا تھا کہ آج خطرہ پروفیسر داؤد
... ان تھا، ورنہ عام حالات میں دروازہ بند رہتا تھا اور کوئی بھی شخص
اجازت اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔
"آخر آپ لوگ چاہتے کیا ہیں؟" بیگم جمشید نے تیز لہجے میں
کہا۔
"بتا تو چکے ہیں، صرف تجربہ گاہ دیکھیں گے اور کچھ نہیں۔"
"اچھا ٹھیک ہے، آئیے۔" پروفیسر داؤد نے کچھ سوچ کر کہا۔
"آپ بہت عقل مند ہیں۔" جوڈو خوش ہو کر بولا۔
وہ انہیں لے کر اندر کی طرف چل پڑے۔ عمارت کے اندر

پہنچتے ہی جوڈو نے کہا۔

"مگر پروفیسر صاحب، ہم تجربہ گاہ ذرا دوسری طرح دیکھیں گے"

"دوسری طرح سے تمہاری کیا مراد ہے؟" پروفیسر داؤد نرم آواز میں بولے۔

"دوسری طرح سے ہماری مراد تیسری طرح ہرگز نہیں ہے مطلب یہ کہ آپ لوگ ایک کمرے میں آرام کریں، ہم خود ہی د لیں گے تجربہ گاہ۔ آپ کو رہنمائی کے لیے ہمارے ساتھ رہنے ضرورت نہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" پروفیسر داؤد چونک کر بولے۔

"نہایت آسانی سے۔ ہم آپ کو بس کرسیوں سے باندھ د گے اور تجربہ گاہ دیکھنے کے بعد رخصت ہو جائیں گے۔ آپ دوست آٹھ بجے کے بعد واپس آ کر آپ کو کھول دیں گے۔ اس آپ کو پریشانی نہیں ہو گی۔"

"تو تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ آٹھ بجے کے بعد واپس آ گے۔"

"ہاں جناب، ہم بہت کچھ جانتے ہیں۔" گرانڈے ہنسا۔

اسی وقت پروفیسر صاحب کا نیا باورچی دوسری طرف سے نظر آیا۔ اسے دیکھ کر پروفیسر داؤد نے اپنے اندر حوصلہ محسوس جلدی سے بولے:



"جابر، یہ لوگ زبردستی تجربہ گاہ دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"اوہو، اچھا!" جابر نے کہا اور اس کے لہجے نے انہیں خطرے کا زیادہ ہی احساس دلا دیا۔

"یہ تم کس طرح گفت گو کر رہے ہو؟"

"اس سے زیادہ شریفانہ انداز میں میں گفت گو کر ہی نہیں سکتا پروفیسر۔" باورچی ہنسا۔

"تو تم بھی ان کے ساتھی ہو؟" پروفیسر تھکی تھکی آواز میں بولے۔

"بہت دیر بعد سمجھے پروفیسر۔ دراصل ہم نے سرخ پنجے کا چکر چلایا تھا، لیکن اس سے پہلے جابر کو بطور باورچی آپ ملازمت حاصل کرنے کے لیے بھیجا جا چکا تھا۔ یہ کھانا پکانے واقعی اپنا جواب نہیں رکھتا۔ ہمیں امید تھی کہ یہ آپ کے ہاں ملازمت حاصل کرنے میں نہایت آسانی سے کامیاب ہو جائے گا؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اب ہم نے پروگرام کے مطابق سرخ پنجہ کا نام استعمال کیا اور پروفیسر ہامان کو فون کیا کہ آج رات ٹھیک آٹھ بجے کی ایجاد چرا لی جائے گی۔ ہم جانتے تھے، یہ فون ہل چل مچا دے گا حکام اور پولیس پروفیسر ہامان کی تجربہ گاہ کے گرد پھیل جائیں گے چنانچہ یہی ہوا۔ انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے بھی آپ کی کے بجائے ادھر کا رخ کر گئے۔ ہم آپ کی تجربہ گاہ کے پہلے سے ہی موجود تھے۔ جوں ہی آپ کے دوست رخصت

ہوئے اور جابر نے میدان صاف ہونے کی اطلاع چھت سے ہیں

ہم اندر آ گئے۔ اب شہر بھر کی پولیس پروفیسر داؤ ان کی تجربہ گاہ کے

اردگرد موجود ہے۔ تمام پولیس آفیسر بھی وہاں مصروف ہیں۔ آٹھ

سے پہلے ان کی واپسی کا کوئی امکان نہیں اور یہ وقت ہمارے

بہت کافی ہے۔ اب آپ خود کو بندھوانے کے لیے تیار ہو جائیں

جوجٹو اور کراٹے، تیزی سے ہاتھ چلاؤ، میں انہیں پستول کی زد

رکھوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔" جابر عرف جوجٹو نے کہا اور جیب سے نا

کی رسی کے دو گولے نکالتے ہوئے ایک کراٹے کی طرف اچھال

دوسری طرف سے اس نے ننھا سا چاقو نکالا۔ یہ رسی کاٹنے کے

ان کے چہرے سفید پڑ گئے۔ انہیں اپنے ہاتھ کمر پر بندھوانے

پھر ان کے پاؤں بھی باندھے گئے۔ اس سے پہلے انہیں ایک کمر

میں لایا گیا تھا۔ ابھی باندھ کر فارغ ہوئے ہی تھے کہ دروازے

گھنٹی بج اٹھی۔

جوڈو کراٹے اور جابر نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف

کیونکہ انہیں آٹھ بجے سے پہلے کسی کے آنے کی قطعاً کوئی امید نہیں



"اس وقت کون آ گیا؟" جوڈو نے پریشان ہوئے بغیر کہا۔

"جابر، تم جا کر دیکھو، تم اس کے باورچی ہو — جو کوئی بھی ہو،

کہہ دینا کہ گھر میں کوئی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" جابر نے کہا اور باہر نکل کر بیرونی دروازے کی

آیا — پھاٹک کھولنے پر اسے ایک لمبے قد کا صحت مند

نظر آیا — پاس ہی کار کھڑی تھی۔ ڈرائیور کی سیٹ پر اس

ایک اور آدمی موجود تھا۔

"جی فرمائیے۔" جابر بولا۔

"مجھے اندر جانا ہے بھئی، شاید تم باورچی ہو پروفیسر صاحب کے۔

ہو، اس لیے مجھے نہیں جانتے۔ میرا نام خان رحمان ہے۔" انہوں

ایک طرف ہٹا کر آگے بڑھنا چاہا۔

"لیکن جناب، اندر تو کوئی بھی نہیں ہے۔ سب لوگ کہیں گئے

ہیں۔"

"کہیں گئے ہوئے ہیں؟" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں؟" اس نے کہا۔

"کیسے ہو سکتا ہے، آج تو یہاں ہماری دعوت ہے۔" خان رحمان

کر کہا اور آگے بڑھنے لگے۔

"آپ اندر نہیں جا سکتے جناب، میں آپ کو نہیں جانتا اور گھر

کوئی نہیں ہے۔" اس نے ان کا راستہ روک لیا۔ خان رحمان تاؤ

میں آ گئے۔ انہوں نے الٹے ہاتھ کا ایک تھپڑ اس کے گال پر دے
لیکن یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ ان کا تھپڑ
کے گال پر نہیں لگا تھا، بلکہ انہیں تو زیادہ حیران ہونے کی مہلت
بھی نہیں مل سکی۔ اسی وقت جابر نے جوابی حملہ کیا تھا۔ خان
کی پیشانی پر اس کے ہاتھ کی ہڈی کچھ اس زور سے پڑی کہ کھال
چیخ گئی اور خون جھلک آیا۔ ان کا سر زور سے چکرایا اور وہ
سے گرے، گرتے ہی بے ہوش ہو گئے۔

"لے جاؤ انہیں اٹھا کر اور ہسپتال پہنچا دو۔" جابر نے
کی طرف نفرت سے دیکھا۔

ظہور تھر تھر کانپ رہا تھا — ایسے حالات سے اس کا واسطہ
ہی پڑتا تھا۔ لڑکھڑاتی ٹانگوں سے وہ باہر نکلا اور خان رحمان کو
کھانچ کر کار کی پچھلی سیٹ پر لٹا دیا، پھر کار چلا دی — پھاٹک
ہوئے جابر اندر داخل ہوا تو جوڈو نے پوچھا۔

"کیوں، کون تھا؟"

"پروفیسر صاحب کا کوئی دوست — اس کی بھی آج یہاں
تھی۔"

"لیکن دعوت میں شریک ہونے والے تو پہلے ہی آ چکے
تم نے چھت سے ہمیں بھی اشارہ دیا تھا۔" کراٹے نے حیران ہو
"ہاں، یہ شاید رہ گیا تھا۔ لیٹ آیا ہوگا۔" اس نے کہا



پھر، تو تمہاری بات سن کر وہ واپس چلا گیا۔
"ان حالات میں کہ اسے یہاں دعوت دی گئی تھی، وہ کس طرح میری
کا ہو لیتا — اس نے زبردستی اندر داخل ہونا چاہا۔ میں نے اسے
تو اس نے مجھ پر ہاتھ چھوڑ دیا۔ مجھے بھی ہاتھ کو حرکت دینا پڑی —
ش ہونے پر میں نے اس کے ڈرائیور سے کہا کہ اسے اٹھا
جائے؛ چنانچہ اس نے تعمیل کی۔"
"لیکن کیوں، اگر ایسا ہو گیا تھا تو تم ان دونوں کو اندر لے آتے۔
انہیں بھی رسیوں سے باندھ دیتے۔" جوڈو نے بُرا سا منہ بنایا۔
"تم نے ہی تو کہا تھا، اسے اندر نہ آنے دوں۔" جابر بولا۔
"ہمارے لیے خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ پہلے ہم اطمینان سے کام
کرتے — اب ہمیں بہت تیزی سے ہاتھ چلانا پڑیں گے — آؤ
جلدی کرو۔" اس نے گھبرا کر کہا۔
وہ تینوں تجربہ گاہ کی طرف دوڑ پڑے۔ جابر رہنمائی کے لیے
سب سے آگے تھا۔

# تین نام

"خدایا رحم، یہ آپ کی پیشانی کو کیا ہوا؟"

"میں ابھی ابھی ہوش میں آیا ہوں — میری فکر چھوڑو...
سے کار میں بیٹھو۔ میں جمشید کو حالات بتاتا ہوں۔ تم پروفیسر
کی مدد کو روانہ ہو جاؤ۔ ظہور، آج ڈرائیونگ کا کمال دکھانے
وقت ہے۔"

"بہت بہتر جناب۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ کے رنگ فق ہو گئے۔ ان کا شک
نکلا تھا۔ وہ تیزی سے کار میں بیٹھ گئے۔ ان کا ٹیکسی ڈرائیور
آوازیں ہی دیتا رہ گیا۔ ادھر خان رحمان زخمی پیشانی لیے آگے
دروازے پر ڈی آئی جی صاحب نے انہیں اس حالت میں دیکھ
ان کی طرف لپکے —

"خیر تو ہے خان صاحب۔"

—"پروفیسر داؤد خطرے میں ہیں۔ جلد انسپکٹر جمشید کو خبر کر...



"اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا اور پھر اندر کی طرف دوڑ پڑے۔
...صاحب نے انہیں اس طرح دوڑتے ہوئے اندر کی طرف
...دیکھا تو بوکھلا کر بولے:

"خیر تو ہے خان صاحب، کیا سرخ پنجہ حملہ آور ہو چکا ہے؟"

"نہیں، پروفیسر داؤد کے ہاں۔" انہوں نے گھبرا کر کہا۔

"...؟" شیخ صاحب زور سے چیخے — ان کی چیخ نے انسپکٹر جمشید
...کو ان کے کمرے سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا۔

"جمشید، جلدی کرو۔ پروفیسر داؤد خطرے میں ہیں۔"

"نہیں۔" وہ خوف زدہ آواز میں بولے، پھر بلا کی رفتار سے
...کی طرف دوڑے۔ دوسرے ہی لمحے وہ اپنی جیپ میں اڑے جا
...تھے۔ پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ شہر کے مشرقی حصے میں تھی تو
...ان کی مغربی حصے میں — درمیانی فاصلہ بہت زیادہ تھا اور
انسپکٹر جمشید کو فکر میں ڈالے دے رہی تھی۔

جب وہ تجربہ گاہ کے سامنے پہنچے تو انہوں نے دیکھا، پھاٹک
...کھلا تھا — اندر پروفیسر داؤد کی کار بھی موجود نہیں تھی — پوری
...گاہ پر گویا موت کی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ان کا دل دھک
دھک کرنے لگا — بے تحاشا دوڑتے ہوئے وہ اندر پہنچے۔ اسی وقت
...کے کانوں سے ایک آواز ٹکرائی —

"کون دوڑ رہا ہے، ہم اس کمرے میں ہیں۔"

آواز پروفیسر داؤد کی تھی — وہ اس کمرے کے دروازے پر پہنچے
اور دروازہ کھول دیا۔ اندر پروفیسر داؤد، بیگم اور خان رحمان کے
بندھے پڑے تھے۔ وہ انہیں کھولنے کے لیے آگے بڑھے۔

"جمشید، ہماری فکر چھوڑو، تجربہ گاہ کی خبر لو۔ شاید وہ لوگ
ابھی تک تجربہ گاہ میں ہیں۔" پروفیسر صاحب نے گھبرائی ہوئی آواز
میں کہا۔

"اوہ۔" انہوں نے کہا اور ایک بار پھر دوڑ لگا دی۔ تجربہ گاہ میں
داخل ہونے سے پہلے انہوں نے اپنے بچاؤ کی ذرا بھی پروا نہیں کی
پھر فوراً ہی انہیں احساس ہوا، اندر کوئی نہیں ہے، تاہم انہوں
نے اچھی طرح اپنا اطمینان کیا اور جب یہ یقین ہو گیا کہ اندر واقعی
کوئی نہیں تو پھر اسی کمرے میں آئے۔ انہیں ایک ننھا سا چاقو
فرش پر پڑا نظر آیا، وہ رسیاں کاٹنے کے لیے اسے اٹھانے ہی
والے تھے کہ دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ بوکھلاہٹ کے
عالم میں وہ باہر نکلے۔

شیخ صاحب، خان صاحب، خان رحمان اور کچھ اور آفیسر بد
حواسی کے عالم میں اندر دوڑے چلے آ رہے تھے، لیکن جو چیز انہیں
پریشان کیے دے رہی تھی، وہ یہ تھی کہ محمود، فاروق اور فرزانہ
بھی نہیں تھے، نہ ان سے پہلے یہاں پہنچے تھے، نہ ان لوگوں کے
ساتھ آئے تھے۔



"کیوں جمشید، خیر تو ہے۔" شیخ صاحب بولے۔
"کیا وقت ہوا ہے؟" انہوں نے جواب دینے کی بجائے عجیب
سا سوال کیا۔
"وقت، پونے آٹھ بج رہے ہیں۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ یہاں
[illegible]
خیریت نظر تو نہیں آتی — آئیے اندر۔"
وہ انہیں پھر اسی کمرے میں لے آئے جہاں پروفیسر صاحب
اور دوسرے بندھے پڑے تھے۔ رسیاں کاٹنے کے لیے انہوں نے
جونہی چاقو اٹھانے کا ارادہ کیا تھا کہ رک گئے اور بولے:
"کیا حملہ آوروں میں سے کسی نے یہ چاقو استعمال کیا تھا؟"
"ہاں، رسیاں کاٹنے کے لیے۔" پروفیسر صاحب نے بتایا۔
"اور اس کے ہاتھ پر دستانے نہیں تھے؟"
"میں نے تو دیکھے نہیں۔"
"تب تو اس چاقو کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔" یہ کہہ کر انہوں
نے جیب سے چاقو نکال کر ان کی رسیاں کاٹ ڈالیں۔
"اب بتائیے، کیا ہوا تھا؟"
وہ انہیں بتانے لگے، پھر خان رحمان نے اپنے زخمی ہونے کی
کہانی سنائی، پھر پروفیسر نامان کی تجربہ گاہ کے پاس محمود، فاروق اور
فرزانہ سے ملاقات کے بارے میں بتایا۔

"حیرت ہے، پھر وہ تینوں ظہور سمیت کہاں غائب ہو گئے؟" انہوں نے کہا، پھر خود ہی جواب میں بولے:

"صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ عین اسی وقت یہاں پہنچے تھے، جب مجرم پروفیسر صاحب کی کار میں فرار ہو رہے تھے۔ وہ مجرم ان کے تعاقب میں گئے ہوں گے۔"

"ضرور یہی بات ہے۔" ڈی آئی جی پرجوش لہجے میں بولے۔

"اب آیئے، تجربہ گاہ کا جائزہ لیں۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ وہ چاہتے کیا تھے؟"

سب لوگ تجربہ گاہ میں پہنچے، لیکن ان میں سے کوئی شخص بھلا یہ کس طرح جان سکتا تھا کہ حملہ آور تجربہ گاہ میں کیوں آئے تھے۔ اس سلسلے میں تو صرف اور صرف پروفیسر داؤد ہی چھان بین کر سکتے تھے! چنانچہ سب لوگ کرسیوں پر بیٹھ گئے اور پروفیسر داؤد ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لینے لگے۔ ادھر انسپکٹر جمشید مختلف پولیس سٹیشنوں کو فون پر ہدایات دینے لگے کہ پروفیسر داؤد کی کار شہر میں جہاں کہیں بھی نظر آئے، روک لی جائے اور اس میں موجود لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ کار کے نمبر اور تینوں کے حلیے بھی انہوں نے نوٹ کرا دیے۔ حلیے انہیں پروفیسر صاحب نے بتائے تھے۔

"خدا کرے، محمود، فاروق اور فرزانہ خیریت سے ہوں اور پوری کامیابی سے ان کا تعاقب کر رہے ہوں۔" آئی جی صاحب نے دعا مانگی۔



"تو سرخ پنجے کا صرف نام استعمال کیا گیا تھا اور چکر یہ چلایا گیا کہ تمام آفیسر پروفیسر نامان کی تجربہ گاہ کے گرد جمع ہو جائیں۔ وہ پورے اطمینان سے یہاں اپنا کام کر سکیں۔" ڈی آئی جی بولے۔

"میں تو پہلے ہی حیران تھا کہ پروفیسر نامان نے ایسی کیا چیز ایجاد کر لی۔"

"بہت گہری چال چلی ان لوگوں نے، لیکن فرزانہ کو پھر بھی خطرے کا احساس ہو گیا تھا، لیکن یہ احساس ذرا دیر سے ہوا۔ اگر کہیں احساس یہاں ہوتے ہوئے ہو جاتا تو میں کم از کم ان تینوں کو یہاں ضرور چھوڑ جاتا۔" انسپکٹر جمشید بولے، پھر خان رحمان کی طرف دیکھ کر بولے:

"اوہو خان رحمان، تمہارے سر کی پٹی بھی تو کرنی چاہیے۔"

تجربہ گاہ کی ایک الماری میں سے فرسٹ ایڈ بکس پروفیسر داؤد کو سامان وہیں پر مل گیا اور وہ پٹی کرنے لگے، پھر ایک گھنٹا گزر گیا۔ آخر پروفیسر داؤد تھکے تھکے قدموں سے ان کی طرف بڑھے۔ ان کے چہرے پر حیرت اور سوچ کی نمایاں جھلکیاں نظر آ رہی تھیں۔

جوں ہی ان کی کار تجربہ گاہ والی ذیلی سڑک پر مڑی — دوسری
طرف سے انہیں ایک کار آتی نظر آئی — کار سفید رنگ کی تھی
ظہور نے اپنی کار ایک طرف کر لی، کیونکہ سڑک تنگ تھی — کار ان
کے پاس سے گزری تو اس میں انہیں تین آدمی بیٹھے نظر آئے۔ یہ دیکھ
کر ان کی حیرت بڑھی کہ کار پروفیسر داؤد کی تھی۔

"ارے، یہ تو پروفیسر انکل کی کار ہے۔" فاروق چلا اٹھا۔

اس کی چیخ کی آواز ان تینوں نے بھی سن لی — کار کی رفتار
یک لخت بڑھ گئی۔

"ظہور انکل، کار موڑ لیجیے، ہمیں اس کار کا تعاقب کرنا ہے"
فرزانہ بوکھلا کر بولی۔

"افسوس، اس سڑک پر کار نہیں مڑ سکتی۔" ظہور نے بوکھلا کر کہا۔

"تو بیک لے چلیے، جلدی کریں — یہ لوگ اگر نکل گئے تو ہم
ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔" محمود گھبرا اٹھا — ظہور کے جملے نہ کسی کو [illegible]
تک نہ آیا۔

"فکر نہ کریں، میں انہیں جانے نہیں دوں گا — آپ آج
دیکھ ہی چکے ہیں کہ اب میں ڈرائیونگ میں کس حد تک ماہر ہو چکا ہوں"
یہ کہہ کر اس نے کار الٹی چلانا شروع کر دی۔

"یہ تو خیر ٹھیک ہے۔" محمود نے بے چینی کے عالم میں کہا،
کار کی رفتار اب بہت تیز ہو چکی تھی، جب کہ وہ الٹے چلنے کے ا



اور جب وہ مین روڈ پر نکلے تو سفید کار ان کی نظروں
سے اوجھل ہو چکی تھی، تاہم انہیں سمت معلوم تھی، لہٰذا ظہور نے کار
اسی رخ پر چھوڑ دی — یہاں تک کہ وہ سڑک پر بڑی طرح اچھلنے

"آپ لوگ ڈر تو نہیں رہے؟" ظہور بولا۔

"ڈر — اور ہم رہے ہیں، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انکل؟" فاروق
نے حیران ہو کر کہا۔

"کار میں تین آدمی موجود تھے، لیکن ان تینوں میں سے پروفیسر انکل
کوئی بھی نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا وہ ضرور کوئی چیز چرا کر بھاگے ہیں۔"
فرزانہ نے رائے ظاہر کی۔

"ضرور یہی بات ہے — اب دیکھنا یہ ہے کہ ڈرائیونگ میں وہ
ماہر ہیں یا ہمارے انکل ظہور۔" محمود مسکرایا۔

"مجھے تاؤ دلا رہے ہیں۔" ظہور نے بھی جوابی مسکراہٹ چہرے
پر لاتے ہوئے کہا۔

"وہ رہی سفید کار — وہ مارا، اب میں کم از کم اسے نظروں
سے اوجھل نہیں ہونے دوں گا۔" ظہور نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"چلیے، یہی کافی ہے۔" محمود نے جواب دیا۔

دونوں کاریں پوری رفتار سے دوڑتی رہیں — اگلی کار والوں کو
بھی تعاقب کا پتا چل گیا تھا۔ وہ بار بار مڑ کر دیکھ رہے تھے۔ سڑکوں

پھر اب دن کے وقت جتنا اژدہام نہیں تھا۔ اس لیے انہیں ز
دقت نہیں ہو رہی تھی —

" ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے ہم شہر سے باہر نکلے جا رہے
فرزانہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

" اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے
نبٹ لینے کا فیصلہ کیا ہے" محمود نے فوراً نتیجہ نکالا۔

" اوہ، ضرور یہی ہے، ہوشیار ہو جاؤ "

" افسوس تو یہ ہے کہ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں، ہم ان کا سا
کیوں کر رہے ہیں "

" ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ پروفیسر انکل کی تجو
سے ان کی کار لے کر فرار ہوئے ہیں" محمود نے منہ بنا کر

اور پھر کاریں شہر کو پیچھے چھوڑتی چلی گئیں — ان کے دل
تیز تیز دھڑکنے لگے — تین ہی وہ تھے اور تین ہی دشمن، لیکن
دشمن ان کے مقابلے میں لمبے چوڑے، زیادہ عمر کے اور
طاقت ور تھے — ظہور لڑائی بھڑائی کے معاملے میں گویا صفر تھا
سے کوئی مدد ملنے کی امید نہیں تھی — یہی سوچ کر محمود نے ظہو
طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا:

" ظہور انکل، خیال یہی ہے کہ ان لوگوں سے ہمیں دو دو
کرنا پڑیں گے "



" ارے باپ رے " ظہور نے کانپ کر کہا۔

" لیکن آپ کو درمیان میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ آپ الگ
کر تماشا دیکھیے گا "

" ہاں لیکن — لیکن ...." ظہور نے گھبرا کر کہا۔

" آپ کو دو مرتبہ لیکن کا استعمال کرنے کی کیا خاص ضرورت
آئی " فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

" اگر — اگر خدا نخواستہ ان لوگوں نے آپ کو شکست دے دی
تو میرا کیا بنے گا؟" اس نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

" اوہ، تو آپ یہ سوچ رہے ہیں۔ خیر اس کا جواب یہ
ہے کہ آپ پہلے ہی کار کا رخ شہر کی طرف کر کے بیٹھ جائیے گا
انجن بھی سٹارٹ رہنے دیجیے گا۔ جوں ہی آپ ہماری شکست کے
آثار دیکھیں، بھاگ کھڑے ہوں "

" آ — آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا " ظہور کے لہجے میں
حیرت تھی۔

" بھلا اس میں اعتراض کیسا، جان بچانا تو فرض ہے " فرزانہ
دل سے بولی۔

عین اسی وقت انہوں نے اگلی کار کو پہلے آہستہ اور پھر
رکتے دیکھا۔

" لو بھئی، مقابلے کی گھڑی آ پہنچی " فاروق نے سرد آہ بھری۔

"کیا آپ گھبراہٹ محسوس کر رہے ہیں" ظہور نے حیران ہو کر

"نہیں تو، گھبراہٹ کیسی — یہ تو ہمارا روز کا معمول ہے" فاروق نے فوراً کہا۔

"تو پھر اس سرد آہ کا کیا کام ؟"

"کار کا درجہ حرارت بڑھ گیا تھا نا ذرا، انہوں نے اسے
کیا ہے" فرزانہ مسکرائی۔

"ہاں انکل، ان کا خیال ٹھیک ہے، یہ درجۂ حرارت بغیر
کے دیکھ لیتی ہیں" فاروق نے بھی فوراً کہا۔

ساتھ ہی ظہور نے بریک لگا دیے — اگلی کار اب راستے کے
بیچوں بیچ کھڑی تھی اور وہ تینوں اس سے نکل کر باہر کھڑے ہو
تھے —

"ہیلو" ان میں سے ایک نے کہا۔

"وعلیکم ہیلو دوستو، تم سے مل کر خوشی ہوئی، وہ بھی اس
بیابان میں — جنگل بیابان سے یاد آیا، یہ لفظ ہم بچپن میں دادی
سے بہت سنتے رہے ہیں، جب وہ ہمیں پریوں کی کہانیاں سنایا
تھیں"

"بھئی بات مختصر کیا کرو" محمود نے جھلا کر کہا۔

"مشورے کا شکریہ، آئندہ محتاط رہوں گا اور بات اس
مختصر کروں گا کہ پھر تمہیں ہی شکایت ہوگی کہ بات بہت ہی



ہوئے" فاروق نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا۔

"یہ تم نے بات مختصر کی ہے"

"یہ تو وضاحت تھی"

"بہتر ہوگا کہ تم لوگ یہاں اپنی باتیں کرو، ہم چلتے ہیں۔
کے لیے رک گئے تھے کہ آخر تم لوگ ہمارا تعاقب
رہے ہو" ان میں سے ایک نے کار کا اگلا دروازہ
ہوئے کہا۔

"ارے ارے، تو پوچھتے جائیے نا، اب جب کہ آپ رک ہی گئے
پوچھ لینے میں کیا حرج ہے" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"تو پھر بتاؤ، کیوں تعاقب کر رہے ہو؟"

"ہم دراصل اس کار کو بہت اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ اس میں
سفر بھی کر چکے ہیں — یہ کار کم از کم آپ کی نہیں ہے۔ اس
پہچان کر اور یہ دیکھ کر کہ اسے چلانے والے کچھ نئے اور
لوگ ہیں، ہم نے تعاقب شروع کر دیا — اگر آپ کو ناگوار گزرا
ہمارا تعاقب کرنا تو ہم یہیں سے لوٹ جاتے ہیں" فاروق
صورت بنا کر کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟" فرزانہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے
دیکھا۔

"اوہو، شاید میں کچھ غلط کہہ گیا — تو پھر تم ہی کہو — اس موقع

پھر کیا کہا جا سکتا ہے۔" فاروق سہم کر بولا۔

"ہاں، مہربانی فرما کر تم خاموش ہی رہو — سنو بھئی، یہ کار ہمارے
انکل پروفیسر داؤد کی ہے۔ تم لوگ اسے غیر قانونی طور پر لے جا
رہے ہو، لہٰذا تمہیں اسی وقت ہمارے ساتھ واپس شہر چلنا ہو گا۔
وہاں جا کر تمہیں قانون کے حوالے کر دیں گے اور کار اپنے انکل
کے حوالے۔" فرزانہ نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"اور اگر ہم جانے سے انکار کر دیں۔" ان میں سے ایک
بولا۔

"مرضی کے مالک ہیں، ہم کیا کر سکتے ہیں۔" فاروق نے
کہا۔

"فاروق، ہوش کے ناخن لو، یہ لوگ ہمارے انکل کی کار
اڑائے لیے جا رہے ہیں۔"

"ارے باپ رے، تو یہ بات ہے۔ یہ لوگ کاروں کے
ہیں۔" فاروق نے چونک کر کہا، جیسے ابھی تک سوتا ہی تو رہا

"میرا خیال ہے، تم لوگ وقت ضائع کرنے میں بہت
رکھتے ہو، لیکن ادھر ایسا نہیں ہے۔ یہ کار ہمیں ایک دن کے
خود پروفیسر صاحب نے دی ہے۔ اگر آپ کو یقین نہیں تو
ان سے پوچھ لو۔"

"آؤ بھئی، پوچھ آئیں چل کر۔" فاروق نے خان رحمان

ہوئے کہا۔ اسی وقت اس نے دیکھا، ظہور کار موڑ چکا تھا۔
بالکل تیار تھا۔ اسے مڑتے دیکھ کر تینوں دشمنوں نے
ادھر دیکھا

"... ڈرائیور بھاگنے کے لیے پر تول رہا ہے۔" لہجہ مذاق

"اس کی پر تولنے کی ہی تو عادت نہیں جاتی۔" فاروق نے

"اور تمہارے بے کار بولتے چلے جانے کی۔" ان میں سے ایک
سا منہ بنایا۔

"... ہو گئی — اب تو دشمن بھی تمہیں طعنے دینے لگے۔" فرزانہ

"واقعی، یہ افسوس کا مقام ہے۔" محمود نے سر ہلایا۔
"تو افسوس کر لو بھئی، منع کس نے کیا ہے۔" فاروق نے فوراً

"ان لوگوں کا ضرور دماغ خراب ہے۔ آپس میں باتیں کیے جا
اور ہم سے دو ٹوک بات نہیں کرتے۔"
"دراصل بات یہ ہے کہ ہمیں دو ٹوک بات کرنے کا تجربہ نہیں
فاروق بول پڑا۔
"خاموش رہو، ہاں تو برادر، تم لوگ اس کار کو واپس شہر لے جا

رہے ہو یا نہیں۔" محمود نے کہا۔

"نہیں، ہرگز نہیں۔" سب سے اگلے نے اکڑ کر کہا۔

"پھر تو معاملہ گڑبڑ ہے۔ اچھا چلو کم از کم وجہ ہی بتا دو
کار کیوں لے جا رہے ہو؟" محمود نے جلدی سے کہا۔

"بتا تو چکے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے خود ہی تو ہمیں کار
دوسرے نے کہا۔

"لیکن ہم یقین کرنے پر آمادہ نہیں۔ ایک فیصد یقین
بھی نہیں۔" فاروق بولا۔

"تب تو ہمیں آپس میں فیصلہ کرنا ہی پڑے گا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ تینوں ان کے بالکل سامنے
ہو گئے۔

"ہم تمہیں ایک خاص بات بتا دینا چاہتے ہیں۔" ان میں
ایک نے رازدارانہ لہجہ اختیار کیا۔

"بہت بہت شکریہ۔ اگر آپ ایک بات بھی نہ بتاتے
ہم کیا کر لیتے۔" فاروق نے کہا۔

"توبہ ہے تم سے، زبان کسی راکٹ سے تو کیا کم ہوگی
تلملا اٹھی۔

"اور وہ بات یہ ہے کہ ہم تم تینوں سے بخوبی واقف ہیں
نے سرد آواز میں کہا۔



"کیا مطلب؟" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"تم محمود، فاروق اور فرزانہ ہو۔ انسپکٹر جمشید کی اولاد، ہم بھی
اپنا تعارف کرا دیں، میں جوڈو ہوں، یہ کراٹے ہے اور
جابر۔"

"اسے شاید جیم بہت پسند ہے۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"یہ کیسے نام ہوئے اور صرف تیسرے ساتھی کے نام کا حرف
گیا ہے۔" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"اس لیے کہ یہ تھوڑی دیر پہلے تک جابر کے نام سے پروفیسر داؤد
رہ چکا ہے۔" جوڈو نے کہا۔

"اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ اب وہ پریشانی سی
کرنے لگے تھے، کیونکہ اگر ان لوگوں نے پروفیسر داؤد کے ہاں
پاؤں جما لیے تھے۔ تب یہ کوئی سوچی سمجھی سکیم تھی اور یہ
کے لیے خوشی کی بات نہیں تھی۔ خطرے کی گھنٹیوں کو زور سے
والی بات تھی۔

"ہم نے تمہیں اپنے نام اس لیے بتا دیے ہیں کہ تم لوگ کسی
میں مبتلا رہتے ہوئے مار نہ کھا جاؤ۔ اس سے پہلے ہم تمہارے
ساتھی کی پیشانی تو رنگ ہی چکے ہیں۔" کراٹے نے کہا۔

"اوہو، تو وہ بھی تم لوگ ہی تھے۔ جنہوں نے ہمارے انکل خان
زخمی کیا تھا۔" محمود نے تلملا کر کہا۔

"ہاں، اتفاق سے۔" جوجتسو نے کہا۔

"تب تو ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔" فرزانہ نے دانت پیسے۔

"ہم کب کہتے ہیں کہ چھوڑ کر بھاگ جاؤ۔" جوڈو ہنسا۔

ان کے اطمینان نے ان کا سکون ڈانواں ڈول کر دیا۔ تینوں

نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر فرزانہ کی پرسکو[illegible]

آواز ابھری۔

"فکر کی کیا بات ہے۔ فتح اور شکست تو بس خدا کے [illegible]

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے ایک چھلانگ دی اور وہ دوڑ[illegible]

ہوئی دور نکل گئی۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا تو وہ غائب تھی۔

"ارے، یہ تمہاری بہن کو کیا ہوا، اتنی بزدل۔" تینوں [illegible]

انداز میں ان کی طرف مڑے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ا[illegible]

دونوں بھی غائب ہو چکے تھے۔

تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر جوڈو بلند آوا[illegible]

بولا:

"بھئی یہ مقابلے کا کونسا طریقہ ہے۔ مردوں کی طرح سامنے آؤ[illegible]

تینوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ چند سیکنڈ خاموشی میں گز[illegible]

پھر کراٹے بولا۔

"اگر تم سامنے نہیں آؤ گے، تو ہم تمہارے ڈرائیور کو....."

ڈرائیور کا لفظ اس کے منہ سے کیا نکلا کہ ظہور نے کار[illegible]



[illegible] اور پھر رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ جوڈو، کراٹے اور جوجتسو کے

[illegible] کی پرسکون فضا میں ہل چل سی مچا دی۔

# سرخ پنجہ

انسپکٹر جمشید اور دوسرے تمام آفیسرز کے علاوہ بہت
بھی فوری طور پر پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ کی طرف روانہ ہو
یہاں تک کہ پروفیسر ہامان کی تجربہ گاہ میں صرف چند کانسٹیبل
سب انسپکٹر کے ساتھ رہ گئے۔ خان رحمان کی کہانی سننے کے
کو بھی اس بات میں شک نہیں رہ گیا تھا کہ سرخ پنجہ پر
کے نہیں، پروفیسر داؤد کے وارد ہو چکا ہے اور یہ اس کی
چال تھی کہ تمام پولیس والوں کو ادھر جمع کر لیا اور خود ادھر
لیکن جب یہ راز کھل گیا تو پھر سب نے ادھر بھاگنے کی
اور پروفیسر ہامان چیختے چلاتے ہی رہ گئے۔

"میں صدرِ مملکت کے علم میں یہ بات ضرور لاؤں گا
نہیں بجے اور سب لوگ یہاں سے چلے گئے۔ اگر پروفیسر
ہاں کوئی گڑبڑ ہو بھی گئی ہے تو یہاں کم از کم نصف پو
موجود رہنی چاہیے تھی۔ اب اگر ایسے میں سرخ پنجہ ادھر



اڑا لے جانے سے کون روکے گا" وہ بھناتے ہوئے لہجے
میں کہہ رہے تھے۔

"آپ فکر نہ کریں۔ ہم اتنے ناکارہ بھی نہیں ہیں۔" سب انسپکٹر
نے انہیں دلاسا دیا۔

اب پورے شہر کی پولیس یہاں پہنچ گئی تھی تو بھی خطرہ تھا
کہ سرخ پنجہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو جائے۔ اب تو میں
غلط فہمی میں مبتلا ہو ہی نہیں سکتا" انہوں نے بُرا سا منہ بنا

"اچھا پروفیسر صاحب، مجھے تو اب اجازت ہے نا" طوری نے
اٹھ کر کہا۔ بے چارہ بہت دیر سے بات کرنے کی کوشش میں تھا۔
"طوری، اس میں کوئی شک نہیں کہ میں تمہیں ملازمت سے
علیحدہ کر چکا ہوں، لیکن ملک اور قوم کے نام پر جہاں تم اتنی دیر ٹھہرے
کم از کم آٹھ بجے تک اور ٹھہر جاؤ۔ آٹھ بج کر ایک منٹ پر میں
تمہیں نہیں روکوں گا"

"اچھا جیسے آپ کی مرضی۔ آٹھ بجنے میں اب دیر ہی کون سی
ہے۔"

"مجرم کے ذہن کی داد دینا پڑتی ہے۔ کم بخت نے کسی کو شک تک
نہ ہونے دیا کہ وہ ادھر کی بجائے پروفیسر کے ہاں حملہ آور ہونے
کا ارادہ رکھتا ہے" سب انسپکٹر نے تبصرہ کیا۔

"اور میں کہتا ہوں، سب لوگ غلط سوچ رہے ہیں۔ خطرہ [illegible]
یہیں ہے۔ یہ تو دراصل اس نے ایک چال چلی ہے۔ پروفیسر [illegible]
کے ہاں مصنوعی گڑبڑ کر لے۔" پروفیسر ہامان نے تیز لہجے میں کہا۔

"جی کیا مطلب؟" سب انسپکٹر نے حیران ہو کر کہا۔

"مطلب یہ کہ جب اس نے دیکھا، سارے شہر کی پولیس [illegible]
امڈ آئی ہے اور اس کے لیے مشکلات پیدا ہونے کا امکان [illegible]
اس نے اپنے چند آدمیوں کے ذریعے پروفیسر داؤد کے ہاں [illegible]
تاکہ پولیس ادھر متوجہ ہو جائے اور وہ ادھر اپنا کام آسانی سے [illegible]
گزرے۔"

"اوہ، اگر یہی بات ہے تو پھر ہم سب خطرے میں [illegible]
انسپکٹر نے بوکھلا کر کہا۔

"یہی تو میں رو رہا ہوں اتنی دیر سے، اور آپ میری [illegible]
توجہ ہی نہیں دے رہے۔ میں کہتا ہوں، کیجیے ادھر ادھر فون [illegible]
پولیس کو۔" پروفیسر صاحب نے تقریباً چلا کر کہا۔

سب انسپکٹر نے گھڑی پر نظر ڈالی اور پھر بولا:

"لیکن اب فون کر کے بھی کیا ہو گا۔ آٹھ بجنے میں صرف [illegible]
منٹ رہتے ہیں۔ مدد آٹھ بجے تک آ ہی نہیں سکتی۔"

"اف خدا، اب کیا ہو گا۔ اگر وہ میری ایجاد اڑا لے گیا [illegible]
بے موت مارا جاؤں گا۔ یہ ایجاد تو میری ساری زندگی کا حاصل [illegible]



"[illegible] آپ فکر نہ کریں، ہم لوگ جان پر کھیل جائیں گے۔ اسے
[illegible] ہونے دیں گے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"[illegible] آپ کہہ رہے ہیں، لیکن اگر آپ ناکام ہو گئے تو میں
[illegible] میں تو کہیں کا نہیں رہوں گا۔"

"[illegible] آپ دیکھ ہی سکتے ہیں۔ اب ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ میں
[illegible] لگا آؤں باہر کا۔ آپ دونوں یہیں ٹھہریے۔" سب انسپکٹر نے
[illegible] پروفیسر کے طعنوں سے بچنے کے لیے کہا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔
[illegible] ہی صرف پندرہ سیکنڈ پہلے وہ واپس اندر داخل ہوا اور بولا:

"میرا خیال ہے، اب ہمیں دروازے اور کھڑکیاں اندر سے بند
[illegible] کر لینا چاہیے۔ باہر دس کانسٹیبل موجود ہیں۔ وہ اسے اس قدر
[illegible] اندر داخل نہیں ہونے دیں گے اور اگر وہ داخل ہو بھی گیا
[illegible] کے دروازے اس کا راستہ روک لیں گے۔ اگر اس نے
[illegible] کوئی دروازہ......" سب انسپکٹر کہتا جا رہا تھا کہ پروفیسر ہامان
[illegible] اس کی بات کاٹ دی۔

"[illegible] کیجیے انسپکٹر، اس سے آگے میں کچھ نہیں سن سکتا۔"

سب انسپکٹر نے جلدی جلدی دروازے اور کھڑکیاں بند کر دیں۔ اس
[illegible] نے بھی اس کی مدد کی؛ البتہ پروفیسر صاحب سے ہلا بھی
[illegible] پھر سب انسپکٹر ان کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔

"پروفیسر صاحب، مجھے افسوس ہے، اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"جی کیا مطلب ؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ ؟" انھوں نے حیرا[illegible]
کر کہا۔

" میں یہ کہہ رہا ہوں، اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ سرخ پنجہ [illegible]
تک آ چکا ہے" سب انسپکٹر نے کہا۔

" کیا کہا، سرخ پنجہ آ چکا ہے، کہیں آپ کا دماغ تو [illegible]
چل گیا" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولے۔

" نہیں جناب، سرخ پنجہ آپ کے سامنے ہے۔ یہ دیکھ[illegible]
میں آپ کے سامنے حاضر ہوں"

" کیا ؟" پروفیسر داؤد اور طوری پوری قوت سے چلائے [illegible]
ان کے چلانے سے پہلے کمرے میں ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور [illegible]
رنگ کا دھواں پھیل گیا۔ ان کے چلانے کی آواز بند کمرے
گھٹ کر رہ گئی۔ باہر کھڑے کانسٹیبلوں کو کانوں کان خبر نہ ہو[illegible]
کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔

"خیر تو ہے پروفیسر صاحب، آپ بہت پریشان نظر آ رہے [illegible]
شیخ صاحب نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

" ہاں، مجھے پریشان ہونا ہی چاہیے شیخ صاحب، کیونکہ کوئی چ[illegible]



[illegible] اعلان کہ سب الماریاں اور سیف وغیرہ کھولے گئے ہیں،
[illegible] کو ایک ایک انچ دیکھا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ
[illegible] کیا لے گئے ہیں وہ یہاں سے ؟"
[illegible] کی سب ایجادات محفوظ ہیں، مکمل یا نامکمل ؟"
[illegible] کے فارمولے اپنی اپنی جگہ موجود ہیں۔ کوئی کم نہیں
[illegible] بہت چھوٹی مگر انتہائی اہم اور قیمتی بہت سی چیزیں
[illegible] پر موجود ہیں۔ ان میں سے ایک چیز بھی کم نہیں
[illegible] نے جواب دیا۔

[illegible] تو آپ بہت عجیب بات سنا رہے ہیں" انسپکٹر جمشید بولے۔
[illegible] اسی لیے تو میں حد درجے پریشان ہوں۔ آخر انہوں نے
[illegible] کیوں چلایا تھا۔ وہ تو یہاں کسی وقت بھی نہایت
[illegible] اندر داخل ہو سکتے تھے، کیونکہ اپنے ایک ساتھی کو بطور
[illegible] ملازم رکھوا چکے تھے اور وہ ان کے لیے فوری طور
[illegible] سکتا تھا، پھر انہیں یہ چکر چلانے کی کیا ضرورت تھی کہ پہلے
[illegible] کیا گیا۔ جب سارے شہر کی پولیس وہاں پہنچ
[illegible] وہ ادھر آ وارد ہوئے، لیکن کیوں۔ یہ بھی تو معلوم

[illegible] پریشان نہ ہوں۔ تمام چیزوں کا ایک بار پھر جائزہ
[illegible] لے لیں۔ اگر آپ کے پاس تمام چیزوں کا کوئی

ریکارڈ موجود ہے تو اس ریکارڈ سے ملا کر دیکھ لیجیے۔ شاید کوئی ایسی
ہو، جو آپ کے ذہن میں نہ ہو۔" انسپکٹر جمشید نے میٹھی آواز میں
دیا۔ پروفیسر صاحب کچھ لمحے تک ان کی بات پر غور کرتے
آخر بولے:

"ٹھیک ہے، میں ریکارڈ کے مطابق چیک کرتا ہوں۔ آپ
اگر اکتاہٹ محسوس کر رہے ہوں تو تشریف لے جا سکتے ہیں
موجود ہے ہی۔"

"اکتاہٹ کیسی، ہم سب تو الجھن میں مبتلا ہو کر رہ گئے ہیں
جب تک اس الجھن سے نجات نہیں پا جائیں گے، اس وقت
شاید سوچ بھی نہ سکیں۔"

"اچھا تو پھر آپ لوگ تشریف رکھیے۔ شائستہ اور
مہمانوں کے لیے میز پر کھانا لگا دو۔"

"لیکن پروفیسر صاحب، کھانا تو جابر کے ہاتھوں کا تیار
ہوگا۔ وہ دشمن کا آدمی تھا، لہذا اس کے ہاتھ کا تیار شدہ کھانا
تو کسی طرح بھی مناسب نہیں ہوگا۔" انسپکٹر جمشید نے اعتراض کیا
"تو پھر مہربانی فرما کر کسی ہوٹل سے کھانا منگوالو، کسی کو بھیج

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔" وہ بولے۔

پروفیسر صاحب ایک بار پھر اپنے ریکارڈ کے مطابق چیزیں
لینے لگے۔ اس کام میں انہیں پھر ایک گھنٹا لگ گیا۔ اس



[illegible] کھانا آ گیا اور میز پر لگا بھی دیا گیا۔ اب سب کو پروفیسر صاحب کا
[illegible] تھا۔ آخر وہ تھکے تھکے قدموں سے ان کی طرف آئے اور بولے:
"[illegible] باتیں ہو سکتی ہیں۔"

"ہاں، کون کون سی؟" آئی جی صاحب جلدی سے بولے۔

"یا تو وہ کچھ بھی نہیں لے گئے، یا پھر سبھی کچھ لے گئے ہیں۔"

"جی، کیا مطلب؟" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"مجھے اس چیز کا نام بتاتے ہوئے بہت ہنسی آتی ہے جو وہ
لے گئے ہیں! البتہ جو چیز مجھے کھٹک رہی ہے، وہ یہ ہے کہ ان
میں سے ایک کے گلے سے ایک کیمرہ لٹک رہا تھا۔ شاید وہ کوئی جدید
قسم کا کیمرہ ہوگا۔ مووی کیمرہ۔ اور اگر وہ اس کیمرے کے ذریعے
یہاں کی ہر چیز کی فلم اتار کر لے گئے ہیں، تو گویا سبھی کچھ لے گئے
ہیں۔"

"اوہ!" وہ سب دھک سے رہ گئے۔ ان کے منہ کھلے کے کھلے
رہ گئے۔ پھر انسپکٹر جمشید نے چونک کر کہا۔

"لیکن وہ لے کیا چیز گئے ہیں، کیا وہ اس کی تصویر نہیں
اتار سکتے تھے؟"

"ہاں کیوں نہیں، بہت آسانی سے اتار سکتے تھے، لیکن اس
[illegible] وہ چیز گم ہے اور اسی لیے میں حیران ہوں۔ اب یا تو وہ
[illegible] وہ چیز لے جانے کے لیے یہاں آئے تھے یا پھر سب چیزوں کی فلم

لے جانے کے لیے اور ساتھ ہی وہ چیز بھی۔"

"آپ نے بتایا نہیں ۔۔ وہ کیا چیز لے گئے ہیں۔" خان صاحب نے بے چین ہو کر کہا۔

"ایک لفافہ، جس میں میرے ایک دوست کا خط تھا۔"

"کیا؟" ان کے منہ سے حیرت زدہ لہجے میں نکلا۔

"خط کی فلم تو وہ واقعی بہت آسانی سے اتار سکتے تھے، پھر انہیں لفافہ ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"کوئی تو وجہ ہوگی، جو وہ لفافہ ساتھ لے گئے ہیں۔" آئی جی صاحب بولے۔

"وہ ۔۔ وہ خط کس کا تھا؟"

"میرے ایک غیر ملکی سائنس دان دوست کا۔"

"غیر ملکی سائنس دان دوست کا ۔۔ اور اس میں انہوں نے کیا لکھا تھا؟"

"بس عام باتیں، جو ایک دوست دوسرے دوست کو خط میں عام طور پر لکھ دیتا ہے ۔۔ ایک دوسرے کی خیریت معلوم کرنا ۔ کام کی رفتار، کوئی تازہ ترین ایجاد یا خیال، اسی قسم کی باتیں تھیں اس میں۔"

"حیرت ہے، پھر وہ اس خط کو ساتھ کیوں لے گئے۔ اگر اس کی تحریر ان کی نظروں میں کسی طرح اہم بھی تھی تو وہ اس کی بھی فلم



[illegible] جیسا کہ آپ کے خیال میں وہ تمام چیزوں کی فلم بنا [illegible]"

"[illegible] خود حیران ہوں۔" پروفیسر داؤد نے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی ۔۔ پروفیسر داؤد نے جلدی [illegible] اور پھر حیرت زدہ انداز میں ریسیور آئی جی صاحب [illegible] بڑھاتے ہوئے بولے:

"[illegible] آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں اور کافی گھبرائے [illegible] ہیں۔"

"اوہ۔" انہوں نے کہا اور ریسیور لے کر کان سے لگا لیا۔

"[illegible] پروفیسر صاحب، آئی جی نثار احمد بات کر رہا ہوں۔"

"[illegible] صاحب، میں تو لٹ گیا، تباہ ہو گیا، کہیں کا نہیں رہا۔ [illegible] ایجاد لے اڑا۔"

"کیا!" انہوں نے چیخ پڑنے کے انداز میں کہا۔

"[illegible] مختصر طور پر عرض کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے [illegible] کر سنایا۔

"[illegible]، تو وہاں پولیس کے جھگڑے میں ایک سب انسپکٹر کی [illegible] بھی موجود تھا، یا پھر وہ اس کا کوئی ساتھی رہا ہو [illegible] دیکھتا ہوں کہ کیا کیا جا سکتا ہے۔" یہ کہہ کر انہوں [illegible] رکھ دیا اور ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولے:

"لیجیے صاحبان، پروفیسر ہامان کی ایجاد بھی اڑائی جا چکی ہے۔"

"اوہ" وہ دھک سے رہ گئے۔ آئی جی انہیں تفصیل سنانے لگے...

ان کے خاموش ہوتے ہی انسپکٹر جمشید بولے:

"تب پھر مجھے تو اجازت دیجیے۔ میرا وہاں فوری طور پر پہنچنا... بہت ضروری ہے۔"

"لیکن جمشید، اب تم وہاں جا کر کیا کرو گے۔ اب تو جو ہونا تھا... ہو بھی چکا۔" خان رحمان بولے۔

"واقعہ ذرا عجیب انداز سے پیش آیا ہے۔ شاید ہمیں... تو اس شخص... یا اگر کسی نے اس کا صرف نام استعمال کیا ہے... سراغ ہاتھ لگ جائے۔ دیر کرنے کی صورت میں سراغ ضائع... ہے۔"

"ضرور جاؤ جمشید، ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" خان... مسکرائے۔

"خان رحمان، تم زخمی ہو، یہیں ٹھہرو۔ وہاں میں اکیلا ہی... ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔ اور جواب کا انتظار کیے بغیر ہی... طرف چل پڑے۔ برق رفتاری سے سفر کرتے ہوئے وہ پروفیسر... کے ہاں پہنچے۔ وہ فوری اور کانسٹیبل دروازے پر ہی مل گئے...

"آئیے جمشید صاحب، لیکن اب کیا فائدہ، اب تو چڑیاں... چگ گئیں۔" پروفیسر صاحب نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔



...چڑیوں کو شکار تو کیا جا سکتا ہے۔ آپ کیوں فکر کرتے ہیں۔"

...مسکرائے۔ پھر انہوں نے کہا:

"...ہاں، اب تفصیل سنا دیجیے۔"

...ہامان نے انہیں سارا واقعہ تفصیل سے سنا دیا۔ انہوں... بھی واقعات سنانے کو کہا۔ دونوں نے بالکل ایک... بتائیں۔

"...آپ کو ہوش اسی کمرے میں آیا تھا۔" انہوں نے پوچھا۔

"...ہاں، ہوش میں آتے ہی ہم نے شور مچانا شروع کر دیا۔ وہ جاتے... دروازہ باہر سے بند کر گیا تھا۔ جلد ہی کانسٹیبل حضرات اندر آ... انہوں نے دروازہ کھول دیا اور جب ہم نے انہیں بتایا کہ اندر کیا... آ چکا ہے تو ان بے چاروں نے اپنے سر پیٹ لیے، کیونکہ... انہیں کئی ہدایات دینے کے بعد وہاں سے نہایت اطمینان... ہوا تھا۔ یہ کہہ کر کہ اسے پروفیسر داؤد کی کوٹھی میں طلب..." پروفیسر ہامان نے بتایا۔

"...اور کانسٹیبلوں کے اندر آنے کے بعد اور ہوش سنبھالنے کے بعد... سے پہلے تجوری کھول کر اس خفیہ خانے کو کھول کر دیکھا..." انہوں نے پوچھا۔

"...ہاں، ڈائری وہاں سے غائب تھی۔" پروفیسر نے بتایا۔

"...کیا آپ لوگ اسی کمرے میں ہی موجود رہے؟"

"کچھ دیر تک ضرور وہاں موجود رہے، لیکن پھر ایک کانسٹیبل نے
یہ خیال ظاہر کیا کہ کہیں ہم کوئی سراغ ضائع نہ کر دیں۔ آیئے ا
کر کھڑے ہو جائیں۔ اس طرح سب باہر آ گئے، صرف وہی کانسٹ
دروازے پر نگرانی کے لیے رہ گیا۔"

"شکریہ، آپ سب لوگ میرے ساتھ آیئے۔ میں تجوری وا
کمرے کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔" انھوں نے کہا۔

"شوق سے لیجیے جائزہ، لیکن انسپکٹر صاحب، میری ایجاد
بنے گا۔"

"شاید ابھی تک آپ نے یہ نہیں بتایا کہ وہ ایجاد ہے کیا

"جی نہیں، میں بتا چکا ہوں، اس میں ایک جدید ترین بم
فارمولا ہے۔ ایسے مہلک بم کا کہ اگر ہم اس بم کو تیار کر لیں
ہماری طاقت میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا۔ لیکن اگر یہی
دشمن ملک کے ہاتھ لگ جائے تو ہم کہیں کے بھی نہیں رہیں

"تب تو معاملہ بہت سنگین ہو گیا ہے، کیونکہ نوٹ بک
ہاتھ لگ چکی ہے۔" انھوں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔" پروفیسر بولے۔

"خیر آیئے ۔۔ ذرا اندر کا جائزہ لے لیں۔" انھوں نے
اندر کی طرف بڑھے۔ پروفیسر ہامان کے کمرے کے دروازے پر
انہیں چوکس کھڑا نظر آیا۔



"بہت فرض شناس معلوم ہوتے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے تعریف
کی۔

"شکریہ سر، لیکن آپ کون ہیں؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"انسپکٹر جمشید ہیں۔" پروفیسر ہامان بولے۔

"اوہ" وہ چونک کر ایک طرف ہٹ گیا۔

"تم نے یہ اچھا کیا کہ کمرے میں کسی کو نہیں رہنے دیا، شاید
مجرم کی انگلیوں کے نشانات سیف کے ہینڈل اور دوسری جگہوں پر مل
جائیں۔" انھوں نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"شکریہ جناب۔" کانسٹیبل نے باہر رہتے ہوئے ہی کہا۔ اس
نے اندر داخل ہونے کی کوشش نہیں کی۔ یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید بولے:

"آ جاؤ بھئی اندر، تم تو ذہین آدمی ہو۔"

"سر، بہت دیر سے یہاں کھڑا ہوں۔ پیشاب کا مریض ہوں۔ اگر
اجازت ہو تو ....."

"ضرور بھئی، کیوں نہیں۔ فارغ ہو کر ادھر ہی آ جانا۔"

وہ شکریہ ادا کرتا ہوا چلا گیا۔ انسپکٹر جمشید نے بغور جائزہ شروع
کیا۔ پھر چونک کر الماری کے نیچے سے کوئی چیز اٹھالی۔ انھوں نے
دیکھا، وہ ایک گیس ماسک تھا۔ شاید سب انسپکٹر نے دھوئیں کا بم مار کر
ماسک پہن لیا تھا، تاکہ خود بے ہوش ہونے سے محفوظ رہے۔

"عجیب بات ہے، سیف کا تالا نمبروں والا ہے۔ اندر کا خانہ بھی

کسی خفیہ طریقے سے کھلتا ہے۔ آپ نے سیف اور خانہ تمام پولیس
کے سامنے کھولا تھا، لیکن اس پھرتی سے کہ کوئی بھی سیف کے
نہیں جان سکا اور نہ دیکھ سکا کہ خفیہ خانہ کس طرح کھلتا ہے۔
میں بھی اس وقت کمرے میں موجود تھا، لیکن کم از کم اس وقت
کمرے میں کوئی سب انسپکٹر موجود نہیں تھا، پھر اس نے آپ لوگوں
بے ہوش کر کے سیف کس طرح کھول لیا اور خانہ کھولنے میں کس طرح
کامیاب ہوگیا۔ کیا یہ بات عجیب ترین نہیں؟"

"ہے تو عجیب ترین ہی۔" پروفیسر ہامان حیران ہو کر بولے۔
"وہ سب انسپکٹر تو تھا ہی نہیں۔ وہ تو سرخ پنجے کا آدمی تھا۔"

"سرخ پنجے کے آدمی آسمان سے نہیں اترے، اسی دنیا کے
آخر اسے نمبروں کے بارے میں کس طرح معلوم ہوگیا۔ نہیں پروفیسر
یہ بات میرے حلق سے نہیں اتر سکتی۔ اچھا یہ بتایئے، ہوش میں
کے فوراً بعد آپ نے کیا کیا تھا؟"

"میں اور طوری ایک ساتھ ہوش میں آئے تھے، یا ایک آدھ
منٹ آگے پیچھے، لیکن فرش سے اٹھے ایک ساتھ ہی تھے، پھر ہم
دروازہ پیٹنا شروع کر دیا اور کانسٹیبلوں نے آکر دروازہ کھول دیا۔
اپنی ایجاد کا خیال آیا۔ میں نے گھبراہٹ کے عالم میں سیف کھولا
غائب تھی۔ میں نے اپنا سر پیٹ لیا، پھر آئی جی صاحب کو فون

یہاں تک کہہ کر ہامان صاحب خاموش ہوگئے۔



"ہوں، خیر آیئے۔ میں باقی ماندہ عمارت پر بھی ایک نظر ڈالنا چاہتا
ہوں۔" انہوں نے کہا۔

باہر نکلے ہی تھے کہ وہ کانسٹیبل آتا نظر آیا۔ وہ بھی ان کے
ساتھ ہوگیا۔

"تم نے عمارت میں کہیں کوئی عجیب چیز تو نہیں دیکھی؟" انسپکٹر جمشید
نے اس سے پوچھا۔

"جی، جی ہاں۔ ایک کمرے کے دروازے پر ایک کارڈ لگا ہوا ہے۔"
وہ بولا۔

"کیسا کارڈ؟"

"اس پر سرخ رنگ کی پانچ انگلیاں بنی ہیں۔"

"اوہ، چلو دکھاؤ۔" انہوں نے چونک کر کہا۔

وہ تیزی سے کانسٹیبل کے ساتھ آگے بڑھے اور پھر ایک کمرے
کے دروازے پر رک گئے۔ انہوں نے دیکھا، دروازے پر ایک سرخ
پنجے والا کارڈ ایک پن سے لگا دیا گیا تھا۔ یہ بالکل ویسا ہی کارڈ تھا،
جو پروفیسر ہامان کو پہلے مل چکا تھا۔

# نیک مشورہ

جوڈو کراٹے اور جوجسٹو کے قہقہے کسی طرح رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ تینوں درختوں کے پیچھے اور سکون کے ساتھ یہ ناگوار قہقہے سنتے رہے۔ آخر خدا خدا کر کے ان میں بریک لگا اور جوڈو نے طنز بھری آواز میں کہا:

"لو بھئی، تمہارا ڈرائیور تو بہت بزدل نکلا۔ انسپکٹر جمشید کو ایسا بزدل ڈرائیور نہیں رکھنا چاہیے تھا۔"

فاروق نے فوراً یہ کہنا چاہا:

"یہ ہمارا نہیں، ہمارے انکل کا ڈرائیور ہے۔"

لیکن پھر اسے فوراً احساس ہو گیا کہ آواز منہ سے نکلنے کی دیر ہے، ان لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس درخت کے پیچھے ہیں۔

"ارے بھئی، خاموش کیوں ہو گئے۔ تم لوگوں کی کہیں کوئی ولی تو گم نہیں ہو گئی۔" کراٹے کا انداز غصہ دلانے والا تھا۔

ایک بار تو ان کے جی میں آئی کہ ان کے سامنے پہنچ جائیں۔



... کر لیں، لیکن پھر محمود نے آنکھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ ... دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔

"اچھا بھئی، اگر تم لوگ سامنے نہیں آنا چاہتے تو ہم چلتے ... تم لوگ ہی ہمارا تعاقب کر رہے تھے۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی ... کی آواز سنی، وہ پھر بھی جوں کے توں کھڑے رہے۔ ... جانے کیا سوجھی، ایک دم زمین پر لیٹ گئی اور سینے کے ... کی طرف رینگنے لگی۔ محمود اور فاروق سمجھ نہ سکے کہ وہ کیا ... ؛ تاہم وہ جوں کے توں کھڑے رہے۔ انہوں نے فرزانہ ... کی کوشش کی نہ روکنے کی۔ چند منٹ گزر گئے۔ ... ہونے کی آواز سنائی نہ دی۔ اس کا مطلب تھا تینوں ... کا صرف جھانسہ دے رہے تھے۔ ان کا ایسا ارادہ نہیں تھا۔ ... انہوں نے اپنے پیچھے ایک سرسراہٹ سی سنی۔ چونک کر مڑے ... کو سامنے پایا۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں پستول تھا۔

"... اٹھا دو دوستو، ارے مگر تمہاری بہن کہاں گئی؟"

"... یہیں کہیں ہو گی۔" فاروق نے منہ بناتے ہوئے ہاتھ ... محمود نے بھی یہی کہا۔

"... تم دیکھو اسے۔ پیچھے تو یہ تینوں ادھر ہی تھے۔" جوڈو ... کراٹے سڑک کی طرف چل پڑا۔

... اور فاروق فرزانہ کی ذہانت پر حیران رہ گئے۔ وہ بروقت

کھسک گئی تھی اور خدا جانے اب کہاں تھی۔

"تمہارا ڈرائیور تو بھاگ گیا — اب تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے؟"

"وہ ہمارا نہیں، ہمارے انکل کا ڈرائیور ہے۔ رہی پروگرام [illegible] بات، تو پہلے تم یہ بتاؤ — پروفیسر کے ہاں سے کیا گڑبڑ کر کے [illegible] رہے ہو؟"

"وہاں سے ایک چیز لے آئے ہیں اور بس — اس چیز [illegible] بہت ضرورت تھی۔" جوڈو مسکرایا۔

"اور وہ چیز کیا ہے؟"

"یہ نہیں بتایا جا سکتا — دیکھو، تم تینوں کو ہمارا نیک مشورہ [illegible] ہے کہ شہر کی طرف منہ کرو اور لمبے لمبے قدم اٹھانا شروع کر دو۔"

"نیک مشورے کا شکریہ — تم وہ چیز ہمارے حوالے کر دو [illegible] ہم چلے جائیں گے۔"

"جس چیز کے لیے اتنا لمبا چکر چلایا گیا، وہ کس طرح واپس [illegible] کر دیں، یہ نہیں ہو سکتا۔" جوجٹسو نے کہا۔

"[illegible] ہم زبردستی وہ چیز تم سے حاصل کر لیں گے۔"

"اوہو، یہ دم خم ہیں تو پھر آؤ — یہ لو میں پستول جیب میں [illegible] لیتا ہوں، لیکن خیال رہے، ہم صرف نام کے جوڈو، کراٹے اور جوجٹسو نہیں ہیں۔ ہم اپنے فن میں ماہر بھی ہیں۔"

"بہت دیکھے ہیں ایسے ماہر۔" فاروق نے کہا اور پھر ایک [illegible]



[illegible] کی طرف دوڑ لگا دی، لیکن جوں ہی اس کے نزدیک پہنچا، گئی [illegible] گیا اور اس کے پیچھے پہنچ گیا — پھر بلا کی رفتار سے دوڑا اور سر [illegible] زور دار ٹکر اس کے رسید کر دی، لیکن اتنی دیر میں جوجٹسو اس [illegible] مڑ چکا تھا — اس نے سر کی ٹکر کو اپنے دونوں ہاتھوں پر [illegible] اور پھر اسے ایک زور دار دھکا دیا — فاروق لڑکھڑا گیا، لیکن [illegible] اچھل کر اس پر جھپٹا اور ہوا میں اچھل کر ایک مکا اس کی ناک [illegible] رسید کیا۔ اس کا یہ مکا جوجٹسو نے اپنے کندھے پر وصول کیا — [illegible] ساتھ ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک زور دار جھٹکا مارا — فاروق منہ [illegible] بل زمین پر آیا۔ گرتے ہی اٹھا اور اس مرتبہ اس کی دونوں [illegible] مٹھیوں میں مٹی تھی — بند مٹھیاں مکوں کی صورت میں لیے جوجٹسو کی [illegible] اس طرح بڑھا، جیسے مکوں سے حملہ کرنا چاہتا ہو۔ جوجٹسو اس [illegible] طرف اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے کوئی شریر ننھا بچہ اس کی طرف [illegible] رہا ہو اور جس کے مکوں سے اسے ذرا بھی خطرہ نہ ہو۔ جوں ہی [illegible] فاروق اس کے نزدیک پہنچا، اس نے دونوں مٹھیاں کھولتے ہوئے مٹی [illegible] کی آنکھوں کی طرف اچھال دی — ہوا کا رخ بھی اسی کی طرف [illegible] مٹی سیدھی اس کے منہ کی طرف گئی اور اس کا بہت سا حصہ [illegible] جوجٹسو کی آنکھوں میں گرا — فوراً اس کے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں کی [illegible] بڑھے اور عین اسی وقت فاروق نے سر کی زور دار ٹکر اس کے [illegible] پر دے ماری۔ ساتھ ہی اس نے شوخ لہجے میں کہا:

"یہ ہے ٹکر مارنے کا صحیح طریقہ ۔ پہلے میں نے غلط طریقہ اختیار
کیا تھا۔"

جوجبٹو کمر کے بل نیچے گرا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا ۔ وہ آنکھیں
کھولنے کے قابل نہیں ہو سکا تھا ۔ نہایت بے تابانہ انداز سے آنکھیں
ملے جا رہا تھا ۔ فاروق نے اس بار اس کی کمر کی طرف سے
کیا۔ اس کی یہ ٹکر پہلے کی نسبت زیادہ زور دار تھی ۔ جوجبٹو سنبھل
نہ سکا، منہ کے بل گرا ۔ فاروق نے اسے موقع دینا مناسب
سمجھا، فوراً اس کی کمر پر چھلانگ لگا دی، لیکن یہی اس کی غلطی
تھی، جوں ہی وہ اس کی کمر پر گرا، جوجبٹو نے کروٹ لی اور
دھڑام سے نیچے گرا ۔ بس پھر کیا تھا ۔ جوجبٹو اسے چھاپ بیٹھا
اس نے ہاتھ آنکھوں سے ہٹا لیے تھے اور بار بار پلکیں جھپک
تھا ۔ گویا کسی قدر کھولنے کے قابل ہو گیا تھا۔ فاروق نے اس
نیچے سے نکلنے کی پوری کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔
یوں محسوس ہوا جیسے کسی ہزار پا نے اسے دبوچ لیا ہو اور پھر
کے دونوں ہاتھ اس کی گردن پر جم گئے۔ وہ دونوں ہاتھوں
دبانے لگا ۔ محمود یہ دیکھ کر بوکھلا اٹھا۔

"کیا کر رہے ہو جوجبٹو، اسے جان سے نہ مار دینا ۔
کے خون سے ہاتھ نہیں رنگ سکتے۔" جوڈو نے بلند آواز میں

"فکر نہ کرو جوڈو، میں اسے صرف بے ہوش کروں گا۔"



"لیکن بے ہوش کرنے کا طریقہ یہ نہیں، تم بھی جواب میں
صحیح طریقہ اختیار کرو۔"

"اوہ ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو ۔ شاید میں غصے میں آ گیا تھا ۔ یہ
لو۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے دائیں ہاتھ کی ہڈی فاروق
کی کھوپڑی سے ٹکرائی ۔ اس کے منہ سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل
گئی اور پھر وہ بے ہوش ہو گیا ۔ محمود نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے
دیکھا، اس کی پیشانی سے خون رسنے لگا تھا ۔

"ہیلو، اب تم کیا کہتے ہو؟" اس نے جوڈو کی آواز سنی ۔

"اگر تم وہ چیز میرے حوالے کر دو، جو پروفیسر کے ہاں سے
اڑا لائے ہو تو میں تمہیں جانے دوں گا۔" محمود نے پرسکون آواز
میں کہا ۔

"گویا چیز نہ دینے کی صورت میں تم ہمارا راستہ روک سکو گے۔"

"ہاں، کیوں نہیں ۔ کیا تم نے میرے بھائی کو لڑتے نہیں دیکھا۔"
محمود بولا ۔

"اور کیا تم نے اس کا انجام نہیں دیکھا۔" جوڈو نے بھی اسی
کے انداز میں کہا

"لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تمہیں جانے کی اجازت
دے دوں ۔ یا تو میں تم سے وہ چیز حاصل کروں گا یا اپنے بھائی
کی طرح خود بھی شکست کا منہ دیکھوں گا۔"

"کچھ بھی ہو، تم لوگ ہو جی دار۔" جوڈو نے تعریف کی، پھر دائیں ہاتھ کا مکا محمود کے جبڑے پر دے مارا — یہ وار بالکل اچانک تھا، لیکن محمود پوری طرح ہوشیار تھا، یک دم نیچے بیٹھ گیا اور نیچے بیٹھتے ہی اس کی ایک ٹانگ پکڑ کر کھینچ لی — جوڈو لڑکھڑا گیا، پھر اس کی ٹھوکر محمود کے سینے پر لگی اور اس کی ٹانگ ہاتھ سے نکل گئی — جوڈو نے اسے موقع نہیں دیا، فوراً اس پر جھپٹا اور سر کے بالوں سے پکڑ کر اسے سیدھا کھڑا کیا اور پھر دھکا دے دیا — محمود کا منہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے اپنی حالت پر غور کیا اور پھر فوراً غصہ پی گیا — چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے وہ تیزی سے اٹھا اور بلا کی رفتار سے جوڈو پر چھلانگ لگا دی — اس بار جوڈو اس کی لپیٹ میں آ گیا — دونوں دھڑام سے گرے، محمود نے گرتے ہی دائیں ہاتھ کا مکا اس کی ٹھوڑی پر مارا — جوڈو نے دونوں ٹانگیں اٹھائیں اور اس کے سینے پر دے ماریں — یہ وار بہت کاری تھا۔ محمود اچھلا اور ایک درخت سے ٹکرا گیا۔ درخت سے ٹکرانے کے بعد جو وہ گرا تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھاتا نظر آیا اور آخر اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

"کراٹے، کیا تم ان کی بہن کو تلاش کر چکے ہو؟"

"نہیں، وہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہی ہے۔" کراٹے نے سڑک کی طرف سے کہا۔



"کار کے آس پاس بھی دیکھا یا نہیں؟"

"دیکھ چکا ہوں۔"

"تو پھر چلو، اب وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ان کی [illegible] بہادر ہوئی تو فوراً ہی سامنے آ جائے گی — اب یہ لوگ ہمارا [illegible] اب تو کچھ نہیں کر سکیں گے۔"

جلد ہی جنگل میں کار سٹارٹ ہونے کی آواز ابھری اور پھر [illegible] روانہ ہو گئی، لیکن کار کا رخ شہر کی طرف نہیں تھا — جب کار [illegible] سے اوجھل ہو گئی تو بہت دور ایک درخت کے پیچھے سے فرزانہ [illegible] اور بے تحاشا اس طرف دوڑ پڑی، جس طرف محمود اور فاروق [illegible] جنگ کی تھی — اس کے ہاتھ میں کوئی چیز لٹک رہی تھی —

O

"یہ کارڈ سب انسپکٹر جاتے ہوئے لگا گیا ہو گا۔ شاید اس پر [illegible] انگلیوں کے نشانات موجود ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے پن کو چٹکی سے [illegible] کر کھینچ لیا اور کارڈ کو جیب میں احتیاط سے رکھتے ہوئے بولے:

"آئیے، اس کمرے میں چلیں — مجھے آپ پہلا کارڈ بھی دکھائیے۔ [illegible] ہو سکتا ہے، اس پر بھی انگلیوں کے نشانات موجود ہوں۔"

"جی ضرور، کیوں نہیں۔" پروفیسر نامان بولے اور پھر جیب سے

کارڈ نکال کر ان کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے قلم سے اس کی پش
پر کارڈ نمبر ا لکھ دیا، تاکہ پتا رہے پہلے کون سا کارڈ ملا تھا۔

کمرے میں آکر انہوں نے اکرام کو فون کیا اور ہدایات د
جلد ہی اکرام عملے سمیت وہاں پہنچ گیا۔ پورے کمرے سے انگلیوں
نشانات اٹھائے گئے۔ سیف کے ہینڈل کو خاص طور پر نظر میں ر
گیا۔ انسپکٹر جمشید نے دونوں کارڈ اور گیس ماسک بھی فنگر پرنٹ
عملے کے سپرد کر دیے، تاکہ ان پر سے بھی انگلیوں کے نشانات اٹھ
جا سکیں۔

اب آپ لوگ پروفیسر داؤد صاحب کی تجربہ گاہ کی طرف روا
ہو جائیں، کیونکہ وہاں سے بھی آپ کو نشانات لینے ہیں، اور ہاں
چاقو بھی لیجیے۔ شاید اس پر بھی انگلیوں کے نشانات مل جائیں
انہوں نے جیب سے وہ چاقو نکال کر دیا جو پروفیسر داؤد کے ہاں
ملا تھا۔ جو جیسٹو وغیرہ نے اس سے رسی کاٹنے کا کام لیا تھا۔

"اب میں چلوں گا پروفیسر صاحب، آپ کو فکرمند ہونے کی
ضرورت نہیں۔ ہم بہت جلد سرخ پنجہ کو گرفتار کر لیں گے یا کسی
نے اس کا نام استعمال کیا ہے، تو وہ قانون کی گرفت میں ہوگا
قانون کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ یہ آپ بھی جانتے ہیں۔" انسپکٹر جم
اٹھتے ہوئے بولے۔

"بہت بہت شکریہ۔ مجھے تو بس اپنی ایجاد کا فکر مارے ڈ



رہا ہے۔"

"آپ حوصلہ رکھیں۔"

اور وہ اس سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گئے۔ ان کے جانے کے
بعد پروفیسر ناہان فاخر طوری کی طرف مڑے۔

"مسٹر طوری، اگرچہ میں آپ کو کئی گھنٹے پہلے ملازمت سے جواب
دے چکا ہوں، لیکن اس کے باوجود آپ کو یہاں رکنا پڑا، جس کے لیے
میں بہت شرمندہ ہوں۔ پولیس آفیسر کی مرضی بھی یہی تھی کہ آپ یہاں
ٹھہرے رہیں، ورنہ شاید میں آپ کو اجازت دے ہی دیتا۔ ہم نے
جتنا وقت بھی گزارا، بہت اچھا گزارا۔ اب یہ ساتھ چھوٹ رہا ہے،
جس کے لیے مجھے بہت افسوس ہے، لیکن ایک بار میرے منہ سے
جو بات نکل جاتی ہے، میں اسے پورا کر کے رہتا ہوں۔" پروفیسر ناہان
تیزی سے کہتے چلے گئے۔

"کوئی بات نہیں پروفیسر صاحب، مجھے خوشی ہے کہ ملازمت
چھوڑنے کے بعد بھی میں آپ کے کچھ کام آ سکا۔" طوری نے
جذبات سے لبریز آواز میں کہا۔

"کیا آپ ملازمت کے لیے التجا نہیں کریں گے مسٹر طوری"
پروفیسر نے سرسری لہجے میں کہا۔

"جی، التجا۔ لیکن کیوں، میں نے کیا غلطی کی ہے۔ کیا کوتاہی
کی ہے کہ میں التجا کروں، معافی مانگوں، شکریہ، میں ایسا نہیں کر

سکتا۔" اس نے پروفیسر کو گھورتے ہوئے کہا۔

"اچھا مسٹر طوری، آپ جا سکتے ہیں۔" پروفیسر نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔

"شکریہ جناب۔" طوری نے کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ پروفیسر ہامان خالی خالی نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

ادھر انسپکٹر جمشید پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ میں پہنچے۔

"ارے، محمود، فاروق اور فرزانہ ابھی تک نہیں آئے۔"

"جی نہیں، اب تک نہیں لوٹے۔" بیگم جمشید بولیں۔

اس وقت تک آئی جی صاحب اور دوسرے آفیسرز رخصت ہو چکے تھے؛ تاہم خان رحمان وہیں موجود تھے۔

"حیرت ہے، کہیں تینوں ان کے تعاقب میں اس قدر دُور نہ نکل گئے ہوں کہ واپسی مشکل ہو جائے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"خدا اپنا رحم فرمائے۔" بیگم جمشید نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بج اٹھی۔ انھوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"گھنٹی بجانے کا یہ انداز ان میں سے تو کسی کا بھی نہیں۔" بیگم جمشید بولیں۔

"لیکن یہ انداز ظہور کا ہے اور وہ ظہور کو بھی ساتھ لے گئے تھے۔"



خان رحمان جلدی سے بولے۔

انسپکٹر جمشید اور دوسرے باہر کی طرف دوڑے اور پھر یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ دروازے پر ظہور نہیں کوئی اور ہی شخص موجود تھا۔

# زد پر

"ہیلو، تم دونوں ٹھیک تو ہو؟" اس نے نزدیک پہنچنے پر کہا، مگر انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ شاید مکمل طور پر بے ہوش تھے۔ اس نے ان کے قریب بیٹھ کر انہیں باری باری ہلایا جلایا۔ آوازیں دیں، لیکن انہوں نے آنکھیں نہ کھولیں۔ اس نے اٹھ کر چاروں طرف دیکھا۔ اب وہ یہاں پانی کہاں سے لاتی۔ آخر مایوس ہو کر پھر بیٹھ گئی۔ محمود کا گال تھپتھپاتے ہوئے بولی:

"اٹھو محمود، کہیں ہمارے کیے کرائے پر پانی نہ پھر جائے۔"

"پانی پھرنے میں اب کسر بھی کونسی رہ گئی ہے۔" محمود کی بجائے فاروق کی کمزور سی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"اوہ، خدا کا شکر ہے، ایک تو ہوش میں آیا۔ آؤ فاروق میری مدد کرو۔ محمود کا جلد از جلد ہوش میں آنا بہت ضروری ہے۔"

"اب ایسی جلد از جلد کی بھی کیا ضرورت ہے۔" فاروق نے لیٹے لیٹے منہ بنایا۔



"اوہو، تم نہیں سمجھو گے۔" اس نے جھلا کر کہا اور ایک بار پھر محمود کے دونوں گال زور سے تھپتھپا ڈالے۔ اسی وقت محمود نے آنکھیں کھول دیں۔

"م، میں، میں کہاں ہوں؟" اس نے ہکلا کر کہا۔

"کوہ قاف کے کالے جنگل میں، بلکہ یوں کہہ لو، ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ اپنی خبر نہیں آتی۔" فاروق گنگنایا۔

محمود ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ چند لمحے تک فرزانہ کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتا رہا، پھر بولا:

"اف خدا، تو وہ لوگ نکل گئے؟"

"نکلتے نہ تو کیا کرتے۔ ہمارے ہوش میں آنے کا انتظار کرتے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"چپ رہو، میرا دماغ نہ چاٹو۔ فرزانہ کیا تمہاری بھی کرائے دار سے جھڑپ ہوئی تھی؟ اور تم بھی مار کھا کر بے ہوش ہو گئی تھیں؟" محمود بولا۔

"نہیں، میری اس سے جھڑپ نہیں ہو سکی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں یہاں سے کافی دور جا کر چھپ گئی تھی۔" اس نے بتایا۔

"اور تم نے اس کی بھی پروا نہیں کی کہ کہیں ہم جان سے نہ جائیں۔" محمود نے اسے گھورا۔

"پروا تو خیر میں نے بہت کی تھی، لیکن صرف پروا کرنے سے

جلدی کرو۔" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

وہ تیزی سے شہر کی طرف بڑھنے لگے۔ ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔

"اگر وہ لوگ واپس لوٹ آئے اور ہم نے انہیں اپنی طرف بڑھتے دیکھ لیا۔ تو ہم کیا کریں گے۔ یہ ہمیں پہلے ہی سوچ لینا چاہیے" فرزانہ نے کئی منٹ کی خاموشی کے بعد کہا۔

اس صورت میں ہم کیمرے کو کہیں چھپا دیں گے اور خود درختوں کے درمیان مختلف سمتوں میں بھاگ کھڑے ہوں گے، لیکن اس سے پہلے کیمرے کی جگہ کو ذہن نشین کرنا ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ پھر ہم کیمرے تک نہ پہنچ سکیں۔" محمود نے کہا۔

"یہ ٹھیک رہے گا، اگرچہ میں سمجھتا ہوں، فرزانہ کو وہم ہو گیا ہے۔ وہ لوگ لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ اگر کیمرہ اتنا ہی اہم ہوتا تو وہ کار میں روانہ ہونے سے پہلے اسے دیکھ لیتے۔" فاروق نے کہا۔

"بھئی افراتفری میں بھول ہو جانا ناممکن نہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"خیر خیر، [illegible] کو آ رسی گیا۔ بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔

"ادھر انکل ظہور بھی تو شہر پہنچ جائیں گے اور ابا جان بھی مدد کے لیے اس طرف آ جائیں گے۔" محمود بولا۔

"ہوں۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا اور پھر وہ کسی گہری سوچ میں گم ہو گئے۔



ٹھیک پندرہ منٹ بعد ایک کار انہیں سڑک پر شہر کی طرف جاتی نظر آئی۔ انہوں نے دیکھا، وہ پروفیسر کی کار تھی۔ اسے دیکھ کر ان کی سٹی گم ہو گئی۔ اس کا مطلب تھا، وہ کیمرہ حاصل کرنے کے لیے واپس آ گئے تھے اور پھر ان کے اندازے درست ثابت ہو گئے اور آگے ہی بڑھتی چلی گئی؛ گویا وہ کافی دور جا کر رکتے اور پھر وہاں سے ان کی تلاش جنگل میں شروع کرتے۔

"خطرہ سر پر آ پہنچا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"تو پھر سب سے پہلے اس کیمرے کو ٹھکانے لگا دینا چاہیے۔ اگر ہم اسے بچانے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لو، ہم ان کے مقابلے میں جیت گئے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"ٹھیک ہے، ہم سڑک سے جس قدر دور جا سکیں، اچھا ہے۔ آؤ۔" فرزانہ نے کہا اور سڑک کی طرف کمر کر کے تیزی سے چلنے لگی۔ آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔ اس کی روشنی ان کی مدد کر رہی تھی اور ان کے لیے خطرناک بھی تھی، لیکن ان کے پاس اور چارہ بھی کیا تھا۔ اچانک فرزانہ کی نظر ایک درخت پر پڑی۔ یہ شیشم کا گھنا اور بہت اونچا درخت

"کیا خیال ہے، کیمرہ اس درخت میں نہ چھپا دیا جائے۔"

"یاد رہ جائے گا درخت؟" محمود بولا۔

"ہاں، یہ درخت آس پاس کے تمام درختوں سے اونچا ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے، چھپا دو۔" محمود بولا۔

"چلو فاروق، کیمرے کا تسمہ دانتوں میں دبا کر اوپر چڑھ جاؤ اور بندروں کی یاد تازہ کرادو۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اچھا میری بہن، لاؤ۔" اس نے خوش دلی سے کہا اور تیزی سے اوپر چڑھنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ گھنی شاخوں میں چھپ گیا۔ اب چاند کی روشنی میں وہ انہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی آواز کانوں سے ٹکرائی:

"میں نے اسے ایک شاخ کے ساتھ باندھ دیا ہے۔ کم از کم چاند کی روشنی میں تو اسے تلاش کیا نہیں جا سکتا۔"

"ٹھیک ہے، نیچے آ جاؤ۔ ہم اس درخت کی سیدھ میں ہی جنگل میں آگے بڑھتے چلے جائیں گے۔" فرزانہ بولی۔

"مجھے ڈر ہے، کہیں بعد میں ہم درخت تلاش نہ کر سکیں۔" محمود نے کہا۔

"تب پھر کیا کیا جائے؟"

"کوئی نشان اس درخت پر لگا دینا چاہیے۔"

اسی وقت دھم کی آواز آئی۔ فاروق نے اوپر سے چھلانگ ل... تھی۔

"اب اس درخت پر نشان کیا لگائیں۔" محمود نے پریشان ... کہا۔



"یہ کیا مشکل ہے، تمہارے جوتے کی ایڑی سلامت رہے۔ اس کے لانے میں چاقو موجود ہی ہے۔ اسے نکالو اور درخت پر کوئی نشان بنا دو۔" فاروق نے کہا۔

"ویری گڈ، آج تو فاروق بھی عقل سے کام لے رہا ہے۔" فرزانہ خوش ہو کر بولی۔

"شکریہ، تم نہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہو، فرزانہ۔" وہ بولی اور محمود ہنس پڑا۔ پھر اس نے ایڑی میں سے چاقو نکالا اور درخت کے تنے پر نشان لگا دیا۔ اس نے اردو کا حرف م لکھا تھا۔

اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے سڑک سے کچھ اور دور ہونا شروع کیا ہی تھا کہ ادھر سے فائرنگ کی آواز گونج اٹھی۔ وہ ٹھٹک کر رک گئے۔

⊙

"جی فرمائیے۔" انسپکٹر جمشید نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ پروفیسر داؤد صاحب کی تجربہ گاہ ہے؟" اس نے پریشان سے لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں، آپ ٹھیک پہنچے۔ فرمائیے، کیا بات ہے؟"

"میرے پاس پروفیسر صاحب کے لیے ایک خط ہے — مجھے یہاں
سے کافی فاصلے پر ایک صاحب نے دیا تھا اور درخواست کی تھی کہ
اس خط کو یہاں پہنچا دوں۔ اس کام کے لیے اس نے مجھے سو روپے
بھی دیے تھے۔"

"بہت بہت شکریہ، خط مجھے دے دیجیے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ لیجیے۔" اس نے خط جیب میں سے نکالتے ہوئے کہا، پھر بولا:

"لیکن معاف کیجیے، آپ تو پروفیسر نظر نہیں آتے ہیں، کیونکہ اس
نے بتایا تھا کہ وہ ایک بوڑھے آدمی ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے، میں ان کا دوست ہوں — یہ رہے پروفیسر داؤد۔"
انہوں نے ان کی طرف اشارہ کیا۔

خط دے کر وہ واپس مڑ گیا — انسپکٹر جمشید نے خط پروفیسر داؤد
کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"مجھے اس آدمی پر شک ہے۔ میں اس کا تعاقب کرنا چاہتا ہوں۔
آپ لوگ اندر تشریف رکھیے، میں جلد لوٹوں گا اور ہاں، اس وقت
تک اس خط کو بھی نہ کھولیے؛ البتہ سائنسی آلات کی مدد سے اس
کا جائزہ ضرور لے لیجیے گا، کہیں اس میں کوئی خطرناک مادہ تو موجود
نہیں —"

"اوہ —" ان سب کے منہ سے نکلا اور انسپکٹر جمشید جیپ کی
طرف بڑھ گئے — محمود، فاروق اور فرزانہ کی طرف سے اب وہ بہت



فکرمند ہو گئے تھے — وہ جیپ کو باہر نکال لائے — انہوں نے دیکھا، خط
دینے والا اب بیرونی سڑک پر پہنچ چکا تھا — انہوں نے جیپ کی رفتار
ہلکے کی حد تک دھیمی رکھی اور سڑک کی طرف بڑھتے رہے۔ جب وہ سڑک
تک پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ اس آدمی کے برابر ایک کار آ
کر ایک دم رکی، وہ اس میں بیٹھا اور کار نے رفتار پکڑ لی۔ انسپکٹر جمشید
جوش میں بھر گئے۔ یہ پہلا موقع ان کے ہاتھ آیا تھا مجرموں تک
پہنچنے کا — انہوں نے نہایت احتیاط سے تعاقب جاری رکھا — ابھی
تک اگلی کار والوں کو تعاقب کا شبہ نہیں ہوا تھا اور یہی وہ چاہتے
بھی تھے کہ ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو کہ ان کا تعاقب کیا جا
رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے درمیانی فاصلہ بہت زیادہ رکھا تھا۔
پھر انہوں نے جیپ میں لگے فون کا ریسیور اٹھا کر ایک نمبر گھمایا اور
بولے:

"ہیلو اکرام، میں ہائی وے پر ایک سفید کار کا تعاقب کر رہا
ہوں — ابھی تک میں اس کا نمبر نہیں پڑھ سکا، کیونکہ نزدیک جانا
نہیں چاہتا — تم فوراً مخصوص کار لے کر پہنچو — اس کار سے آگے
ہموار ہونے کی کوشش کرنا اور پھر کسی جگہ اس کے پیچھے ہو جانا۔ اس
طرح تم درمیان میں آ جاؤ گے اور ان لوگوں کو تعاقب کا شبہ نہیں ہو
گا۔ میں برابر تمہیں سمت بتاتا رہوں گا۔"

"او کے سر، میں آ رہا ہوں — کیا کچھ اور کاریں درمیان میں نہ

ڈال دی جائیں۔"

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں — مجرم ضرورت سے زیادہ خود
میں مبتلا ہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ وہ حرکت نہ کرتے جو
سرزد ہو چکی ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔
ہی ان کے فون کی گھنٹی بجی — دوسری طرف سے اکرام کہہ رہا

"میں روانہ ہو چکا ہوں سر، اب بتائیے، آپ کہاں ہیں
"اب ہم جنوبی سڑک پر ہیں — تم جنوبی سڑک کے درمیان
کی کوشش کرو۔"

"اوکے سر۔" اس نے کہا اور خاموشی چھا گئی — پانچ منٹ
اس کی آواز پھر سنائی دی:

"میں درمیان میں پہنچ گیا ہوں۔ اب آپ کہاں ہیں؟"
"ابھی ہم سڑک کے درمیان میں نہیں پہنچے، تم اب رفتار کم
ہو — جلد ہی تمہیں اپنے پیچھے سفید کار نظر آنے لگے گی۔ بس پھر
اس کا تعاقب سرسری انداز میں شروع کر دینا — میں بہت پیچھے رہوں
گا، تاکہ وہ جیپ کو دیکھ بھی نہ سکیں۔ تمہاری کار پر انہیں تعاقب
شبہ بھی نہیں ہوگا۔"

"بہت بہتر سر۔" اکرام نے جواب دیا۔
جلد ہی وہ پھر بولا:
"اب مجھے سفید کار نظر آنے لگی ہے۔ میں نے رفتار اور



لی ہے۔"

"ٹھیک ہے، اکرام اب میں نے بھی تمہیں دیکھ لیا ہے۔" وہ
بولے۔ اکرام نے ریسیور رکھ دیا، پھر انہوں نے اس کی کار کو سفید
کار کے پیچھے ہوتے دیکھا اور انہوں نے رفتار کم کر دی۔ جلد ہی
دونوں کاریں ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ — انہوں نے رفتار
بڑھا دی، جوں ہی اکرام کی کار نظر آئی، انہوں نے رفتار اس
حد تک کم کر دی کہ جب چاہیں رفتار بڑھا کر فوری طور پر اسے دیکھ
سکیں۔ پندرہ منٹ بعد اکرام نے انہیں پھر فون پر مخاطب کیا۔

"سفید کار....."

ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک خوفناک دھماکے کی آواز سنائی
دی۔ انسپکٹر جمشید کے کان جھنجھنا اٹھے — انہوں نے ریسیور کریڈل پر
پٹخا اور بلا کی رفتار سے آگے بڑھے اور پھر وہ دھک سے رہ گئے۔
اکرام کی کار دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔

# سانپ کہاں ہے؟

اگر انہوں نے فوراً خود کو نیچے نہ گرا دیا ہوتا تو ایک آدھ
گولی تو ان میں سے کسی کو ضرور لگ گئی ہوتی — گولیوں کا رخ انہی
کی طرف تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ دشمن نے انہیں دیکھ لیا
تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ اس قدر جلد انہیں دیکھ لیں
گے۔ زمین پر گرتے ہی وہ، سینے کے بل مخالف سمت میں وہ رینگنے
لگے۔ اس طرح رینگنا بھی کچھ کم خطرناک نہیں تھا۔ جنگل میں کسی زہریلے
کیڑے سے بھی ملاقات ہو سکتی تھی، لیکن اٹھ کھڑے ہونے کی صورت
میں بھی ان کے لیے موت ہی تھی — آج وہ بہت بُرے پھنسے تھے۔

"یہ لوگ تو ہماری امیدوں سے کہیں زیادہ چالاک ہیں۔" محمود
بڑبڑایا۔

"یوں کہنا چاہیے کہ سیر کو سوا سیر ٹکر گئے ہیں۔" فاروق بولا۔

"باتیں کم اور کام زیادہ۔" فرزانہ دبی آواز میں غرائی۔

"اب یہاں رینگنے کے سوا کام ہی کیا رکھا ہے۔ آج اگر دشمن



گولیوں سے بچ بھی گئے تو کسی سانپ وانپ کا شکار ضرور ہو جائیں
گے۔" فاروق نے بھنائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کاش، اس وقت ہمارے کھلونے ہمارے پاس ہوتے۔" محمود
نے سرد آہ بھری۔

"اور میں حیران ہوں، ابا جان اب تک مدد کے لیے کیوں
نہیں پہنچے۔" فرزانہ بولی۔

"کیا خبر، وہ بھی کسی طرف الجھے ہوئے ہوں۔"

"الجھنا ہمارا محبوب مشغلہ جو ہوا۔" فاروق بولا۔

اسی وقت پھر گولیوں کی باڑھ ماری گئی۔

"معلوم ہوتا ہے، یہ لوگ سڑک پر کھڑے رہ کر فائر کر رہے
ہیں، آگے نہیں آ رہے۔" فرزانہ نے کانپ کر کہا، کیونکہ گولی اس
کے بالکل ان اوپر سے گزری تھی۔

"ہاں، ضرور یہی بات ہے اور میرا خیال ہے — ان کے پاس
کوئی طاقت ور ترین دوربین بھی موجود ہے، ورنہ یہ لوگ ہمیں
اتنی جلدی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ شاید کار میں اس جگہ سے
گزرتے ہوئے ہی انہوں نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔" محمود نے خیال ظاہر
کیا۔

"ہوں، اور یہ بہت بُرا ہوا محمود، بہت بُرا۔" فرزانہ بولی۔

"آخر کیا بُرا ہوا، کچھ کہو بھی تو۔"

"یہ لوگ فائرنگ ہمیں اس درخت سے دور بھگانے کے
ہیں۔ اگر ان کے پاس کوئی طاقت ور ترین دور بین ہے
نے کار میں اس جگہ سے گزرتے ہوئے ہی ہمیں دیکھ لیا تھا
یہ یہاں سے زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔ کچھ ہی آگے
سے اتر کر واپس پلٹ آئے ہوں گے اور دور بین کے ذریعے
کیمرہ اس درخت پر چھپاتے دیکھ چکے ہوں گے۔ یہی وجہ
فائرنگ کر کے ہمیں دور بھگا رہے ہیں، تاکہ درخت سے کیمرہ

"اف خدا، یہ تو بہت خوف ناک بات ہے۔" فاروق
کانپ کر کہا۔

"تو پھر سنو، جان رہے یا جائے، اب ہمیں اسی درخت
طرف رخ کرنا ہوگا۔۔۔ ہم وہ کیمرہ کسی صورت بھی ان کے
لگنے دیں گے۔" محمود بولا۔

"بالکل ٹھیک، میں تمہارے منہ سے یہی الفاظ سننا
آؤ چلیں۔"

"گویا تم میرے منہ سے کوئی لفظ سننا ہی نہیں چاہ
فاروق نے منہ بنایا۔

"ان حالات میں تمہارا خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔"
اور تینوں واپس مڑے۔ اب ان کا رخ اس درخت
تھا۔ اکا دکا فائر اب بھی ہو رہے تھے، لیکن اب تو



ں کی پروا ہی نہیں رہ گئی تھی۔ آخر وہ رینگتے ہوئے اس درخت
پہنچ گئے۔ رات کے وقت ان کے لیے یہ جاننا بہت مشکل تھا
کون سا درخت تھا، لیکن اس وقت یہ جاننے میں مدد دشمنوں
کی تھی، کیونکہ وہ دشمن درخت کے نیچے کھڑے تھے اور ایک
ت پر چڑھ رہا تھا۔ نیچے کھڑے دشمن کبھی کبھی نشانہ لیے یا
کا اندازہ کیے بغیر ادھر فائر کر دیتے تھے، جدھر سے وہ واپس
تھے۔

ان کے اوپر کے سانس اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے۔ کیوں کہ
اب دشمنوں کے ہاتھ لگنے ہی والا تھا۔ انہوں نے درختوں کے
دبکے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں
ایک دوسرے سے سوال کیا کہ اب کیا کریں۔ صرف فرزانہ نے
روں میں کہا۔

"ہمیں کوئی ہتھیار تلاش کرنا چاہیے۔ لکڑی کی شاخ وغیرہ۔
کوئی پتھر۔"

انہوں نے اپنے ارد گرد نظریں دوڑائیں، کوئی شاخ یا پتھر پڑا
نظر نہ آیا۔ گھاس پھونس ضرور اگا ہوا تھا۔ آخر وہ وہاں سے نیم
دراز کی صورت میں سڑک کی طرف رینگنے لگے، وہ بھی اس قدر
آہستہ کہ ہلکی سی آہٹ بھی پیدا نہ ہو سکی۔

"بے چارے خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلے، کہیں کسی زہریلے کیڑے

کا شکار نہ ہو جائیں۔" جوڈو کی آواز سنی — آواز میں ہنسی شامل تھی۔

"کچھ بھی ہو، ہیں یہ لوگ بھی بہت تیز — وہ لڑکی کیمرہ لے اڑی اور ہمیں خیال تک نہ آیا۔ وہ تو خیر ہوئی، آگے جا کر خیال آ گیا، ورنہ کی کرائی محنت پر پانی پھر گیا تھا۔" کراٹے نے کہا۔

"کیمرہ مجھے نظر آ گیا ہے، لیکن میں ابھی اس تک نہیں پہنچ سکا۔ کم بخت نے بہت اونچائی پر باندھا ہے۔" اوپر سے جوجٹو کی آواز سنائی دی۔

"دیکھو، احتیاط سے، کہیں گر نہ پڑنا۔" نیچے سے جوڈو نے کہا۔

"اس کا وزن کم تھا، اس لیے وہ اس نازک شاخ پر چڑھ گیا ہو گا، لیکن مجھے ڈر ہے، یہ شاخ میرے وزن سے ٹوٹ جائے گی اور کیمرے کے ساتھ میں بھی نیچے آ گروں گا۔" اوپر سے جوجٹو نے کہا۔

"ہوں، تو پھر یوں کرو، پستول نکال کر اس شاخ پر فائر کرو، لیکن دھیان رہے، گولی کیمرے کے نہ لگ جائے۔" جوڈو بولا۔

"میرا نشانہ اتنا کچا نہیں، یہ تم بھی جانتے ہو۔"

جلد ہی فائر کی آواز گونجی اور کوئی چیز نیچے گرنے کی آواز سنائی دی۔ جوڈو اور کراٹے فوراً اس طرف بڑھے اور پھر انہوں نے جوڈو کی خوف زدہ آواز سنی:



"اف خدا، یہاں تو کیمرے کے ساتھ ایک عدد سانپ بھی ہے، اور وہ بھی پھنیر سانپ۔"

انہوں نے اس کی آواز میں کپکپی صاف محسوس کی — ساتھ ہی فاروق نے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس کیے، کیونکہ کچھ دیر پہلے وہ بھی درخت پر موجود تھا۔

"م ... میں، میں ....." وہ ہکلا کر رہ گیا — آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں ہوئی تھی۔

"کیا ہوا؟"

"کیمرہ اس درخت پر چھپانے کے لیے میں اوپر چڑھا تھا۔ اگر سانپ مجھے ڈس لیتا تو — اُف اللہ، میں بال بال بچا۔"

"پھر اب کیوں ڈر رہے ہو۔" فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

"سانپ کے خیال سے کپکپی آ گئی تھی — اگر تم اوپر چڑھی ہوئیں تو دیکھتا تمہاری حالت۔"

"میں تمہاری طرح بزدل نہیں ہوں۔" فرزانہ بولی۔

محمود نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا —

"سانپ کیمرے کے گرد کنڈلی مارے بیٹھا ہے۔ اس نے اپنا پھن ابھار رکھا ہے۔ اب ہم کیا کریں۔" جوڈو نے پریشان ہو کر کہا۔

"فائر، تم دونوں اس پر ایک ساتھ فائر کرو، لیکن اچھی طرح

نشانہ لے کر — اگر نشانہ خطا ہو گیا تو پھر تمہاری خیر نہیں۔"

"تو ہم دونوں پیچھے کیوں نہ ہٹ جائیں۔ تم درخت پر موجود ہو
اوپر سے اس پر فائر کر سکتے ہو — اس طرح اگر تمہارا نشانہ خطا ہو
گیا تو بھی سانپ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔" جوڈو نے کہا۔

"اگر سانپ نے تمہیں دیکھ لیا ہے تو تمہارا پیچھے ہٹنا بھی
خطرناک ہو گا۔ جب تک تم حرکت نہیں کرو گے، سانپ تمہیں کچھ
نہیں کہے گا — لیکن جونہی تم ہلے، اس نے تمہیں کاٹا۔"

"سانپوں کے بارے میں تمہاری معلومات قابل تعریف ہیں — ہم
ہرگز پیچھے نہیں ہٹیں گے — ایک ساتھ اس پر فائر کریں گے لیکن
بہتر ہو گا کہ تم بھی اوپر سے اس کا نشانہ لے کر ہمارے ساتھ فائر
کرو۔ میں ایک، دو، تین کہوں گا — تین پر ہم تینوں فائر کریں گے۔"

"اچھی بات ہے۔" جوجسٹو بولا۔

محمود، فاروق اور فرزانہ ابھی دم سادھ کر کھڑے تھے — اب
وہ سڑک کی طرف تھے۔ ابھی تک کوئی ہتھیار تلاش نہیں کر سکے تھے
اسی وقت انہوں نے سنا، جوڈو کہہ رہا تھا:

"ایک، دو، تین۔"

اور اس کے ساتھ ہی تین فائر ہوئے، پھر انہوں نے جوجسٹو
کی چیخ سنی:

"بھاگو، سانپ بچ گیا ہے۔"

"جوڈو اور کراٹے بدحواس ہو کر بھاگے — سانپ نے ان کی طرف
چھلانگ لگائی۔ ادھر جوجسٹو تیزی سے نیچے آنے لگا — محمود، فاروق
اور فرزانہ نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا، جیسے کہہ
رہے ہوں، اب کیا کریں —

"سانپ کا رخ ادھر بھی ہو سکتا ہے، ہمیں سڑک پر پہنچ جانا
ہے۔" محمود نے سرگوشی کی۔

"لیکن کیمرہ۔"

"جوجسٹو اس وقت کیمرے سے نزدیک ہے۔ صاف ظاہر ہے،
کیمرہ وہی اٹھا کر لائے گا۔" ہمارا اس طرف بڑھنا خطرناک ہو گا، کیونکہ
کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ سانپ کہاں ہے۔"

"ہوں، ٹھیک ہے، آؤ سڑک کی طرف — کاش ہمیں کوئی ہتھیار
مل جائے۔" فرزانہ نے کہا۔

"تینوں تیزی سے سڑک کی طرف بڑھنے لگے۔ دوڑتے قدموں کی
آواز ابھی تک ان کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔ آخر جوڈو کی آواز
آئی —

"جوجسٹو، تم کہاں ہو، سانپ ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔"

"میں نے کیمرہ اٹھا لیا ہے اور اب سڑک کی طرف بڑھ رہا
ہوں۔"

"ٹھیک ہے، ہم بھی سڑک کی طرف آ رہے ہیں۔ جلد از جلد کار

تک پہنچنے کی کوشش کرو۔"

"ہمارے لیے بہتر یہ ہے کہ ہم نہایت خاموشی سے جوجسٹو پر حملہ کر دیں۔ کیمرہ حاصل کرنے کی اب یہی صورت رہ جاتی ہے۔" فرزانہ نے تجویز پیش کی۔

"ٹھیک ہے۔" محمود بولا۔

"اور اگر جوڈو اور کراٹے اس کی مدد کو پہنچ گئے تو ہماری چٹنی بہت شاندار بنے گی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیمرہ شاید ہماری زندگیوں سے بھی زیادہ قیمتی ہے، لہٰذا ہم نہیں سوچیں گے کہ ہماری چٹنی بنتی ہے یا مربہ۔" محمود نے جھنجھلا کر کہا۔

وہ انتہائی دبی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ اچانک انھوں نے اپنے قریب دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔ آواز ایک آدمی کے دوڑنے کی تھی، یہ جوجسٹو ہی ہو سکتا تھا۔

"ہوشیار، شکار آ رہا ہے۔" فرزانہ نے اشارہ کیا۔

تینوں تیار ہو گئے۔ ان کے دل دھک کرنے لگے۔ انھیں جوجسٹو کو اس طرح چھاپنا تھا کہ اس کے حلق سے آواز نہ نکل سکے۔ ان کے محفوظ رہنے اور کیمرہ حاصل کرنے کی بس یہی ترکیب تھی ورنہ جوڈو اور کراٹے اس کی مدد کو پہنچ کر ان کا کھیل خراب کر سکتے تھے اور پھر جوجسٹو انہیں نظر آ گیا۔ کیمرے کا تسمہ اس نے دائیں



ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ محمود نے ان دونوں کو اشارا کیا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہیں۔ وہ اسے اوندھے منہ گرانے کی کوشش کرے گا۔

جوں ہی جوجسٹو اس درخت کے پاس سے گزرا جس کے پیچھے محمود چھپا ہوا تھا۔ اس نے اپنی ایک ٹانگ آگے کر دی۔ جوجسٹو بالکل بے خبر تھا، دھڑام سے گرا۔ ساتھ ہی محمود نے اس پر چھلانگ لگائی اور اپنا بازو اس کی گردن میں ڈال دیا۔ دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر جما دیا۔ فاروق نے اس کی کمر پر سوار ہو کر اس کے دونوں پاؤں پکڑ لیے۔ ایسے میں فرزانہ آگے بڑھی اور کیمرہ اس کے ہاتھ سے چھینتے ہوئے ایک بھرپور ٹھوکر اس کے منہ پر رسید کر دی، پھر وہ ٹھوکریں مارتی چلی گئی۔ جب تک اسے یقین نہ ہو گیا کہ وہ مکمل طور پر بے ہوش ہو گیا ہے، اس کے پاؤں نہیں رکے، آخر محمود کو دبی آواز میں کہنا پڑا:

"اب بس کرو۔ ہمیں اس سے بہت کچھ پوچھنا ہے۔"

عین اسی وقت سڑک پر تیز روشنی کی چمک نظر آنے لگی۔ کچھ کاریں آ رہی تھیں۔ انھوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"شش، شاید مدد آ گئی۔" فاروق ہکلایا۔

"ہاں، انکل ظہور پہلے ہی کافی دیر کر چکے ہیں۔" محمود نے منہ

« لیکن ہوشیار، ابھی دو دشمن جنگل میں موجود ہیں۔ کیمرہ ابھی
محفوظ نہیں ہے۔ ہمیں اس کا کچھ کرنا چاہیے۔»

« ان دونوں کا کچھ پتا نہیں، بھاگتے ہوئے نہ جانے کہاں
پہنچ گئے ہیں — اب ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔» محمود نے نفی
سر ہلایا — اسی وقت انہوں نے جوڈو کی چیخ سنی:

« جوجسٹو، تم کہاں ہو، ہم کار تک پہنچ گئے ہیں، شہر کی
سے کچھ کاریں آ رہی ہیں۔ اب ہم اور نہیں رک سکتے — جلدی
تک پہنچنے کی کوشش کرو۔» اس کی آواز جنگل میں گونج کر رہ

« اوہ، تو وہ کار تک پہنچ گئے۔ اس کا مطلب ہے، ہم
کی کار کو نہیں بچا سکیں گے۔»

« انہیں کار کی تو پروا بھی نہیں ہوگی۔» فرزانہ بولی۔

« جوجسٹو، تم بولتے کیوں نہیں؟» کراٹے پوری قوت سے
پھر سفید کار سڑک پر اس جگہ آ گئی، جہاں وہ درختوں
پیچھے چھپے ہوئے تھے اور ان کے پاس ہی جوجسٹو بے ہوش پڑا
کیمرہ ابھی تک فرزانہ کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے دل دھک دھک کر

« جوجسٹو!» جوڈو نے بھنائی ہوئی آواز میں کہا۔

« معلوم ہوتا ہے، جوجسٹو کسی حادثے کا شکار ہو گیا ہے
اس کی طرف سے جواب ضرور ملتا۔ کیمرہ اس کے پاس ہے۔ اب
ہم کار سے اتر کر اسے تلاش کرتے ہیں تو ہمیں شہر سے آ



والوں سے مقابلہ کرنا ہوگا۔ ڈرائیور جو بھاگ گیا تھا، وہ شاید مدد لے
آتا ہے — کراٹے تم ہی کچھ بولو، اب ہم کیا کریں؟»

« وہی جو ہمیں کرنا چاہیے۔» کراٹے نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

« کیا کرنا چاہیے؟» جوڈو نے حیران ہو کر کہا۔ اور جواب میں
انہیں کراٹے کی آواز سنائی نہ دی تو وہ سمجھ گئے کہ کراٹے نے اس
کے کان میں کچھ کہا ہے، کیونکہ دوسرے ہی لمحے سفید کار زوں کی
آواز کے ساتھ آگے بڑھ گئی اور پھر رفتار پکڑتی چلی گئی۔

« لو بھئی، وہ تو نکل گئے، خیر یہ کامیابی بھی بری نہیں۔ ہم نے
کیمرہ حاصل کر لیا ہے۔» محمود نے کہا۔

« بلکہ میں تو اسے شاندار کامیابی کہوں گی۔»

« اپنے منہ میاں مٹھو بننے کا شوق جو ہوا۔» فاروق نے منہ بنایا۔

اسی وقت کاریں نزدیک آ گئیں۔

« ہم یہاں ہیں — آپ کون ہیں؟» محمود نے چلا کر اپنی
موجودگی ظاہر کی۔

« اوہ، محمود — یہ تمہاری آواز ہے۔» خان رحمان کی آواز
سن کر ان کے چہرے کھل اٹھے، وہ سڑک کی طرف دوڑ پڑے۔
فرزانہ سب سے آگے تھی۔

سڑک پر پہنچ کر انہوں نے دیکھا، خان رحمان کی کار کے
پیچھے پولیس کی جیپیں بھی تھیں؛ البتہ انہیں اپنے والد نظر نہیں آئے۔

"ہاں، ایک دشمن بے ہوش پڑا ہے، پہلے تو اس پر قابو پانا چاہیے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

فوراً ہی ایک سب انسپکٹر چند کانسٹیبلوں کے ساتھ ادھر چلا گیا جلد ہی وہ جوجبٹو کو قابو میں کیے واپس آئے۔ جوجبٹو ابھی تک بے ہوش تھا۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر ایک جیپ کے پچھلے حصے میں لٹا دیا گیا۔

"ہاں بھئی، اب بتاؤ، کیا حالات پیش آئے۔"

"وہ تو ہم بعد میں بھی بتاتے رہیں گے۔ دو دشمن پروفیسر انکل کی کار میں سیدھے گئے ہیں۔ انہیں گرفتار کرنا بہت ضروری ہے اور ہمارا واپس تجربہ گاہ پہنچنا بہت ضروری ہے، کیونکہ ہمارے پاس ایک کیمرہ ہے اور اس کیمرے کی ضرور کوئی بہت ہی زبردست اہمیت ہے۔"

"تو پھر تم لوگ میری کار میں سوار ہو جاؤ، ہم واپس چلیں گے اور پولیس پارٹی ان لوگوں کے تعاقب میں جائے گی۔" خان رحمان نے کہا۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔" سب انسپکٹر بولا۔

خان رحمان نے اپنی کار سڑک سے اتار کر پولیس کو راستہ دیا اور وہ تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ یہ لوگ واپس مڑے اور شہر کی طرف چل پڑے۔



"ادھر حالات کیا ہیں انکل؟"

"عجیب و غریب۔" یہ کہہ کر انہوں نے تمام حالات تفصیل سے سنا دیے۔

"اوہ، اس کا مطلب ہے، اس کیمرے میں تجربہ گاہ کی ہر چیز کا علم موجود ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ ایک خط بھی لے اڑے ہیں، اور تیسرے یہ کہ انہوں نے پروفیسر ہامان کی ایجاد بھی اڑا لی ہے، گویا ہم تین چیزوں میں سے ایک چیز بچانے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔ ابا جان اس خط لانے والے کے تعاقب میں گئے تھے۔ کیا آپ وہ خط پڑھ چکے ہیں۔"

"ابھی نہیں، ہم نے سوچا تھا، جمشید ہی واپس آ کر خط کھولے ویسے پروفیسر داؤد چیک کر چکے ہیں۔ اس میں کوئی خطرناک مادہ نہیں ہے۔"

"پروفیسر انکل پریشان تو بہت ہوں گے۔"

"ہاں، ان کا خیال ہے، ان کی تجربہ گاہ کا سب کچھ پرایا ہو چکا ہے۔"

"لیکن کیمرے کو پا کر وہ اس خیال کو بدل دیں گے۔" محمود مسکرایا۔

وہ تجربہ گاہ پہنچ گئے۔ یہاں پروفیسر داؤد اور باقی لوگ بہت پریشان تھے۔ انہیں دیکھ کر ان سب کے چہروں کی رونق کسی حد تک لوٹ آئی۔

"مبارک ہو پروفیسر صاحب، ان تینوں نے ایک نہایت شاندار کارنامہ انجام دیا ہے۔" خان رحمان جھک کر بولے۔ فوراً ہی پروفیسر داؤد کی نظر کیمرے پر پڑی، وہ چونک کر بولے:

"ارے، یہ تو وہی کیمرہ ہے۔"

"جی ہاں، انہوں نے جان پر کھیل کر اسے حاصل کیا ہے۔"

"اور وہ خط؟" پروفیسر جلدی سے بولے۔

"خط کے بارے میں تو ان بے چاروں کو کچھ معلوم ہی نہیں تھا۔ یہ کیمرہ بھی فرزانہ نے اپنی عقل سے کام لے کر اچک لیا تھا۔" انہوں نے کہا۔

"دھت تیرے کی — جان ہم تینوں نے ماری اور انعام فرزانہ کو مل رہا ہے۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"انکل، آپ مہربانی فرما کر سارا انعام محمود کو ہی دے دیجیے، میں بغیر انعام ہی بھلی۔" فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

"ارے تو جل کیوں رہی ہو، ہم انعام برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"جلتی ہے میری جوتی۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"وہ خیر ہمیں معلوم ہے۔ فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"وہ خط میرے ذہن میں بری طرح چبھ رہا ہے۔ میں یہ سوچ



مجبور ہوں کہ اس خط میں خفیہ روشنائی سے تو کچھ نہیں لکھا تھا، کیونکہ باقی چیزوں کی فلم اتارنے اور خط کو ساتھ لے جانے کی یہی وجہ ہو سکتی ہے — اگر اس خط پر وہ چیز نظر آنے والی روشنائی سے لکھی ہوتی تو وہ ضرور اس کی بھی فلم اتار لیتے۔" پروفیسر بولے۔

"انکل، وہ خط آپ کو کب ملا تھا؟"

"آج سے چھ ماہ پہلے — اس میں عام سی باتیں تھیں؛ البتہ میرے دوست نے یہ ضرور لکھا تھا کہ اس کے اس خط کو سنبھال کر رکھا جائے، نشانی کے طور پر، کیونکہ ہو سکتا ہے، اس خط کے بعد اسے کوئی اور خط لکھنے کا موقع نہ ملے؛ گویا وہ میرے دوست کا آخری خط تھا۔"

"تب اس میں ضرور کوئی اور چیز تھی — کوئی خفیہ پیغام یا نقشہ، ورنہ اس خط کو اس طرح اڑایا نہ جا سکتا۔ ویسے انکل، کیا آپ اپنے دوست سے فون پر بات نہیں کر سکتے؟"

"ضرور کر سکتا ہوں — کیوں نہیں کر سکتا۔" وہ جلدی سے بولے۔

"تو پھر فوراً ان سے رابطہ قائم کیجیے اور معلوم کیجیے کہ اس خط میں انہوں نے کوئی خفیہ پیغام تو نہیں دیا تھا — اگر دیا تھا تو کیا؟"

"اچھی بات ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں — انہوں نے کہا اور

فون کی طرف بڑھ گئے۔

"لیکن بھئی، اگر انکل کے دوست فون پر بات کر سکتے تھے تو
پھر انہوں نے وہ خفیہ پیغام زبانی کیوں نہ دے دیا۔ اس کے لیے خط
کا سہارا کیوں لیا۔" فاروق نے اعتراض کیا۔

"احمق ہو تم، ٹیلی فون تو نہایت آسانی سے سنا جا سکتا ہے۔
اور خط کا خفیہ پیغام جو خفیہ روشنائی سے لکھا گیا، کوئی مشکل سے
ہی پڑھ سکتا ہے۔"

"ارے ہم اس خط کو تو بھول ہی گئے، جو ایک شخص لے کر
آیا تھا — انکل، وہ خط کہاں ہے؟"

"پروفیسر صاحب کے پاس۔"

پروفیسر فون پر رابطہ قائم کرنے میں مصروف تھے۔ اس لیے
انہوں نے خط مانگنا مناسب خیال نہ کیا۔ تقریباً آدھ گھنٹے کی محنت
کے بعد سلسلہ قائم ہوا — دوسری طرف سے پروفیسر داؤد کی بات سن
کر جواب میں کچھ کہا جاتا رہا اور وہ سنتے رہے — آخر مایوس ہو کر
انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور تھکی تھکی آواز میں بولے:

"ان کا کچھ پتا نہیں چل رہا — چھ ماہ پہلے وہ اپنی تجربہ گاہ
سے غائب پائے گئے تھے۔ انہیں بستر میں سوتے ہوئے اٹھایا گیا تھا۔
آج تک ان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔"

"اوہ!" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔



"اس کا مطلب ہے، وہ خط جو انہوں نے پروفیسر انکل کو لکھا،
اپنی گم شدگی سے صرف چند روز پہلے لکھا تھا، کیونکہ انکل کا کہنا
ہے کہ خط چھ ماہ پہلے انہیں ملا تھا اور چھ ماہ پہلے ہی وہ غائب
ہوئے تھے۔" محمود نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

"معاملہ بہت الجھتا چلا جا رہا ہے۔ یہ تو کوئی بہت لمبا چکر
معلوم ہوتا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہاں، کوئی پندرہ بیس ہزار میٹر لمبا تو ہوگا۔" فاروق بولا۔

"اور انکل، اب وہ خط نکالیے، ذرا اسے بھی تو دیکھیں، اس میں
کیا ہے۔" اچانک محمود کو خیال آیا۔

"اوہ ہاں — یہ رہا۔"

انہوں نے جیب سے خط نکال کر محمود کی طرف بڑھا دیا۔ محمود
نے لفافہ چاک کیا اور خط اس میں سے نکالا ہی تھا کہ دروازے کی
گھنٹی بج اٹھی۔

# ٹیڑھی جاسوسی

"انداز ابا جان کا ہے، ٹھہریے میں دیکھتا ہوں" محمود نے کہا اور
دروازے کی طرف چلا گیا۔ جلد ہی وہ انسپکٹر جمشید کے ساتھ واپس
لوٹا۔ ان کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔
"تو تم آ گئے" وہ بجھے بجھے انداز میں بولے۔
"خیر تو ہے، آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگتی"۔
"میں تو خیر ٹھیک ہوں؛ البتہ اکرام بری طرح زخمی ہو گیا
ابھی ابھی اسے ہسپتال چھوڑ کر آیا ہوں۔ اس کے بیوی بچوں
بھی فون کر دیا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے۔ میری جگہ وہ
زخمی ہوا ہے۔ دشمن کی کار کے تعاقب میں، میں تھا، پھر میں
تعاقب میں اکرام کو بھی شامل کر لیا۔ جوں ہی اکرام کی کار ان
کار کے نزدیک ہوئی، انہوں نے اس پر دستی بم دے مارا۔ کار
آگ لگ گئی اور اکرام بری طرح زخمی ہوا" وہ بتاتے چلے
"اوہ... انکل خطرے میں تو نہیں ہیں؟" محمود بولا۔



"نہیں، حالت خطرے سے تو خیر باہر ہے۔ چوٹیں شدید آئی
ہیں"۔
"خدا اپنا رحم فرمائے" فرزانہ بولی۔
"ہاں، اب تم سناؤ۔ کیا تیر مار کر آئے ہو"۔
انہوں نے واقعات کہہ سنائے۔ ان کے خاموش ہونے پر
وہ بولے:
"تو پھر معلوم کیا، اس کیمرے میں کیا ہے؟"
"ابھی موقع ہی کہاں ملا ہے۔ اب دیکھوں گا" پروفیسر بولے۔
"یہ سارا معاملہ ہی مجھے شروع سے چبھ رہا ہے۔ میں حیران
ہوں۔ اچھا، میں کیوں حیران ہوں، یہ تو بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے تو
اس خط کو دیکھ لینا چاہیے"۔
انہوں نے خط محمود کے ہاتھ سے لیا اور بلند آواز سے پڑھنے لگے۔
"اسے کہتے ہیں، ایک پنتھ تین کاج، ایک ہی وار میں۔
پروفیسر ہامان کی ایجاد، پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ کی مکمل فلم
اور وہ خط جو ان کے غیر ملکی دوست نے لکھا تھا، ہم لے
جا رہے ہیں۔ ان تینوں چیزوں میں سے کون سی چیز سب
سے اہم ہے۔ وہ خط۔ تم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے کہ
خط میں کیا ہے۔ پروفیسر ہامان کا بم کا فارمولا بھی کچھ کم
اہم نہیں ہے اور پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ کی فلم اتار کر

گویا ہم نے انہیں کنگال ہی کر ڈالا ہے۔ اب ہم یہاں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ ہمیں تلاش کر سکتے ہو تو کر لو، لیکن یہ تم لوگوں کے بس کا روگ نہیں۔

سرخ پنجہ"

خط پڑھ کر وہ چند منٹ تک خاموش رہے۔ سبھی سوچ میں گم تھے۔ آخر انسپکٹر جمشید نے کہا:

"یہاں تو انہوں نے یہ کہا تھا کہ انہوں نے پروفیسر ہامان کو فون کرنے کے سلسلے میں سرخ پنجے کا صرف نام استعمال کیا ہے لیکن اب یہ خط پھر سرخ پنجے کے نام سے مل گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے، ان واقعات کے پیچھے، ہو نہ ہو، سرخ پنجہ ہی کارفرما ہے۔ اوہو، میں ان کارڈوں کو تو بھول ہی گیا اور اس ننھے چاقو کو بھی" انہوں نے چونک کر کہا اور پھر فنگر پرنٹ سیکشن کو فون کیا۔

"ہیلو، انچارج فنگر پرنٹ سیکشن بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"اور میں انسپکٹر جمشید ہوں۔ سرخ پنجہ والے دونوں کارڈوں، گیس ماسک اور چاقو پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھائے جا چکے ہوں گے۔ کیا آپ مجھے اس سلسلے میں کچھ بتائیں گے؟"

"جی ہاں، کیوں نہیں، میں اکرام صاحب کا انتظار کر رہا تھا لیکن وہ آئے ہی نہیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔



"فی الحال وہ آ بھی نہیں سکتے۔ وہ شدید زخمی ہو گئے ہیں۔ ہاں تو کیا رپورٹ ہے؟"

"اوہ، کارڈ نمبر ایک پر دو آدمیوں کے نشانات ہیں، جب کہ نمبر دو پر صرف ایک آدمی کے، چاقو پر بھی ایک شخص کی انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں۔ گیس ماسک پر صرف ایک آدمی کی انگلیوں کے نشان ہیں۔ یہ نشانات سرخ پنجے والے کارڈ نمبر ۱ پر بھی ہیں۔"

"ہوں، آپ نے بتایا ہے کہ کارڈ نمبر ایک پر دو آدمیوں کے کارڈ نمبر ۲ پر ایک آدمی کی انگلیوں کے نشان ہیں۔ ان میں کوئی نشانات آپس میں ملتے تو نہیں۔"

"جی ہاں، کارڈ نمبر ۲ پر جس آدمی کے نشانات ملے ہیں، وہی نشانات کارڈ نمبر ایک پر بھی ہیں۔ ان کے علاوہ اس پر دوسرے نشانات بھی ہیں۔"

"بہت خوب، اور چاقو پر؟" انہوں نے پوچھا۔

"چاقو پر صرف ایک آدمی کے نشانات ہیں، لیکن وہ دونوں کارڈوں میں سے کسی سے بھی نہیں ملتے۔"

"ہوں، اچھا شکریہ۔ مہربانی فرما کر تینوں چیزیں اور رپورٹ ہمیں بھیج دیں۔ میں پروفیسر صاحب کے ہاں موجود ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"جی بہت بہتر — ابھی آدھ گھنٹے تک آپ کو مل جائیں گی"
اس نے جواب دیا۔

شکریہ" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور ان کی طرف
مڑے —

"معاملہ حد درجے پیچیدہ ہے اور اس کی پیچیدگی میں اضا
ہوتا جا رہا ہے — پہلا کارڈ جو ملا، اس پر دو آدمیوں کے نشانات ا
ان میں سے ایک تو خود پروفیسر ہامان ہیں، کیونکہ کارڈ انہوں نے لفا
میں سے نکال کر دیکھا تھا — ایک اس شخص کے ہوں گے، جس
کارڈ بھیجا — دوسرے کارڈ پر بھی شاید اسی کے نشانات ہیں، تب
گیس ماسک پر بھی اسی کے نشانات ہونے چاہییں — لیکن انچارج
کہتا ہے کہ گیس ماسک والے نشانات الف سے مختلف ہیں — اب اس
مطلب یہ نکلتا ہے کہ باتھ روم کے دروازے پر کارڈ جس شخص نے
گیس ماسک اس آدمی نے استعمال نہیں کیا — گیس ماسک کسی دوس
نے استعمال کیا — تو کیا وہاں دشمن کے دو آدمی موجود تھے؟" انسپ
سوچ کے انداز میں کہتے چلے گئے۔

"میرے پلے تو اس ساری گفت گو کا ایک لفظ بھی نہیں
خان رحمان حیران ہو کر بولے اور وہ بے ساختہ مسکرا دیے۔

"اور تم بھی کچھ سمجھے ہو یا نہیں" انسپکٹر جمشید ان کی طرف

"بات واقعی کچھ الجھ گئی ہے — ذرا وضاحت کریں" محمود بولا۔



"دیکھو بھئی، سب سے پہلے جو کارڈ پروفیسر ہامان کو ملا۔ اس پر
فیسر صاحب اور ایک اور شخص کے نشانات ہیں۔ اس ایک اور
کے نشانات اس کارڈ پر تو ہیں، جو غسل خانے کے دروازے پر
تھا، لیکن اس گیس ماسک پر نہیں؛ تاہم گیس ماسک پر پائے جانے
الے نشانات پہلے کارڈ پر —"

انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں،
آنکھیں اس حد تک پھیلیں کہ وہ سب خوف زدہ ہو گئے —

"یار جمشید، اپنی آنکھوں کو سنبھالو کہیں باہر نہ نکل پڑیں" خان
ان بوکھلا اٹھے۔

انسپکٹر جمشید نے کوئی جواب نہ دیا — وہ اس قدر گہری سوچ
میں غرق تھے کہ کمرے میں موجود باقی سب لوگوں سے بے خبر ہو چکے
تھے۔ اچانک وہ اٹھے اور بیرونی دروازے کی طرف لپکے۔

"ارے بھئی کہاں جا رہے ہو، ہمیں بھی ساتھ لے چلو" خان رحمان
نے ہانک لگائی، لیکن انہوں نے تو جیسے سنا ہی نہیں — محمود، فاروق
اور فرزانہ ان کے پیچھے لپکے۔ لیکن جب تک وہ گیٹ پر پہنچتے، انسپکٹر
جمشید جیپ میں بیٹھ چکے تھے —

"بھئی یہ یکایک انہیں کیا ہوا؟" خان رحمان پریشان ہو کر بولے۔

"جب انہیں کوئی بہت زوردار بات سوجھ جاتی ہے تو ان کا یہی حال ہوتا ہے۔" فاروق بولا۔

"شائستہ، ایک سادہ کاغذ دینا۔ میں حساب لگانا چاہتا ہوں کہ ابا جان کو کیا بات سوجھی ہے۔"

"لو اب کاغذ پر حساب لگے گا؛ گویا یہ انگلیوں کے نشانات کا نہیں، ریاضی کا سوال ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تم منہ بناتے رہو، اور تمہیں آتا ہی کیا ہے۔" محمود بولا۔

"شکریہ۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

شائستہ مسکراتی ہوئی چلی گئی اور کاغذ لے کر لوٹی۔ محمود نے کاغذ میز پر رکھا اور جیب سے قلم نکال کر اس پر کچھ لکھنے لگا۔ فرزانہ بھی اس کے کندھے سے کندھا ملا کر بیٹھ گئی؛ البتہ فاروق الگ بیٹھا رہا۔

"بھئی جب کچھ سمجھ جاؤ تو ہمیں بھی بتا دینا۔" خان رحمان نے جمائی لی۔

"جی بہت اچھا، فکر نہ کریں۔" محمود نے فوراً کہا۔

"فکر کریں ان کے دشمن۔" فاروق نے شوخ لہجے میں کہا۔

"تو کیا تم اس حساب کتاب میں ان کا ساتھ نہیں دو گے؟"

"نہیں، میں ذرا حساب میں کمزور ہوں۔" اس نے منہ بنایا۔



"لیکن میں نے تو سنا ہے، حساب میں فرزانہ کمزور ہے۔" پروفیسر داؤد ان کی طرف آتے ہوئے بولے۔ کچھ دیر پہلے وہ کیمرہ لے کر ڈارک روم میں چلے گئے تھے۔

"میں بھی جب موقع دیکھتا ہوں، کمزور ہو جاتا ہوں۔" فاروق مسکرایا۔

"کام چوروں کا یہی کام ہے۔" فرزانہ نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"اور تمہارا کام شاید صرف جلنا۔" فاروق بھلا کب چپ رہنے والا تھا۔

ادھر محمود نے بالکل چپ سادھ لی تھی، پھر اس نے فرزانہ کو کاغذ کی طرف متوجہ کیا:

"یہ دیکھو فرزانہ، یہ رہا گیس ماسک۔ یہ کارڈ نمبر ۱ اور کارڈ نمبر ۲۔" اس کے بعد اس کی آواز دھیمی ہو گئی۔ دونوں کھسر پھسر کرنے لگے۔

"محفل میں بیٹھ کر کھسر پھسر کرنے والوں کو بداخلاق کہا گیا ہے۔" فاروق گنگنایا۔

"تو پھر تم بھی شامل ہو جاؤ ہمارے ساتھ، ہم کھسر پھسر نہیں کریں گے۔ تم پکی پکائی کیوں کھانا چاہتے ہو۔ کچھ ذہنی ورزش کیا کرو نا۔"

"پہلے تم سے سمجھ لوں، پھر میدان میں کودوں گا۔" فاروق نے جواب دیا۔

"ذرا میں بھی دیکھوں، تم کیا حساب لگا رہے ہو۔" بیگم جمشید اکتا

کر بولیں۔

"ضرور دیکھیے امی جان، لیکن شاید آپ سمجھ نہ سکیں، کیونکہ یہ جاسوسی معاملہ ہے اور وہ بھی ٹیڑھا۔"

"تو یوں کہو، یہ ٹیڑھی جاسوسی ہے۔" خان رحمان ہنسے۔

"ہاں، اگر ٹیڑھی کھیر ہو سکتی ہے تو ٹیڑھی جاسوسی کیوں نہیں ہو سکتی۔" فرزانہ بولی۔

"ارے!" اچانک محمود کے منہ سے نکلا۔

انہوں نے ان کی طرف دیکھا، فرزانہ کی آنکھیں بھی پھیلتی نظر آئیں، پھر ان دونوں کے چہروں پر حیرت کا وہی عالم نظر آیا جو تھوڑی دیر پہلے انہوں نے انسپکٹر جمشید کے چہرے پر دیکھا تھا۔ اب تو فاروق سے رہا نہ گیا۔ اٹھ کر اس کاغذ کی طرف بڑھا، لیکن فرزانہ نے جلدی سے کاغذ اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور بولی:

"اپنا دماغ خرچ کرو۔ دوسروں کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلانا کچھ اچھا نہیں۔" یہ گویا اس کے اس طنز کا جواب تھا کہ محفل میں بیٹھ کر کھسر پھسر کرنے والے بد اخلاق کہلاتے ہیں۔

"اچھی بات ہے، تم خود کو سمجھتی کیا ہو۔ میں اور انکل مل کر ابھی اس مسئلے کو حل کیے دیتے ہیں۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"کیا کہا، میں اور تم۔" خان رحمان بوکھلا اٹھے۔

"کیوں انکل، آپ میرا ساتھ نہیں دیں گے۔" فاروق جلدی سے بولا۔



"ساتھ تو میں تمہارا قیامت تک دے سکتا ہوں، لیکن حساب کتاب میں ذرا میں بھی کچھ کمزور واقع ہوا ہوں۔" وہ بولے۔

"فکر نہ کریں انکل، آپ کو پہاڑے نہیں پڑھنا پڑیں گے۔" وہ مسکرایا۔

اب انہوں نے بھی شائستہ سے ایک کاغذ منگایا اور قلم سنبھال کر بیٹھ گئے۔ پروفیسر داؤد، بیگم جمشید، بیگم خان رحمان اور بچے ان کی طرف بے تابی اور دلچسپی سے دیکھنے لگے۔

چند منٹ بعد ہی فاروق اور خان رحمان کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیلتی نظر آئیں۔

# جی ہاں مجرم

انسپکٹر جمشید نے پروفیسر امان کی تجربہ گاہ کی گھنٹی بجائی۔ تھوڑی ا
بعد ان کی صورت نظر آئی، لیکن وہ سوئے ہوئے نظر نہیں آ
"میں نے آپ کی نیند تو خراب نہیں کی" وہ اخلاقاً بولے۔
"نہیں انسپکٹر صاحب، اتنی قیمتی ایجاد گنوا کر بھلا کون
ہے۔"
"آپ فکر نہ کریں، میں نے سراغ لگا لیا ہے۔ اسی لیے اس ا
آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ آپ سے صرف چند سوال کروں گا
ہے، آپ محسوس نہیں کریں گے۔"
"اس میں محسوس کرنے کی کیا بات ہے — آپ میرے
تو بھاگ دوڑ کر رہے ہیں — ارے ہاں، پروفیسر داؤد کا کیا ر
ان کا حال آپ سے بھی پتلا ہے — ان کی تو ایک ایک
فلم اتار لی گئی — تاہم میرے بچے عین وقت پر آڑے آ گئے ا
کیمرہ واپس حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، لیکن ایک نہایت ا



ما وہ لوگ پھر بھی لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔" انہوں نے بتایا۔
"اوہ، بہت افسوس ہوا یہ سن کر۔" وہ بولے۔
پھر وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔
"آپ کے اسسٹنٹ تو شاید رخصت ہو گئے ہوں گے۔"
"جی ہاں، میں نے انہیں ملازمت سے فارغ کر دیا۔"
"گویا اس وقت آپ یہاں تنہا ہیں؟"
"جی ہاں، لیکن اب کیا فرق پڑتا ہے — اب تو میری اصل پونجی
ال جا چکی ہے۔"
"میں بتا چکا ہوں کہ میں نے سراغ لگا لیا ہے، آپ فکر نہ
کریں — اچھا یہ بتائیے — اس ایجاد کے بارے میں کس کس شخص
کو معلوم تھا۔"
"پروفیسر داؤد کو، اور میرے ایک غیر ملکی سائنس دان دوست کو۔"
انہوں نے کہا۔
"ان کے علاوہ اور کسی کو؟"
"جی نہیں، اور کسی کو بھی نہیں۔"
"کبھی آپ نے اخبار میں تو اس ایجاد کے بارے میں کوئی
ان نہیں دیا؟" انہوں نے پوچھا۔
"توبہ کیجیے، ایسی چیزوں کی تو بھنک بھی نہیں پڑنے دی جاتی۔"
"پھر بھی آپ نے دو آدمیوں کو بھنک پڑنے دی۔"

"ان پر مجھے کامل اعتماد ہے۔" انہوں نے کہا۔

"غیر ملکی سائنس دان کے بارے میں بتائیے۔" انہوں نے کہا۔

"وہ ایک بڑے سائنس دان ہیں۔ انہیں میں نے صرف یہ بتایا تھا کہ میں نے ایک اس قسم کی ایجاد کی ہے اور بس۔ ویسے وہ قابل اعتماد آدمی ہیں اور پروفیسر داؤد کے بھی دوست ہیں۔ ان کا تعلق ایک غیر جانب دار ملک سے ہے۔"

"اوہ، ان کا نام بھی بتادیں۔"

"پروفیسر شلجان۔"

"ان کا پتا اور فون نمبر نوٹ کروادیں۔"

"لکھیے۔" یہ کہہ کر انہوں نے پتا اور فون نمبر لکھوا دیا۔

"بہت بہت شکریہ، تو پروفیسر داؤد بھی ان کے دوست ہیں۔"

"جی ہاں۔" انہوں نے کہا۔

"تب تو شاید وہ خط انہوں نے ہی لکھا ہوگا۔" انسپکٹر [illegible] بڑبڑائے۔

"کون سا خط؟" پروفیسر ہامان نے حیران ہو کر کہا۔

"وہی خط، جو سرخ پنجہ کے آدمی لے اڑے ہیں، ابھی ابھی میں نے بتایا ہے آپ کو۔"

"اوہ ہاں، یاد آگیا۔ اس وقت میرا ذہن بہت پریشان ہے۔"



[illegible] نے کہا۔

"اچھا، میں آپ کو اور پریشان نہیں کروں گا۔ اب میں چلتا ہوں۔ [illegible] جلد آپ کو آپ کی ایجاد کا فارمولا واپس مل جائے گا۔ اور ہاں، [illegible] اس نوٹ بک کے بارے میں بھی بتا دیجیے۔ شاید میں اسے [illegible] نہیں دیکھ سکا تھا۔ اس کی جلد کا رنگ کون سا تھا اور وہ کتنی [illegible] تھی۔"

[illegible] درمیانے سائز کی سرخ چمڑے کی جلد والی نوٹ بک تھی۔ اندر [illegible] بہت چکنا لگا ہوا ہے۔" انہوں نے کہا اور ان الفاظ کے ساتھ [illegible] انسپکٹر جمشید اٹھ کھڑے ہوئے۔

"شکریہ، میں صبح ہونے سے پہلے پہلے نوٹ بک واپس حاصل [illegible] کے آپ کو اطلاع دوں گا۔"

"اگر آپ نے یہ کارنامہ کر دکھایا تو میری حیرت اور خوشی کی [illegible] انتہا نہیں رہے گی اور میں آپ کو ایک حیرت انگیز ترین آدمی [illegible] تسلیم کرلوں گا۔" وہ پُرجوش انداز میں بولے۔

"میری بات تو خیر آپ جانے دیں۔ مجھے خود کو حیرت انگیز ترین [illegible] آدمی کہلانے کا کوئی شوق نہیں۔ اچھا جناب شکریہ۔"

پروفیسر انہیں دروازے تک رخصت کرنے آئے۔ جیپ میں [illegible] بیٹھ کر وہ ایک میڈیکل سٹور تک آئے۔ یہ میڈیکل سٹور دن رات [illegible] کھلا رہتا تھا۔ یہاں انہوں نے چند فون کیے اور پھر چند کام اور نمٹانے

کے بعد واپس پروفیسر داؤد کے ہاں پہنچے۔ جب وہ محمود کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا، وہاں آئی جی صاحب، ڈی آئی جی صاحب اور چند اور پولیس افسران موجود تھے۔

"کیا چکر ہے جمشید، تم نے ہمیں یہاں کیوں بلایا ہے؟"

"معاملہ بہت سنگین نوعیت اختیار کر گیا ہے جناب عالی۔" وہ بولے۔

"کیا مطلب؟" شیخ صاحب چونک کر بولے۔

"ابھی عرض کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ پروفیسر داؤد کی طرف مڑے اور عجیب سے لہجے میں بولے:

"پروفیسر صاحب، کیا پروفیسر شلجان آپ کے دوست ہیں؟"

"اتنے خاص نہیں۔ میرا ان سے تعارف پروفیسر ہامان نے کرایا تھا۔" انہوں نے کہا۔

"تو کیا وہ خط آپ کو پروفیسر شلجان نے نہیں لکھا تھا؟"

"نہیں تو۔ یہ آپ سے کس نے کہہ دیا۔" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"کسی نے بھی نہیں، مجھے ہی خیال آیا تھا۔ خیر، تو آپ کو خط کس دوست نے لکھا تھا؟"

"میرے دوست ٹام لیگ نے۔ یہ انسانیت کے بہت بڑے دوست ہیں۔ بڑی طاقتوں کی سازشوں سے بہت نفرت کرتے ہیں۔



تعلق ہمارے دوست ملک بجزان سے ہے۔"

"جی کیا فرمایا، بجزان سے۔" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"کیوں، تم حیران کیوں ہوئے یہ سن کر۔"

"اس لیے کہ سرخ پنجہ اس ملک میں اپنا کھیل کھیل چکا ہے۔ اس نے وہاں کے محکمہ سراغ رسانی سے کچھ کاغذات چرائے تھے اور پورے ملک کی پولیس بھی اسے گرفتار نہیں کر سکی تھی۔ اس واقعے کے چند ماہ بعد ہی اس ملک کا تختہ الٹ دیا گیا۔" انہوں نے بتایا۔

"عجیب بات ہے، چھ ماہ پہلے ہی ڈاکٹر ٹام لیگ نے مجھے وہ خط لکھا تھا۔" پروفیسر داؤد حیرت زدہ انداز میں بڑبڑائے۔

"یہ معاملہ تو ہر لمحے سنسنی خیز ترین، پراسرار ترین اور پیچیدہ ترین ہوتا جا رہا ہے۔" فاروق نے بوکھلائے لہجے میں کہا۔

"ہاں، مجھے ایک فون کا انتظار ہے۔ اس کے بعد ہم مجرم کے ہاں چلیں گے۔"

"مجرم، کیا مطلب؟" آئی جی صاحب حیران ہو کر بولے۔

"جی ہاں مجرم۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

وہ سب کے سب حیرت زدہ رہ گئے۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی:

انہوں نے جلدی سے ریسیور اٹھایا اور بولے:

"انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں، کیا رپورٹ ہے؟" یہ کہہ کر وہ دوسری طرف کی بات سنتے رہے۔ آخر بولے:

"ٹھیک ہے، آپ کو بھی ذرا زحمت کرنا ہوگی۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد آپ کو وہاں پہنچ جانا چاہیے۔ جی، جی ہاں، شکریہ"

اور انہوں نے ریسیور رکھ دیا، پھر ان سب سے بولے:

"چلیے چلیں۔"

"کیا میں بھی چلوں جمشید؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"ہاں، آپ کو بھی چلنا چاہیے۔ البتہ بھابی، بیگم، حامد، سر... ناز یہاں ٹھہریں۔"

"ہم تو چاہتے بھی یہی ہیں۔" بیگم جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

وہ ابھی گیٹ تک نہیں پہنچے تھے کہ پولیس کی چند جیپیں وہاں آکر رکیں اور اسی وقت انہیں یاد آیا۔ انہوں نے تو پولیس پارٹی کو مجرموں کے تعاقب میں روانہ کیا تھا اور ان تین میں ایک کو پہلے ہی گرفتار کیا جا چکا تھا۔

"کیوں جناب، کیا رہا؟" محمود نے بے تابانہ پوچھا۔



"افسوس، ہم انہیں نہیں پا سکے۔" سب انسپکٹر نے جواب دیا۔

"ان کا تیسرا ساتھی کہاں ہے؟"

"وہ سب سے پچھلی جیپ کے پچھلے حصے میں موجود ہے۔"

"خیر، ہم اس سے پوچھ گچھ کریں گے۔ آپ اسے پولیس سٹیشن لے چلیے، کچھ دیر بعد ہم خود بھی وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"بہت بہتر جناب۔" اس نے کہا۔

"آپ لوگوں نے جنگل میں آگے جا کر جیپیں روک کر انہیں ادھر ادھر تلاش کرنے کی کوشش کی تھی یا نہیں۔" فرزانہ نے تلملائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بالکل کی تھی۔ ہم کئی بار جیپوں سے اترے، جنگل میں ادھر ادھر ... آگے بڑھتے رہے۔" اس نے کہا۔

"تو آپ کو کہیں بھی سفید کار یا وہ دونوں نظر نہیں آئے؟"

"جی نہیں، بالکل نہیں۔"

"پھر تو انکل، آپ کی کار ملتی نظر نہیں آتی۔ آپ کو صبر ہی کرنا پڑے گا۔" فاروق مسکرایا۔

"تم فکر نہ کرو، میں صبر کر لوں گا۔" وہ بھی مسکرائے۔

"ٹھیک ہے، آپ لوگ چلیے۔ اور ہاں اس کا خاص خیال رکھیے، کہیں فرار نہ ہو جائے۔"

"وہ بے چارہ کیا فرار ہوگا۔ جس وقت سے ہم نے اسے ہتھکڑی

پہنائی ہے، اس وقت سے اب تک ہوش میں تو آیا نہیں" سب انسپکٹر
بولا۔

"اوہو، اتنی لمبی بے ہوشی" فاروق بول اٹھا۔

"میں دیکھتا ہوں اسے" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید پچھلی جیپ کی
طرف بڑھے۔ پچھلے حصے میں جوجٹو لیٹا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں
ہتھکڑیاں تھیں اور ہتھکڑیاں جیپ سے باندھ دی گئی تھیں۔ انہوں
نے اس پر ایک نظر ڈالی اور پھر چونک اٹھے۔ اس کے منہ
جھاگ بہہ کر اس کے سینے کو گیلا کر چکی تھی۔

"ارے!" ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"ابا جان، اس موقع پر یہ ارے کہاں سے ٹپک پڑا۔"

"یہ، مرچکا، ہے" انہوں نے جملے کو تین قسطوں میں ادا

"جی، کیا کہا؟ مرچکا ہے" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا

"ہاں، بالکل مرچکا ہے۔"

وہ جلدی سے اس جیپ تک پہنچے، جوجٹو واقعی مرچکا تھا
اس کا جسم بالکل سرد اور اکڑا ہوا تھا۔ ان کی آنکھیں حیرت
پھیل گئیں، پھر انہوں نے سنا، انسپکٹر جمشید کہہ رہے تھے۔

"اور اسے زہر سے ہلاک کیا گیا ہے۔ جنگل میں وہ
جگہ چھپے ہوئے ہوں گے۔ سب انسپکٹر صاحب اور ان کے
نے جب اس جگہ جیپیں روک کر اور نیچے اتر کر ان لوگوں



تلاش کیا تو اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے جوجٹو
جسم میں زہر داخل کر دیا۔"

"اوہ، لیکن کیوں، انہیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"
رحمان بولے۔

"اگر جوجٹو کے ہاتھوں میں ہتھکڑی نہ ہوتی تو وہ اسے جیپ
نکال کر لے جاتے، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وہ اس قابل نہیں
انہوں نے اس کے جسم میں زہر داخل کر دیا، تاکہ یہ ہمیں
بتا سکے۔"

ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

# تحفہ

"خیر دیکھا جائے گا۔ آپ اس لاش کو پوسٹ مارٹم کے
بھیج دیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"جی بہتر۔"

پولیس پارٹی کے جانے کے بعد وہ کاروں اور جیپوں میں
ہوئے۔ انسپکٹر جمشید، خان رحمان، پروفیسر داؤد اور آئی جی صا
کے ساتھ بیٹھے تھے۔

"جمشید، آخر ہم کہاں جا رہے ہیں؟" شیخ صاحب بے تا
کر بولے۔

"سر، اب تو تھوڑی دیر کی بات رہ گئی ہے۔ آپ اپنی آ
سے دیکھ لیں گے۔"

"تمہاری یہ عادت بہت عجیب ہے، آخر وقت تک کچھ
بتاتے۔" خان صاحب مسکرائے۔

"جی ہاں، اسے عادت ہی کہا جا سکتا ہے۔" انسپکٹر جمش



ہونٹوں میں مسکرائے۔

ان سے پچھلی کار خان رحمان والی تھی۔ اس میں وہ تینوں ظہور
کے ساتھ بیٹھے تھے۔ باقی آفیسر اپنی جیپوں میں تھے۔ کچھ کانسٹیبل بھی
ہو تے۔ ان کی رفتار معمول کے مطابق تھی۔ راستے میں ایک جگہ
ایک موٹر سائیکل سوار نظر آیا۔ اس نے انسپکٹر جمشید کو دیکھ کر ہاتھ کا
اشارہ دیا۔

"ٹھیک ہے، چلے آیئے۔" انہوں نے اسے ہاتھ کا اشارا دیا۔

"اوہو، یہ تو وہ ہے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ تو وہ ہے، کیا مطلب؟" ظہور نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ نہیں سمجھیں گے انکل۔" محمود مسکرایا۔

"اس میں نہ سمجھنے والی کونسی بات ہے۔ یہ ضرور کوئی بڑا وہ
ہو۔" محمود نے ہنس کر کہا۔

"اور یہ بڑا وہ کیا ہوتا ہے؟" فرزانہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"جی بس بڑا وہ ہی ہوتا ہے۔" اس نے مسمی صورت بنا کر
کہا اور تینوں مسکرا دیے۔

ٹھیک آدھ گھنٹے بعد اگلی کار رکتی نظر آئی۔ اس وقت
تک سبھی اندازہ لگا چکے تھے کہ ان کی منزل پروفیسر ہامان کی تجربہ گاہ
ہے۔

"حیرت ہے جمشید، تم تو ہمیں پروفیسر ہامان کے ہاں لے آئے۔"

آئی جی صاحب بولے۔

"جی ہاں، آئیے۔" وہ بولے، پھر نیچے اتر کر گھنٹی بجائی
تقریباً نصف منٹ تک بجاتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ جھلایا ہوا
چہرہ لیے پروفیسر ہامان آتے نظر آئے، لیکن پھر اپنے دروازے
اتنے بہت سے آدمیوں کو دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی
گئیں۔

"خیریت تو ہے، رات کے اس وقت آپ سب لوگ یہاں
"جی ہاں پروفیسر صاحب، میں نے کچھ دیر پہلے آپ سے
کیا تھا نا کہ بہت جلد ایجاد کا چور گرفتار کر لیا جائے گا
آپ کی ایجاد آپ کے حوالے کر دی جائے گی۔" انسپکٹر جمشید بولے

"اوہ ہاں، تو کیا آپ اسے گرفتار کر چکے ہیں اور ایجاد حاصل
کر چکے ہیں۔" وہ چہک کر بولے۔

"جی ہاں، چلیے اندر۔ ساری تفصیل سناتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید
نے مسکرا کر کہا۔

"آئیے آئیے، یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ آپ واقعی حیرت
انگیز ترین انسان ہیں، جو کہتے ہیں کر دکھاتے ہیں۔"

انہوں نے سب کو راستہ دیا، پھر سب لوگ ڈرائنگ روم میں
بیٹھے۔ ہر کوئی حیرت زدہ تھا، کیونکہ انسپکٹر جمشید جھوٹ نہیں بولتے تھے
اور وہ سب جانتے تھے کہ ایجاد کے چور کو انہوں نے ابھی تک گ



ہیں کیا تھا، پھر انہوں نے پروفیسر سے یہ کیوں کہا کہ انہوں نے چور
ر کر لیا ہے۔ آخر سب کے اطمینان سے بیٹھ جانے کے بعد انسپکٹر
د بولے:

"سرخ پنجہ اگر صرف پروفیسر داؤد صاحب کی تجربہ گاہ کا صفایا
چاہتا تو چپ چپاتے یہ کام کر سکتا تھا، کیونکہ باورچی کے روپ
اس کا ایک آدمی پہلے ہی ان کے ہاں داخل کرا چکا تھا، وہ کسی
ی رات کے وقت باورچی کے ذریعے دروازہ کھلوا کر اندر داخل
تے اور جو کچھ لے جانا چاہتے، لے جا سکتے تھے، لیکن شاید
ہیں یہ خطرہ تھا کہ کہیں عین وقت پر ہم پروفیسر صاحب کی مدد
ے نہ پہنچ جائیں اور کھیل نہ خراب کر دیں، لہٰذا سرخ پنجہ نے
یک تیر سے دو شکار کرنے کا پروگرام بنایا۔ پروفیسر ہامان صاحب کو
ک فون ملا، جس میں سرخ پنجے نے دھمکی دی کہ رات آٹھ بجے ان
ایجاد اڑا لی جائے گی۔ اس ایجاد کے بارے میں پروفیسر داؤد
ان کے ایک غیر ملکی دوست پروفیسر شلجان کے علاوہ اور کسی
نہیں معلوم تھا۔ پروفیسر داؤد سے تو کوئی دشمن ایجاد کے بارے
معلومات حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ سرخ پنجہ نے پروفیسر شلجان
کسی طرح معلوم کیا ہوگا، لہٰذا فون ملتے ہی پروفیسر صاحب کی
بہ گاہ کے ارد گرد پولیس پھیل گئی۔ ہم لوگ بھی ادھر آ گئے:
ا پر پروفیسر داؤد صاحب کے ہاں ان کے لیے میدان صاف تھا۔

سرخ پنجہ کے تین ساتھی جوڈو کراٹے اور جوجتسو وہاں کی
فلم اتار کر چلتے بنے، لیکن ان کا تعاقب محمود، فاروق اور
نے کیا اور کیمرہ ان سے واپس حاصل کرنے میں کامیاب ہو
انہیں اس خط کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا، لہٰذا خط وا
حاصل نہ کیا جا سکا۔ ادھر جب ہم سب کو یہ معلوم ہوا کہ اصل
خطرہ پروفیسر داؤد صاحب کے ہاں ہے تو ہم سب ادھر دوڑ پڑے
اور سرخ پنجہ نے ادھر بھی ہاتھ صاف کر دیا۔ یہاں سرخ پنجہ کا
آدمی سب انسپکٹر کے روپ میں گل کھلا گیا۔ واردات سے پہلے سرخ
کا ایک کارڈ بھی پروفیسر صاحب کو دستی بھیجا گیا، پھر ایک
ایک کمرے کے دروازے پر بھی پایا گیا۔ اس طرح سرخ پنجہ نے
ایک تیر سے دو شکار کیے۔ یہ تو ہے وہ کہانی، جو صبح کے اخبار
کے ذریعے پوری دنیا میں پھیلنے والی ہے اور سرخ پنجہ کی شہرت
اور اضافہ کرنے والی ہے۔ اخبارات دھڑا دھڑ چھپ رہے ہوں
اور اس کہانی کو پھیلنے سے اب کوئی بھی نہیں روک سکے گا، لیکن
دراصل اصل واقعہ کچھ اور ہے اور اب میں آپ لوگوں کو اصل کہا
سناؤں گا۔"

"تو کیا آپ اب تک نقلی کہانی سنا رہے ہیں؟" فار
بول پڑا اور سب لوگ مسکرا کر رہ گئے۔

"ہاں، یہی کہا جا سکتا ہے۔ اصل کہانی یہ ہے کہ جوڈو کرا



تو پروفیسر داؤد صاحب کے ہاں ہاتھ صاف کرنے میں
تھے، ادھر ایک نقلی سب انسپکٹر صاحب اپنا کام کرنے کے
ہو رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ تمام آفیسرز اور پولیس کی
تعداد جا چکی ہے اور صرف چند کانسٹیبل رہ گئے ہیں تو کانسٹیبلوں
کر وہ اندر داخل ہوا اور پروفیسر صاحب کے کمرے میں
اس نے دھوئیں کا بم مار کر انہیں اور طوری کو بے ہوش
اور پھر خود نوٹ بک اٹھا کر کمرے سے نکل گیا اور جاتے ہوئے
زہ باہر سے بند کر گیا۔ کانسٹیبلوں نے دروازہ پیٹے جانے کی
سن کر دروازہ کھولا۔ ان کی موجودگی میں پروفیسر صاحب نے
کے عالم میں سیف کو کھولا تو نوٹ بک غائب تھی۔ اس
پروفیسر صاحب نے شیخ صاحب کو فون کیا اور پھر میں یہاں
یہ ہے دوسری کہانی۔ اگرچہ اصل کہانی ہے، لیکن اس میں
تھوڑی سی ملاوٹ ہے۔"

"لیجیے، اب کہانیوں میں بھی ملاوٹ ہونے لگی اور وہ بھی اصل
وں میں۔" فاروق بول پڑا۔

"کوئی ایسی ویسی۔ آج کل تو مکمل طور پر نقلی کہانیاں شائع
ہو رہی ہیں، میں تو تھوڑی بہت ملاوٹ کی بات کر رہا ہوں۔" انسپکٹر
مسکرائے، پھر سب پر ایک نظر ڈال کر بولے:

"یہاں سے مجھے ایک گیس ماسک اور دو کارڈ ملے تھے۔ ایک

کارڈ پر پروفیسر صاحب کو دستی بھجوایا گیا تھا اور دوسرا ایک کمرے کے
دروازے پر لگا پایا گیا۔ اس کے بارے میں خیال ہے کہ وہ
سب انسپکٹر جاتے ہوئے لگا گیا ہوگا۔ سیف کے ہینڈل پر
پروفیسر ہامان صاحب کی انگلیوں کے نشانات مل سکے، کسی اور
نہیں۔ یہاں فنگر پرنٹ سیکشن کے انچارج بھی تصدیق کے
موجود ہیں۔ جو کارڈ پروفیسر صاحب کو دستی بھیجا گیا۔ اس پر
آدمیوں کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔ پروفیسر صاحب کی اور ایک
شخص کی انگلیوں کے۔ اس ایک اور شخص کی انگلیوں کے نشانات
اس دوسرے کارڈ پر بھی ہیں جو دروازے پر لگا ملا ہے۔ اس پر
صرف اسی شخص کے نشانات پائے گئے ہیں۔ لیکن ایک عجیب
یہ ہے کہ کمرے سے ملنے والے گیس ماسک پر اس شخص کی انگلیوں
کے نشانات نہیں ہیں، بلکہ اس پر پائے جانے والے نشانات
نمبرا پر پائے جانے والے دوسرے نشانات کے مطابق ہیں، یعنی
پروفیسر ہامان صاحب کی انگلیوں کے نشانات کے مطابق۔" انسپکٹر جمشید
یہاں تک کہہ کر رک گئے۔

"نہیں" ان سب کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔ خان
محمود، فاروق اور فرزانہ پہلے ہی نشانات کے ذریعے یہ بات جان
تھے۔

"جی ہاں، جس وقت فنگر پرنٹ سیکشن کے انچارج صاحب



قات کی تفصیل سنائی۔ اس وقت سیف کے ہینڈل پر پائے
نے والے نشانات کا ان نشانات سے موازنہ نہیں کیا گیا تھا۔
اشارے پر انہوں نے ایسا کیا گیا اور یہ بات سامنے آئی کہ
ان پر پائے جانے والے نشانات گیس ماسک والے نشانات
لف نہیں ہیں؛ چنانچہ اس بات سے ثابت ہے کہ گیس
انسپکٹر نے نہیں، خود پروفیسر صاحب نے اوڑھا تھا، تاکہ
سے محفوظ رہیں۔ سب انسپکٹر تو بم مارنے کے بعد فوراً کمرے
ل گیا تھا اور دروازہ باہر سے بند کر گیا تھا۔ پروفیسر صاحب
دوں کو بے ہوش دیکھ کر سیف کو کھولا اور نوٹ بک نکال لی۔
سب انسپکٹر بے چارہ بھلا سیف کس طرح کھول سکتا تھا۔" انسپکٹر
ایک بار پھر خاموش ہو گئے۔

پروفیسر ہامان نے اپنی کمر کرسی کی پشت سے لگا دی اور ٹانگیں
طرح پھیلا کر اس طرح بیٹھ گئے، جیسے جلد اٹھنے کا کوئی ارادہ
۔ ان کی نظریں انسپکٹر جمشید پر جمی تھیں۔

"لیکن جمشید، پروفیسر صاحب کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔
اپنی ہی ایجاد کیوں چراتے۔" آئی جی صاحب نے حیرت زدہ
میں کہا۔

"بالکل میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ اگر مسئلہ صرف پروفیسر داؤد
ایجادات کی فلم اتارنے کا تھا تو یہ کام تو اس سارے جھنجٹ کے

بغیر بھی ہو گیا تھا۔" خان صاحب نے کہا۔

"میں خود بھی یہ بات بہت دیر تک سوچتا رہا ہوں اور ہا...
میں دو ہی باتیں سوچ سکا ہوں۔ پہلی تو یہ کہ پروفیسر ہامان ا...
طرح عالم گیر شہرت حاصل کرنا چاہتے تھے اور دوسرے یہ کہ یہ...
سرخ پنجہ کے آدمی ہیں۔"

"کیا؟" اس مرتبہ سب چلائے تھے۔ محمود، فاروق اور فرزا...
بھی چلانے میں کسی سے پیچھے نہیں تھے۔

"جی ہاں۔ سرخ پنجہ انہیں اپنا سارا پروگرام پہلے ہی بتا...
تھا، انہیں تو بس اس پروگرام پر عمل کرنا تھا۔ ایک طرف تو سر...
یہ چاہتا تھا کہ پروفیسر داؤد کو ان کے تجربات سے محروم کر دیا جا...
اور انہیں کہیں کا بھی نہ چھوڑا جائے۔ دوسری طرف وہ یہ بھی چاہ...
تھا کہ پروفیسر ہامان کی شہرت پر لگا کر اڑنے لگے۔ یہ ملک کی...
اہم شخصیت بن جائیں اور پھر ان کے ذریعے سے وہ اپنا کام نکا...
سکے اور تیسرے اسے اس خط کی بہت زیادہ ضرورت تھی جو ڈاکٹر ...
نے پروفیسر داؤد صاحب کو لکھا تھا، نہ جانے اس خط میں ایسی ...
بات تھی۔ مجھے یقین ہے، پروفیسر ہامان کو بھی اس خط کے بار...
میں کچھ معلوم نہیں ہوگا۔ سرخ پنجہ ایسی باتیں اپنے آدمیوں ...
نہیں بتا سکتا۔ اب اگر آپ اجازت دیں تو میں وہ نوٹ بک ...
پروفیسر صاحب نے اپنے سیف میں سے خود ہی چرائی ہے۔ اس کی...



... الماری اور کمرے سے برآمد کر کے دکھا دوں۔"

"اوہو، تو یہ بات بھی ہے۔" شیخ صاحب بولے۔

"جی ہاں، ابھی لیجیے۔ اس میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ میں
... نوٹ بک کے بارے میں بھی پوچھا تھا۔ انہوں نے بتایا تھا
... سرخ چمڑے کی جلد والی اور درمیانے سائز کی ہے۔"
... انہوں نے اس کمرے کی الماریوں کی تلاشی شروع کر دی۔
... ہامان نے منہ سے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ بس خاموشی سے انسپکٹر
... کی طرف دیکھتے رہے۔ آخر پانچ منٹ بعد وہ ایک الماری کے
... خانے کو کھولنے میں کامیاب ہو گئے اور اس میں سے نوٹ بک
... ہوئے انہوں نے سب کے سامنے لہرائی۔

"تو یہ ہے وہ نوٹ بک۔" یہ کہہ کر انہوں نے اس کے
... اوراق الٹ پلٹ کر دیکھے، پھر بولے:

"نوٹ بک پر نہ جانے کیا کچھ لکھا ہے، ہم یہ پروفیسر داؤد صاحب
... دیں گے، تاکہ وہ اندازہ لگا سکیں کہ اس میں کوئی فارمولا ہے
... نہیں۔ اور اب میں پروفیسر ہامان صاحب سے سوال کرتا ہوں،
... آپ کو اپنے جرم کا اقرار ہے؟"

"ہاں، میں اسی ملک میں پیدا ہوا۔ میں نے اتنی تعلیم حاصل
... کی جو کسی نے کی ہوگی۔ پروفیسر داؤد بھی مجھ سے کم تعلیم یافتہ ہیں۔
... نتیجہ کیا نکلا، لوگ مجھے جھکی سائنس دان کہنے لگے۔ میں اس قوم

اور ملک سے نفرت کرنے لگا۔ میری نفرت شدید ہوتی چلی گئی اور اس
نفرت نے مجھے سرخ پنجہ کی پیشکش منظور کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے
پیش کش کی تھی کہ اگر میں اس کے لیے کام کروں تو وہ مجھے
ایک دن اس ملک کی اہم ترین ہستی بنا دے گا، چنانچہ میں نے
یہ شاندار پیش کش منظور کر لی اور اس کی ہدایات پر عمل کرنے لگا
اس نے مجھے یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس کے ساتھ کام کرنے میں زندگی
کا بھی خطرہ ہے، لیکن میں نے پروا نہ کی۔ میں تو اس ملک اور
قوم سے انتقام لینے پر تل گیا تھا۔ کچھ دن پہلے اس نے ایک
پروگرام میرے سامنے رکھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس پروگرام سے
میری شہرت کو چار چاند لگ جائیں گے اور پھر وہ اس سلسلے میں
چند قدم اور اٹھائے گا۔ یہاں تک کہ میری شہرت آسمان سے
باتیں کرنے لگے گی؛ چنانچہ میں نے اس کے اشارے پر عمل شروع
کر دیا۔ آج اس کا فون اس سلسلے میں ملنا تھا، لہذا جب فون
آیا تو میں نے اپنے نائب طوری کو فون سننے کے لیے کہا،
سب کو یقین آ جائے کہ واقعی سرخ پنجہ کا فون آیا تھا۔ اس کے
بعد بھی میں نے طوری کو ساتھ ساتھ رکھا، یہاں تک کہ دھوئیں
کے بم سے بے ہوش ہونے کا مرحلہ آیا تو اس وقت بھی وہ
میرے ساتھ تھا؛ حالانکہ میں اسے ملازمت سے الگ کر چکا تھا۔
اسے ملازمت سے نکالا بھی سرخ پنجے کے اشارے پر گیا، کیونکہ



خیال تھا کہ اب میرے لیے نئے اسسٹنٹ اور خدمت گار رکھے
جانے چاہییں۔ جو اس کے آدمی ہوں گے اور جو ہر وقت میری
طرح کی مدد کریں گے۔ طوری کے ہوتے ہوئے یہ کام نہیں
ہو سکتا تھا، لہذا میں نے اسے جواب دے دیا اور جواب بھی
اس موقعے پر دیا جب بطور گواہ اسے اپنے ساتھ رکھنا تھا۔
اس طرح اس کی گواہی اور بھی مضبوط خیال کی جاتی۔" یہاں تک
کہہ کر پروفیسر ہامان خاموش ہو گیا۔

"پروفیسر صاحب، آپ نے کہا ہے کہ آپ کو اس قوم نے
بھی سائنس دان کہنا شروع کر دیا تھا تو اس میں ان کا قصور
نہیں۔ آپ نے ضرورت سے زیادہ تعلیم حاصل کر لی تھی۔ آپ
کے اندر غرور اور گھمنڈ بہت پیدا ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ایک
بھی کام کی چیز ایجاد نہ کر سکے۔ اس ملک اور قوم کو کوئی بھی
فائدہ نہ پہنچا سکے، پھر آپ کی جھنجلاہٹیں منظر عام پر آنے لگیں
تو لوگوں میں آپ جھکی سائنس دان مشہور ہو گئے۔ لیکن ایک اہم
شخصیت بننے کے لیے آپ نے جو راستہ اختیار کیا، وہ بالکل غلط
اور غیر قانونی تھا، لہذا اب آپ کو قانون کا مہمان بن کر رہنا
ہوگا۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ سرخ پنجہ نے اس خطرے

کا اظہار کر دیا تھا کہ اس کا ساتھ دینا جان جوکھوں کا کام ہے
لہذا ایسے کسی موقعے کے لیے بھی اس نے مجھے چند ہدایات دے
رکھی ہیں۔ جب آپ لوگ یہاں پہنچے تھے تو میں نے تالے
کے سوراخ میں سے پہلے ہی آپ سب کو دیکھ لیا تھا۔ اا
میں جان گیا تھا کہ آپ اصل کہانی جان گئے ہیں، کیوں کہ مجھے
یہ خیال ہی نہیں تھا کہ گیس ماسک پر سے بھی انگلیوں کے
نشانات اٹھوائے جا سکتے ہیں، ورنہ میں گیس ماسک اس کمرے
میں نہ رہنے دیتا۔ ہاں تو ایسے کسی موقعے کے لیے سرخ پنجے نے
مجھے ایک تحفہ بھیج دیا تھا۔ وہ تحفہ اب میرے منہ میں ہے
دانتوں کو دبانے کی دیر ہے کہ ایک دھماکا ہوگا اور سب کچھ
ختم ہو جائے گا۔ یہ کمرہ بھی۔ یہ عمارت بھی اور آپ لوگ
بھی۔ افسوس آپ نے آتے ہوئے یہ تو سوچ لیا کہ میں
تجربہ گاہ میں تنہا ہوں گا اور اتنے بہت سے لوگوں کا کچھ ا
بگاڑ سکوں گا، لیکن آپ نے یہ نہ سوچا کہ آپ ایک دشمن کے
پاس جا رہے ہیں۔ دشمن جو اپنے لیے ہی نہیں، آپ سب کے
لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

پروفیسر ہامان کے الفاظ اس قدر سنسنی خیز تھے کہ ان کے
رونگٹے یک لخت کھڑے ہو گئے۔ رنگ اڑ گئے۔ سانس سینے ا



اٹکنے لگے۔ ایک ہول ناک موت ان سب کی طرف جھپٹنے کو تیار
تھی۔ انھوں نے اس کے منہ کی طرف دیکھا، اس کے دانتوں
میں ایک سفید رنگ کا شیشے کا کیپسول دبا ہوا تھا۔

# باس کے بچے

"اوہ —" انسپکٹر کامران مرزا کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں
"یا اللہ رحم، صبح ہی صبح اوہ —" بیگم کامران مرزا نے
کر کہا۔
"خبر ہی ایسی ہے بیگم" انہوں نے کہا۔
"ذرا ہم بھی تو دیکھیں کیسی خبر ہے" آصف نے جلدی
اخبار کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔
وہ صبح کا ناشتا کر رہے تھے — ناشتے کے دوران انسپکٹر
کی نظریں اخبار پر بھی پھسل رہی تھیں — ایسے میں ان کی
خبر پر پڑی —
"لو پڑھ لو" ملک کے مغربی حصے کی سنسنی خیز خبر
تینوں ایک ساتھ اخبار پر جھک پڑے۔ نمایاں سرخی
"ملک کے دو مشہور و معروف سائنس دان بری طرح لٹ
نچلی سرخی یہ تھی:



"انسپکٹر جمشید اور ان کے ہونہار بھی اپنی کوششوں کے
باوجود انہیں لٹنے سے نہ بچا سکے۔"
اس سرخی کے نیچے تفصیل درج تھی — وہ پورے انہماک سے
چلے گئے۔ یہاں تک کہ خبر ختم ہو گئی۔
"سرخ پنجہ —" فرحت آخری سطر پڑھنے کے بعد بڑبڑائی:
آپ سرخ پنجے کے بارے میں کچھ جانتے ہیں؟"
"ہاں، اخبارات میں پڑھ چکا ہوں" وہ بولے۔
"کچھ ہمیں بھی بتائیے، کیونکہ اخبار میں اس کے متعلق کوئی
نہیں ہے۔"
"سرخ پنجہ چند سالوں سے دنیا کے لیے ایک نیا اور خوفناک
کر ابھرا ہے۔ اس کے کارندے شاید پوری دنیا میں پھیلے ہوئے
ہمارے ہاں اس کا ذکر پہلی بار سننے میں آیا ہے۔ چھ ماہ
ایک ملک بحران میں اس کا نام سننے میں آیا تھا، پھر نہ جانے
اس حکومت کا تختہ الٹ گیا۔ یہ ہمارا دوست ملک ہے،
حکومت سے تعلقات اتنے گہرے نہیں جتنے کہ پہلی حکومت
— اسی قسم کی کچھ اور کارروائیاں بھی سرخ پنجے نے کی ہیں۔
مات سے میں بھی کچھ نہیں بتا سکوں گا" یہاں تک کہہ کر وہ
ہو گئے —
گویا اس مرتبہ انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ کی بھی دال

نہیں گل سکی۔" آفتاب نے مسکرا کر کہا۔

"اخباری خبر سے تو یہی ظاہر ہے، پروفیسر کی ایک ایک
کی فلم اتار کر وہ لوگ لے گئے، ساتھ ہی ایک اہم ترین خط
لے جانے کا بھی ذکر ہے۔ یہ نہیں لکھا کہ اس خط میں تھا
ادھر پروفیسر ہامان کی ایجاد کو اڑا لیا گیا اور یہ سب کچھ ایک
منصوبے کے تحت کیا گیا۔" وہ کہتے چلے گئے۔

"کاش، ہم وہاں ہوتے، پھر دیکھتے اس سرخ پنجے کو۔" آ
نے سرد آہ بھری۔

"خدا جانے کیا حالات پیش آئے ہوں گے۔ وہ لوگ کم تو
ہیں، لیکن دشمن بھی تو عجیب و غریب ہتھکنڈے استعمال کرنے
ہیں۔" فرحت نے آفتاب کو گھورا۔

"کہیں آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے ہڑپ کر جانے کا ا
نہیں ہے۔" آفتاب بوکھلا اٹھا۔

"میں کوئی شارک مچھلی نہیں ہوں۔" فرحت نے منہ بنایا۔

"لیکن وہ منہ سے لوگوں کو ہڑپ کرتی ہے، آنکھوں سے
آصف بھی بول پڑا۔

"میں چاہتا ہوں، سرخ پنجہ ہمارے شہر کا رخ کرے
ہم اسے تگنی کا ناچ نچائیں۔" آفتاب بولا۔

"بھئی زیادہ ڈینگیں نہ مارو، کہیں وہ آ ہی نہ جائے۔" انسپکٹر



ان کے۔

"اس کے آنے میں ہی ہمارا فائدہ ہے۔ ہم اس سے انکل
داؤد اور پروفیسر ہامان صاحب کی ایجادات تو واپس حاصل کر
گے۔ اس طرح ہماری بہادری اور قابلیت کا سکہ انکل جمشید
، فاروق اور فرزانہ پر خوب اچھی طرح جم سکے گا۔" آفتاب
اتے ہوئے کہا۔

یوں کہو، تمہیں سکہ جمانے کا بہت شوق ہے۔" فرحت
کیا۔

"لو بھئی ایک اور خبر۔" انسپکٹر کامران مرزا کی آواز نے انہیں
اخبار کی طرف متوجہ کر لیا۔

"کیا سرخ پنجے کی کوئی اور کارروائی موجود ہے اخبار میں۔"
نے جلدی سے کہا۔

"نہیں بھئی، یہ بات نہیں۔ ہمارے ملک کے اس حصے میں
دھات تلاش کر لی گئی۔ اس کے بے پناہ ذخائر موجود ہونے کے
ات ہیں، وہ بھی یورنیم ۲۳۸ کے۔"

"یہ کیا بلا ہے؟" آفتاب نے منہ بنایا۔

"اس وقت کی سب سے قیمتی دھات۔ پلاٹینم بھی اس کے
کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ اس دھات سے ایٹم بم بنائے جاتے
انہوں نے کہا۔

"اوہ" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں بھی یورینیم کے بہت چھوٹے چھوٹے ذخائر دریافت ہو سکے ہیں۔ اس لحاظ سے ہم بہت خوش قسمت ہیں" انہوں نے کہا۔

"لیکن ابا جان، کہیں ان ذخائر کو دشمن طاقتیں حاصل کرنے کے چکر میں نہ پڑ جائیں۔"

"ہاں، یہ بات امکان سے باہر نہیں، لیکن تم فکر نہ کرو۔ حکومت اس کی حفاظت کا خاطر خواہ انتظام کرے گی۔ حکومت کو اس خطرے کا پہلے ہی احساس ہوگا، اور ہاں، یہ بھی سن لو کہ ذخائر کوئی آج کل میں دریافت نہیں ہوئے۔ دریافت تو تقریباً ماہ پہلے کی ہے، لیکن خبر اب شائع کی گئی ہے۔ شاید حفاظتی اقدام کے نظریے سے ہی ایسا کیا گیا ہے۔"

"ویری گڈ، کیا ہم ان ذخائر کو نہیں دیکھ سکتے۔" آفتاب بولا۔

"بھلا تم کیا کرو گے دیکھ کر۔"

"جی چاہتا ہے، ہم بھی اس دولت کو دیکھیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے ملک کو مرحمت فرمائی ہے۔"

"خیر بھئی، بنالیں گے کسی دن پروگرام، لیکن شاید اس کے لیے خصوصی اجازت نامہ لینا پڑے گا۔"

"یہ آپ کے لیے کیا مشکل ہے۔" آصف بولا۔



"ہاں، خیر چلیں گے — تم ......"

ان کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے — اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی — انہوں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا اور بولے:

"انسپکٹر کامران مرزا بول رہا ہوں۔"

پھر دوسری طرف کی آواز سن کر وہ چونک اٹھے۔ تینوں نے ان کا چہرہ یکایک تن گیا۔ آنکھوں میں شدید الجھن نظر آنے لگی اور پھر انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

اب وہ ان تینوں کو تیز نظروں سے گھورے جا رہے تھے۔

"خدایا رحم، آخر کس کا فون تھا؟" آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔

"ضرور آپ نے کوئی پریشان کن خبر سنی ہے۔" فرحت بولی۔

"کیا سرخ پنجہ ہماری طرف آ گیا ہے؟" آصف بولا۔

"نہیں، سرخ پنجہ نہیں آیا — فرحت کے ابا جان یعنی میرے منور علی خان کا فون تھا۔"

"اوہ" ان کے منہ سے نکلا، پھر فرحت نے گھبرا کر کہا:

"وہ خیریت سے تو ہیں، فون انہوں نے کہاں سے کیا تھا۔ جائیے، میرا دم گھٹا جا رہا ہے۔"

"ابھی بتاتا ہوں، پہلے میں ایک دو فون کر لوں۔" انہوں نے اور فون پر کوئی نمبر گھمانے لگے۔

منوّر علی خان نے ہوٹل کے سائن بورڈ پر ایک نظر ڈالی
بڑے بڑے حروف میں ہوٹل ژالید لکھا تھا۔ ان کے کندھے
شکاری تھیلا لٹک رہا تھا اور وہ بہت تھکے ماندے نظر آ
تھے۔ لباس بھی کئی جگہوں سے پھٹ گیا تھا۔ شاید وہ کئی
جنگل میں گزار کر آ رہے تھے اور انہیں لباس تبدیل کر
بھی موقع نہیں ملا تھا۔

ہوٹل میں داخل ہو کر انہوں نے کاؤنٹر کا رخ کیا۔
نظریں ان پر اٹھ گئیں۔ کچھ لوگوں کے منہ بن گئے۔ کاؤنٹر
نے بھی ان کی طرف کوئی توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں
دوسری طرف دیکھتا رہا۔ ہوٹل کا ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا

"سنو بھئی، مجھے ایک کمرہ چاہیے" انہوں نے اردو میں
یہاں زیادہ تر اردو ہی بولی جاتی تھی۔

"کمرے کا کرایہ دے سکو گے؟" اس نے جھنجھلا کر کہا۔

"ہاں کیوں نہیں۔ میرے پھٹے پرانے لباس پر نہ جاؤ
نے کئی دن مسلسل جنگل میں گزارے ہیں۔ تین شیروں نے
گھیر لیا تھا۔ ان سے مقابلہ کرنا اور ان میں سے دو کو ہلا
ہوئے خود بچ کر نکل آنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ تیسرے
نے بھی شہری حدود تک پیچھا کیا تھا، لیکن میں اس کی ز
نہیں آ سکا۔ میں ایک شکاری ہوں۔ دوست، ابھی جب آپ



دے دیں گے تو میں نہا دھو کر اور لباس تبدیل کر کے نیچے
گا۔ اس وقت آپ مجھے ناگواری سے نہیں دیکھ سکیں گے۔"
ان کے صاف ستھرے لہجے اور لہجے کی روانی کلرک کو موم
گیا۔ اس نے شرمسارانہ لہجے میں کہا۔

"اوہ، معاف کیجیے گا! بہرحال اس وقت ہمارے ہاں تیسری
منزل پر دو سنگل کمرے خالی ہیں۔ ان میں سے ایک آپ کو دے
سکتا ہوں۔ کمرہ نمبر ۲۱۲ کی کھڑکیاں سڑک کی طرف کھلتی ہیں۔ کیا
آپ یہ لینا پسند کریں گے۔ اس کے علاوہ کمرہ نمبر ۲۴۹ خالی ہے۔
اس کی کھڑکیاں اندر کی طرف کھلتی ہیں۔"

"دو سو بارہ نمبر ہی ٹھیک رہے گا۔"

"آپ کو ایک ہفتے کا کرایہ ایڈوانس جمع کرانا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے، کتنا کرایہ؟" انہوں نے پوچھا۔

"چار ہزار دو سو روپے۔" اس نے کہا۔

"گویا چھ سو روپے روزانہ" انہوں نے مسکرا کر کہا اور جیب سے
نکال کر سو سو روپے والے نوٹ گن دیے۔ کلرک نے چابی انہیں
دی اور ایک بیرے کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ جوں ہی وہ بیرے
کے ساتھ اندر کی طرف چلے، کلرک بڑبڑایا۔

"میں نے اتنا گپ باز آدمی کبھی نہیں دیکھا، لیکن آدمی
ہوتا ہے مال دار۔"

"کیا نہیں دیکھا تم نے ؟" ایک آواز نے کلرک کو چونکا دیا۔
نے نظریں اوپر اٹھائیں تو ایک لمبے قد کے آدمی کو اپنے سا
کھڑا پایا۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی کلرک کی سٹی گم ہو گئی

"اوہو روڈان صاحب، آپ کب تشریف لائے ؟"

"میں نے تم سے کیا پوچھا تھا" روڈان نے غرّا کر کہا۔

اس کی غراہٹ پورے ہال میں گونج کر رہ گئی۔ کلرک کا
اٹھا، پھر اس نے کپکپاتی آواز میں کہا :

"ابھی ابھی ایک مسافر نے ہوٹل میں ایک کمرہ لیا ہے
وہ کہہ رہا تھا کہ جنگل میں کئی دن تک تین شیروں کے درمیان
رہا ہے۔ آخر اس نے ان میں سے دو کو مار ڈالا، ایک
نے ان کا پیچھا شہری حدود تک کیا۔ میں نے یہ کہا تھا کہ
سے زیادہ گپ باز آدمی میں نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں

"اوہ، لیکن اگر وہ سچا ہوا تو آدمی بہت دلچسپ ثابت
اور کام کا بھی" روڈان نے جلدی سے کہا۔

"آپ جانیں، میں کیا کہہ سکتا ہوں"

"کون سا کمرہ دیا ہے اسے ؟"

"کمرہ نمبر ۲۱۲، لیکن آپ اس سے اوپر جاکر نہ ملیں
جاتے ہی غسل خانے میں گھس گیا ہوگا، کیونکہ اس کی حالت
ردی ہو رہی تھی"



"اپنے مشورے اپنے پاس رکھو، ورنہ ایک ٹھوکر مار کر ہوٹل سے
باہر کروں گا"

"جج جی، جی ہاں، جی ہاں، یہ بات تو ہے" اس نے
کانپ کر کہا۔

"کیا وہ ایڈوانس کرایہ دے چکا ہے ؟"

"جی ہاں، پیسوں کی تو اس کے پاس کوئی کمی معلوم نہیں

"تم نے پھر اپنی رائے ظاہر کی۔ جتنی بات پوچھی جائے، اتنی
کرو"

"یس سر، یس سر"

روڈان ابھی ابھی بیرونی دروازے سے اندر داخل ہوا
اسے اندر داخل ہوتے کلرک ابھی یہ نہ دیکھ سکا کہ وہ
علی خان کی طرف متوجہ تھا۔ روڈان نے اسے حقارت بھری
نظروں سے دیکھا اور اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہ اس
ہوٹل کا مالک تھا۔ یہ ہوٹل شہر کا سب سے بڑا ہوٹل تھا اور
سب سے مہنگا بھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے میز
پر لگا ایک بٹن دبایا۔ فوراً ہی کمرے میں ایک آواز گونجی۔

"یس باس"

"باس کے نیچے فوراً یہاں آؤ"

"یس باس۔" آواز آئی۔ پھر کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

روڈان کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ ایک منٹ بعد اس کے کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک سیاہ رنگ کا لمبے قد کا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کا جسم گٹھیلا اور بہت مضبوط نظر آ رہا تھا۔

"یس باس۔"

"تمہیں یس باس کے علاوہ بھی کچھ آتا ہے۔" روڈان نے منہ بنایا۔

"یس باس۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"تم مجھ سے کتنی تنخواہ لیتے ہو ہر ماہ؟"

"پچیس ہزار روپے باس۔" اس نے سہم کر کہا۔

"میں تمہیں ہر ماہ اتنی تنخواہ کیوں دیتا ہوں؟"

"اس لیے کہ اس ہوٹل میں کوئی بھی شخص دم مارنے کی جرأت نہ کرے۔ جب بھی کسی نے کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی میں نے اسے اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ آپ خود اس بات کے گواہ ہیں۔" اس نے کہا۔

"دیکھو ناٹی، میں تمہیں پچیس ہزار روپے ماہوار صرف اتنی بات کے نہیں دیتا۔" روڈان نے بھنا کر کہا۔

"تو پھر کس بات کے دیتے ہیں باس؟" اس بار ناٹی کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔ ایک لمحے کے لیے رک کر اس نے …



"کم از کم میں تو یہی سمجھتا رہا ہوں۔"

"اور تم غلط سمجھتے رہے ہو۔ غلط سمجھنا تمہاری پرانی عادت … کیا یہ غلط ہے ناٹی۔"

"نہیں باس، آپ کا کوئی لفظ غلط نہیں ہو سکتا۔" اس نے … بتایا۔

"تو پھر سنو، میں تمہیں پچیس ہزار روپے ماہوار اس لیے دیتا … کہ آنکھیں کھلی رکھا کرو، کیونکہ تم میں طاقت کے ساتھ ساتھ … بھی ہے اور تم آنکھوں سے دیکھ کر عقل بھی استعمال کر سکتے … لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم زیادہ تر کمرے میں آرام کرتے … ہو، کاہل ہو گئے ہو۔" روڈان یک دم رک گیا۔

"یس باس۔" اس نے فوراً کہا۔

"میں چاہتا ہوں، کم از کم آٹھ گھنٹے ہال میں گزارا کرو اور … کے علاوہ جب بھی تمہاری ضرورت پڑے، آدھ منٹ کے اندر اندر … ہو جایا کرو۔ آج بھی تو میرے بلانے کے پورے ایک منٹ … گئے۔"

"فاصلہ باس۔ مجھے سب سے اوپر والی منزل پر کمرہ کیوں … دیا۔ آپ اپنے برابر میں کوئی کمرہ دے دیں، پھر میں پانچ سیکنڈ … آپ تک پہنچ جایا کروں گا۔" اس نے جواب دیا۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔"

"جیسے آپ کی مرضی، لیکن اوپر والی منزل سے نیچے آنے میں ایک منٹ سے کم نہیں لگ سکتا۔" اس نے کہا۔

"اچھا خیر، آج تمہارے لیے ایک کام ہے۔"

"یہ بات میرے لیے کسی خوش خبری سے کم نہیں۔"

"ہوٹل میں ایک مسافر ابھی ابھی آ کر ٹھہرا ہے۔ تمہیں اس کی مرمت کرنی ہے۔ وہ ایک شکاری ہے۔ پتا نہیں، اصلی یا نقلی۔ اس کا کہنا ہے کہ جنگل میں اسے تین شیروں نے گھیر لیا تھا، ان میں سے دو کو اس نے ٹھکانے لگا دیا، تیسرا بچ گیا اور اس کا تعاقب شہری حدود تک کرتا رہا۔"

"اوہو، پھر تو وہ کوئی عجیب آدمی ہے۔" ناٹی نے چونک کر کہا۔

"عجیب ہو یا غریب، بس تمہیں اس کی مرمت کرنی ہے۔"

"بس باس، ہو جائے گی مرمت۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"میں ہال میں موجود رہوں گا۔ وہ جس میز پر بیٹھے گا، اس کا نمبر میں انگلیوں پر بتا دوں گا۔"

"ویری گڈ، بہت اچھا باس، میں چلا۔" یہ کہہ کر ناٹی [illegible] سے نکل گیا۔ روڈان چند لمحے تک کچھ سوچتا رہا، پھر اس نے [illegible] آلے کے ذریعے مخاطب کیا:



"وہ تمہارا نمبر ۲۱۲ کھانا کھانے آ گیا یا نہیں؟"

"جی ابھی نہیں، کیوں؟" اس نے پوچھا۔

"ذرا میں بھی اسے ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں بہادر لوگوں کو پسند کرتا ہوں نا۔"

"جی ہاں، یہ تو ہے۔"

"بس تو پھر، جوں ہی وہ آئے، مجھے اطلاع دینا۔"

"لیجیے، وہ آ پہنچا۔"

"اوہو اچھا۔" روڈان نے جلدی سے کہا۔ اور پھر سلسلہ کاٹ کر ناٹی کو مخاطب کیا۔

"ہیلو ناٹی، تمہارا شکار آ گیا ہے۔"

"شکریہ باس، میں پہنچ رہا ہوں۔"

روڈان کمرے سے نکل کر کاؤنٹر کی طرف چل پڑا۔ کاؤنٹر کے پاس ہی رکھے ایک لمبے سٹول پر بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔

"ہاں بھئی، کون سا ہے نمبر دو سو بارہ؟"

"سر، وہ میز نمبر ۹ پر بیٹھا ہے۔" اس نے دبی آواز میں کہا۔ یوں تو ہال میں ساز بج رہا تھا۔ وہ دبی آواز میں جواب دیتا تب بھی اس کی آواز منور علی خان تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ روڈان اس کی طرف گھوم گیا۔ اسے وہ شخص بہت صحت مند اور [illegible] لگا۔ عین اسی وقت صدر دروازے سے ناٹی اندر داخل ہوا۔

اسے دیکھ کر کلرک بری طرح چونکا۔ وہ جانتا تھا، ناٹی روڈان کا ملازم ہے اور صدر دروازے سے داخل ہونے کا مطلب یہ تھا کہ ہوٹل میں ہنگامہ ہو گا۔

"سر، کیا ناٹی کو آپ نے بلایا ہے؟" کلرک نے کانپ کر کہا۔

"چپ رہو، منہ بند رکھو۔" روڈان نے تملا کر کہا۔ ساتھ ہی اس نے ایک انگلی دبا کر نو انگلیاں نمایاں کر دیں۔ ناٹی نے ایک نظر اس کی انگلیوں پر ڈالی اور پھر منور علی خان کی میز کی طرف بڑھنے لگا۔

"ہیلو مسٹر، تم اس میز پر نہیں بیٹھ سکتے۔" اس نے منور علی خان کے سامنے والی کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھتے اور سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"کیوں، خیر تو ہے۔"

"اس میز پر میں بیٹھنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن ہال میں کچھ میزیں ابھی خالی ہیں۔ آپ ان میں کسی پر بیٹھ جائیے۔" منور علی خان نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں، میں اسی میز پر بیٹھوں گا، اگر تمہیں اپنی دلیری اور بہادری پر ناز ہے تو میں تمہیں زبردستی اٹھا دوں گا۔"

"نہیں بھئی، ایسی کوئی بات نہیں۔" منور علی خان مسکرائے۔ "لو میں اٹھے جاتا ہوں۔"

اور ناٹی کی سٹی گم ہو گئی۔ اس کا تو خیال تھا، اس کا شکار



اسے ٹکرا جائے گا اور اس کی مرمت کرنے کا موقع اسے آسانی سے مل جائے گا، لیکن وہ تو میز سے اٹھ رہا تھا۔

"کیا تمہیں مجھ پر غصہ نہیں آیا، شاید تم ایک بزدل آدمی ہو۔" ناٹی نے دبی آواز میں کہا۔ انداز غصہ دلانے والا تھا۔

منور علی خان اٹھتے اٹھتے رک گئے۔ انہوں نے نظر بھر کر دیکھا اور پھر

"نہیں، دوست، میں بزدل نہیں۔ میری تو ساری زندگی خونخوار درندوں سے لڑتے گزر گئی ہے، لیکن میں اتنی سی بات پر تم سے جھگڑا کروں۔ ہم دونوں انسان ہیں، جانور نہیں کہ معمولی سی بات پر ایک دوسرے کا خون بہانے پر تل جائیں۔"

"شاید تمہاری رگوں میں دوڑنے والا خون سرد ہو چکا ہے۔"

"خون جب سرد ہو جائے تو آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"آج میرے سر پر خون سوار ہے۔ میں کسی سے لڑنا چاہتا ہوں۔ لڑو گے مجھ سے۔" اس نے کہا۔

"نہیں بھائی۔ بھلا مجھے کیا ضرورت ہے لڑنے کی۔"

"لعنت ہے تم پر، میں نے اپنی زندگی میں تم سے زیادہ بزدل آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ اٹھتے ہو یا زبردستی تمہیں اس میز پر سے اٹھا دوں۔" اس نے بعد والا جملہ تیز آواز میں کہا۔ ساتھ ہی اس

نے انہیں گریبان سے پکڑ لیا اور پھر دونوں ہاتھوں سے زور لگا کر
انہیں کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے دائیں ہا
کا مکا ان کی ٹھوڑی پر لگا۔ گریبان اب تک اس کے ہاتھ
تھا۔ منور علی خان کا سر گھوم گیا۔ مکا بہت زور دار تھا۔

"بزدل، میں نے تو سنا تھا، تم کوئی شکاری ہو اور شیروں کا
شکار کرتے ہو۔" یہ الفاظ اس نے پھر دبی آواز میں کہے۔

"ہاں، لیکن میں انسان کا شکار نہیں کرتا۔" انہوں نے اب بھی
پرسکون آواز میں کہا۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی دوسرا مکا ان کے جبڑے پر پڑا۔
منور علی خان کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ وہ اس شخص سے
لڑنے کی پوری کوشش کر چکے تھے۔ آخر انہیں غصہ آ ہی گیا۔
ان کے دونوں ہاتھ حرکت میں آئے اور ناٹی کی گردن پر جیسے
چپک کر رہ گئے۔ ساتھ ہی وہ اپنے بازوؤں کی طاقت ہاتھوں
لے آئے اور پوری قوت سے اس کے گلے پر دباؤ ڈالنے لگے۔

ناٹی کو وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ اس کا گلا اس آسانی
پکڑ لیا جائے گا اور پھر اس کے لیے اپنے گلے کو چھڑانا ناممکن
جائے گا۔ اسے اپنا سانس گھٹتا محسوس ہوا۔ آنکھیں باہر کو ا
آئیں۔ اس نے اپنے ہاتھ اپنے شکار کی دونوں کلائیوں پر جما
اور انہیں گلے سے ہٹانے کی سر توڑ کوشش شروع کر دی، لیکن



اس کی طاقت کمزور پڑتی جا رہی تھی۔ اس کا سانس سینے میں
لگا تھا اور اسے یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے اس کا دم
کہ اب نکلا، لیکن اس سے پہلے کہ اس کا دم مسافر ہو،
علی خان نے ایک زور دار دھکا دے دیا اور وہ دھڑام سے فرش
اس کے ہاتھ اپنے گلے کو مسلنے لگے۔

سب کچھ صرف ایک منٹ کے اندر ہو گیا۔ ہال میں موجود
کی مانند اس منظر کو دیکھتے رہے تھے۔ ناٹی کے گرنے کے
اور ان سب کی نظریں منور علی خان پر جم گئیں۔ اسی وقت
نے قدموں کی آوازیں سنیں۔ انہوں نے دیکھا ہوٹل کا مالک
ناٹی کو شکست دینے والے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

# دوسرا حصہ

ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے

(اقبالؒ)



# روحوں کا قلعہ

"... نہیں جائے گا۔" روڈان نے ان کے نزدیک پہنچ کر کہا۔
"لیکن اگر یہ لوگوں کو اسی طرح ستاتا رہا تو ایک دن کوئی
... بھی مار ہی دے گا۔" منور علی خان پرسکون آواز میں بولے۔
وہ کرسی پر بیٹھ کر پھر کھانا کھانے میں مصروف ہو چکے تھے۔
"ہم خود اس کے ہاتھوں سے تنگ آئے ہوئے ہیں۔ میں
... کا مالک ہوں۔" روڈان نے ان کے سامنے کرسی پر بیٹھتے
... کہا۔ انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
"حیرت ہے، آپ کی موجودگی میں لوگ آپ کے گاہکوں کو
... کرتے ہیں۔"
"میں کر بھی کیا سکتا ہوں۔ اس شخص سے تو سبھی شریف
... ڈرتے ہیں۔" اس نے کہا۔
"تو آپ پولیس میں رپورٹ کریں نا۔" وہ منہ بنا کر بولے۔
"کئی بار کر چکا ہوں، لیکن پولیس والے میری باتوں کی بجائے

اس کی باتوں پر یقین کرتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"آپ شاید اس ریاست کے نہیں ہیں، ورنہ یہ با

کہتے۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، میں پڑوسی ملک کا باشندہ ہوں، لیکن میں آ

بات کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ہماری ریاست کی حکومت غنڈوں کی طرف داری کرتی ہے

شریف لوگوں کی نہیں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" منور علی خان دھک سے

گئے۔

اسی وقت انہوں نے دیکھا، وہ غنڈہ اٹھ کر کاؤنٹر کی

جا رہا تھا —

"اب یہ پولیس کو فون کرے گا — پولیس یہاں آئے گی

آپ کو گرفتار کر کے لے جائے گی۔" اس نے فکر مندانہ لہجے

کہا۔

"یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" منور علی خان نے اسے گھو

"بہت جلد آپ دیکھ لیں گے۔"

"خیر، میں دیکھ لوں گا، ہاں تو آپ کیا کہہ رہے تھے

"یہ باتیں تو بعد میں بھی ہوتی رہیں گی۔ پہلے تو آ



بچاؤ کی کوشش کرنی چاہیے — جوں ہی میں اٹھوں، آپ سیدھے

ے میں چلے جائیے۔ میں وہاں پہنچ کر آپ کو چھپنے کی

بتا دوں گا — اس کے بعد پولیس آپ تک نہیں پہنچ

گی۔"

"لیکن میں ایسا کیوں کروں۔ میں نے کیا جرم کیا ہے۔ اس

زبردستی مجھ سے لڑائی مول لی ہے۔ میں پولیس سے

چھپا پھروں۔ اس طرح تو میرا وطن جانا بھی مشکل ہو جائے گا۔

اب، میں یہیں بیٹھ کر پولیس کا انتظار کروں گا۔"

"جیسے آپ کی مرضی — میں نے تو آپ کو بچانے کا فیصلہ

" روڈان کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"شکریہ، ویسے آپ مجھے ریاست کے حالات بتا دیں تو

ہوں گا — ارے ہاں، کیا میں بھی ایک فون کر سکتا ہوں۔"

چونک کر کہا۔

"ہاں کیوں نہیں — آپ کہاں فون کرنا چاہتے ہیں؟"

"اپنے ملک، ایک دوست کی خیریت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"میرے خیال میں تو آپ کو اپنی خیریت کی فکر کرنی چاہیے۔"

کہا۔

"چھوڑیے، یہ بتائیے، میں فون کہاں سے کروں۔"

"کاؤنٹر سے — کلرک آپ کی مدد کرے گا، لیکن آپ کو کال

کے پیسے دینا ہوں گے۔"

"ضرور دوں گا۔" انہوں نے کہا اور اُٹھ کھڑے ہوئے
اس وقت تک فون کر کے کاؤنٹر سے ہٹ چکا تھا اور اب
کرسی پر بیٹھا تھا۔

منور علی خان ہوٹل کے مالک کی باتوں سے کسی قدر خو
ہو گئے تھے، لہٰذا انہوں نے انسپکٹر کامران مرزا کو فون کرنے کا
کیا تھا۔ کاؤنٹر پر پہنچ کر انہوں نے اپنے ملک کا نام بتایا
ایک کاغذ پر نمبر لکھ کر کلرک کو دیا۔

"میں ان نمبروں پر فون کرنا چاہتا ہوں۔"

"نو سو باسٹھ روپے ادا کریں۔" کلرک نے کہا۔

انہوں نے ہزار روپے گن کر اس کی طرف کھسکا دیے۔
نمبر ملانے لگا۔ پندرہ منٹ کی کوشش کے بعد سلسلہ مل گیا۔
کلرک نے ریسیور ان کے ہاتھ میں دے دیا۔

"لیجیے، بات کیجیے۔"

"ہیلو، کون صاحب، اوہ۔ کامران مرزا، یہ تم ہو۔
وقت ریاست بندا میں ہوں اور دارالحکومت کے ہوٹل شا
کمرہ نمبر ۲۱۲ میں ٹھہرا ہوا ہوں، خیال ہے کہ ....." یہ کہتے وقت
کی آواز اس حد تک مدھم ہو گئی کہ کلرک بھی نہ سن سکا۔
اس کی توجہ انھی کی طرف تھی اور وہ الفاظ ہی سننے کی کو



خان نے بھی یہ بات محسوس کر لی تھی؛ چنانچہ انہوں نے
درجے مدھم کر دی۔

"خیال ہے کہ جلد ہی میں کسی مشکل میں پھنسنے والا ہوں۔ اگر میں
فون نہ کر سکوں تو سمجھ لینا، مشکل میں پھنس چکا ہوں۔ ابھی
اور بھی کہتے کہ اسی وقت انہوں نے بھاری قدموں کی
مڑ کر دیکھا تو پولیس والے اندر داخل ہو رہے تھے۔

"اچھا خدا حافظ۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

اتنی دیر میں پولیس آفسر کو غنڈہ اشارے سے بتا چکا تھا کہ
شکار کون شخص ہے۔ ان کی طرف بڑھتے ہوئے پولیس افسر
کہا۔

"کیا بات ہے مسٹر ناٹی؟"

"اس نے ہوٹل میں غنڈہ گردی کی۔ مجھے مارا پیٹا۔ یہاں
کہ میرا گلا گھونٹا اور میں مرنے کے قریب ہو گیا۔"

"اوہو اچھا، اب اس شہر میں نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے۔
گردی اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ دن دہاڑے شریف لوگوں کو
جانے لگا ہے۔ نہایت افسوس ہوا یہ سن کر۔ چلو مسٹر، تمہیں
ساتھ تھانے چلنا ہے۔"

"یہ بھی ایک ہی رہی۔ آپ نے اس شخص کی بات پر یقین
کر لیا، میری بات تک نہیں سنی۔ ہوٹل میں موجود لوگوں سے واقعے

کی تصدیق تک نہیں کی۔" منور علی خان نے حیران ہو کر کہا۔

"ہم سبھی کچھ کریں گے۔ فکر نہ کرو۔ ناٹی اس شہر کا
باعزت شہری ہے۔ ان کی بات پر تو عدالت بھی یقین کرے گی"

"میں بھی اپنے ملک کا ایک مشہور اور باعزت شہری ہوں۔
آپ اس ہوٹل کے مالک سے واقعے کی تصدیق کیوں نہیں کر
وہ بھی تو یہیں موجود تھے۔"

"میں نے کہا نا، ہم سب کچھ کریں گے۔ تم ہمارے ساتھ
منور علی خان نے ایک نظر روڈان پر ڈالی، جیسے کہہ رہے
"کیا آپ آگے بڑھ کر واقعے کی گواہی نہیں دیں گے؟"
لیکن وہ تو اس حد تک لاتعلق ہو چکا تھا کہ ان کی طرف
دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ آخر انہیں پولیس کے ساتھ روانہ ہونا پڑا۔
سمجھ گئے تھے، اس ریاست میں اندھا قانون رائج ہے۔ یہاں
اور بدمعاشوں کی حکومت ہے اور غنڈے اور بدمعاش لوگ
باعزت شہری کہلاتے ہیں، جو حقیقت میں باعزت ہیں، انہیں
بدمعاش کہا جاتا ہے۔ یہ حالات خطرناک تھے، لیکن انہیں اطمینان
تھا کہ وہ انسپکٹر کامران مرزا کو فون کر چکے ہیں۔ وہ اس ریاست
میں ایک ماہ پہلے داخل ہوئے تھے۔ ان کے پاس تمام کاغذات
موجود تھے۔ یہاں آنے کے سلسلے میں انہیں اپنی حکومت کی سفارش
کا سہارا بھی لینا پڑا تھا۔ اگرچہ یہ دوست ریاست تھی۔ منور علی



ریاست کے جنگل میں شکار کھیلنے کا بہت عرصے سے جنون کی حد
تک شوق تھا۔ انہوں نے اس ریاست کے جنگل کے بارے میں بہت
سی باتیں سنی تھیں اور ان باتوں نے ان کے شوق کی آگ کو بہت
بھڑکا دیا تھا۔ یہ ایک ماہ انہوں نے زیادہ تر جنگل میں ہی گزارا
اب وہ کچھ دن آرام کرنے کی نیت سے شہر کی طرف آئے تھے۔
ریاست کا دارالحکومت تھا۔

انہیں جیپ میں بٹھا کر تھانے لایا گیا۔ اتنی رعایت ضرور کی گئی
ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑی نہیں پہنائی گئی تھیں۔

"تشریف رکھیے، آپ کا تعلق کون سے ملک سے ہے؟"
پولیس افسر نے کرسی کی طرف اشارا کرتے ہوئے کہا۔ اب اس کا
لہجہ یک لخت نرم اور شریفانہ ہو گیا۔ منور علی خان نے حیران ہو کر
اس کی طرف دیکھا۔

"میرے کاغذات دیکھ لیجیے، آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"
پھر انہوں نے کاغذات نکال کر دکھا دیے۔
پولیس افسر کاغذات پڑھتا رہا، پھر بولا:
"میں آپ کو گرفتار کرنے پر مجبور تھا جناب، ہمیں اپنی ملازمت
کا خیال کرنا پڑتا ہے۔"
"میں سمجھا نہیں، مجھے گرفتار نہ کر کے آپ کی ملازمت کو
کیا خطرہ تھا۔" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ کو شاید ہماری ریاست کے حالات معلوم نہیں — آپ
ہی کیا، ریاست سے باہر کی دنیا کو بھی معلوم نہیں۔ سب یہی
ہیں کہ پرامن حکومت قائم ہو چکی ہے اور لوگ خوش حال ز
گزار رہے ہیں، لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ دو سال پہلے
حکومت میں اور اس حکومت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔
صدر انتخابات کے ذریعے برسرِاقتدار آیا ہے، لیکن جس دن
وہ صدر بنا ہے، اس دن سے ہی شریف لوگوں کا جینا حرام ہو گیا ہے
حکومت صرف غنڈوں اور بدمعاشوں کی بات سنتی ہے اور ان
بات پر یقین کرتی ہے — غیر ملکیوں کی چیکنگ بہت سخت ہوتی
نگرانی کی جاتی ہے۔ آپ کی نگرانی بھی غیر محسوس طور پر کی جا
ہوگی، لیکن جب نگرانی کرنے والوں نے یہ دیکھا ہوگا کہ آپ
ایک سچے اور پکے شکاری ہیں اور یہ کہ آپ کو سیاست یا
ملک کے سیاسی یا معاشی حالات سے کوئی غرض نہیں تو انہو
نگرانی ختم کر دی ہوگی۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں آپ
سب باتیں کس لیے بتا رہا ہوں۔ اس کی بھی وجہ ہے؛ حالاں کہ
ایسی باتیں بتانے کی اجازت نہیں اور اگر افسرانِ بالا کو بھنک
پڑ جائے کہ ہم نے کسی اجنبی سے ایسی باتیں کی ہیں تو پھر ان
کا ریاست سے واپس جانا ناممکن ہو جاتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" منور علی خان چونکے۔



"مطلب یہ کہ باہر کی دنیا کو حالات سے صرف اسی صورت میں
بے خبر رکھا جا سکتا ہے، جب باہر سے کوئی نہ آئے اور آ ہی جائے
تو کوئی خبر لے کر نہ جانے پائے۔"

"پھر آپ نے مجھے ایسی باتیں کیوں بتائیں؟"

"جذبات کی رو میں بہہ کر — دراصل میں بھی ایک شریف
انسان ہوں اور غنڈوں کے درمیان میں خود کو بے بس اور مجبور پاتا
ہوں۔" اس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ قدموں کی آواز گونجی تھی۔
منور علی خان نے مڑ کر دیکھا تو روڈان اس بدمعاش کے ساتھ چلا آ
رہا تھا۔

"اوہو، آئیے جناب تشریف لائیے۔" پولیس افسر نے اٹھتے ہوئے
منور علی خان سے ہاتھ ملایا۔ اس کے بعد روڈان سے ملایا۔

"میں نے ناٹی صاحب کو منا لیا ہے جناب، آپ انہیں ضمانت
پر رہا کر دیں۔ مسٹر ناٹی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" روڈان نے بھیگی
بلی جیسے لہجے میں کہا۔

"کیوں ناٹی صاحب؟" پولیس افسر نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے، آپ اسے ضمانت پر رہا کر دیں۔ میری مسٹر روڈان
سے بات ہو گئی ہے۔" ناٹی نے کہا۔

"شکریہ جناب، میں ابھی فارغ کیے دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے منور علی خان سے تین چار کاغذات پر دستخط

کرائے اور پھر بولا:

"اب آپ جا سکتے ہیں۔"

"شکریہ جناب، کیا میں اپنے ملک بھی جا سکتا ہوں۔"

"ابھی چند دن تک تو آپ کو یہیں رہنا ہوگا۔ اگر آپ کے خلاف کوئی شکایت نہ ملی تو آپ کو اجازت دے دی جائے گی، لیکن اس سے پہلے ناٹی صاحب سے اجازت لی جائے گی۔"

"مسٹر آفیسر، تم نے اس شخص سے ریاست کے حالات کے بارے میں تو بات نہیں کی، اگر بات یہی ہے تو یہ میری طرف سے اسی وقت جا سکتے ہیں، لیکن اگر تم نے اسے کچھ بتایا ہے تو … کرنا ہوگا۔"

"ج جی، وہ جی نہیں — میں نے تو اسے کچھ بھی نہیں بتایا۔" پولیس افسر نے بوکھلا کر کہا۔

"آفیسر، تمہارا لہجہ چغلی کھا رہا ہے — معلوم ہوتا ہے، تم نے اسے بہت کچھ بتا دیا ہے۔"

"ن، نہیں۔" وہ ہکلایا۔

"سچ سچ بتاؤ آفیسر — ورنہ تمہارا انجام بھی بہت بھیانک ہوگا۔"

"مم نہیں — میں ....." وہ ہکلا کر رہ گیا۔ ناٹی نے اسے گھور کر دیکھا، پھر وہ روڈان کی طرف مڑا۔

"مسٹر روڈان تم انہیں لے کر ہوٹل چلو۔ میں علیحدگی میں پولیس افسر



… بات کرنا چاہتا ہوں۔ یہاں سے فارغ ہو کر میں ہوٹل میں آؤں گا، … دیکھو یہ فرار نہ ہونے پائے۔"

"آپ — آپ فکر نہ کریں جناب۔" روڈان جلدی سے بولا، پھر … خان کا ہاتھ پکڑ کر جلدی سے باہر کی طرف چل پڑا۔ باہر … ہی کار کھڑی تھی — اگلی سیٹ پر ڈرائیور بھی موجود تھا — … پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے، کار چل پڑی۔

"میں نے آپ سے کیا کہا تھا، لیکن آپ نے میری بات نہیں …" روڈان نے دبی آواز میں کہا، جیسے گفتگو ڈرائیور سے چھپانا … چاہتا ہو۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حالات یہ ہوں گے یہاں کے۔" … نے کہا۔

"اب میں آپ کے لیے کیا کروں — ہاں، ایک ہی ترکیب … ہے۔ آپ کو ایک محفوظ جگہ پر پہنچا دوں اور پھر کوئی مناسب … دیکھ کر یہاں سے فرار ہونے میں مدد دوں، ورنہ ناٹی تو اب … کو ملک سے باہر جانے نہیں دے گا۔"

"اوہ۔" انہوں نے پریشان ہو کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر روڈان ڈرائیور سے بولا:

"زنگی، کیا میں تجھ پر اعتماد کر سکتا ہوں؟"

"کیوں نہیں مسٹر روڈان۔" ڈرائیور نے با ادب ہو کر کہا۔

"تو پھر پرانے قلعے چلو، ہم انہیں وہاں ہی چھپا سکتے ہیں۔"

"لیکن آپ ناڈی کو کیا جواب دیں گے؟"

"یہ کہ آپ ایک موڑ پر کار کا دروازہ کھول کر اچانک کود گئے اور جب تک ہم کار روک کر نیچے اترے، آپ غائب ہو چکے تھے۔ ناڈی سارے شہر میں ہی نہیں، پوری ریاست میں آپ کو تلاش کرائے گا، لیکن وہ آپ کو تلاش کر نہیں سکے گا۔ جب معاملہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو میں انہیں یہاں سے فرار ہونے میں مدد دوں گا۔"

"لیکن آپ یہ نیکی میرے ساتھ کیوں کریں گے؟"

"اس لیے کہ میں موجودہ حکومت کے خلاف ہوں۔ میرا ... تک اس ریاست کے سیاسی حالات پہنچانا چاہتا ہوں۔"

"لیکن میں ایک غیر سیاسی آدمی ہوں، میں یہ کام نہیں ... سکتا۔"

"نہ کیجیے گا — پھر بھی میں آپ کو موجودہ حکومت کے ... سے نجات ضرور دلاؤں گا۔" اس نے کہا۔

منور علی خان خاموش ہو گئے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ ... تھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے — وہ کن حالات میں گھر گئے ہیں۔ ... پرانے قلعے کے آثار نظر آنے لگے۔

"یہ قلعہ اب بے آباد پڑا ہے — کوئی اس طرف کا رخ ...



... کیونکہ لوگوں کا خیال ہے، قلعے میں اب روحیں رہتی ہیں۔ دوسرے ... میں اسے اب روحوں کا قلعہ کہا جاتا ہے، لیکن اصل میں ... کوئی بات نہیں — ہم آپ کو قلعے کے ایک کمرے میں پہنچا ... گے — یہاں آپ بالکل محفوظ رہیں گے، پھر موقع پا کر ہم ... جائیں گے۔"

"اچھا، بہت بہت شکریہ۔"

وہ کار سے اتر کر قلعے میں داخل ہوئے اور پھر ایک دو ... کے اندرونی کمرے میں پہنچے — یہ ایک صاف ستھرا کمرہ تھا۔ ایسا ... ہوتا تھا جیسے برابر استعمال ہوتا رہا ہو۔

"یہ ہے آپ کا کمرہ، آپ دروازہ اندر سے بند کر لیجیے گا۔ ... ہم چلتے ہیں۔ کھانا میں آپ کو پہنچاتا رہوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ، میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں ... بھولوں گا۔"

"کوئی بات نہیں۔" روڈان نے کہا، پھر ڈرائیور کے ساتھ باہر ... گیا۔ منور علی خان ان کے جاتے قدموں کی آواز سنتے رہے، پھر ... جوں ہی آواز بند ہوئی، وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ دروازہ کھولا، ... دیکھ کر جان میں جان آئی کہ وہ دروازے کو باہر سے بند نہیں ... کر گئے تھے اور پھر انہوں نے فوری طور پر ایک فیصلہ کیا —

(۱۰)

فون سے فارغ ہو کر انسپکٹر کامران مرزا ان کی طرف مڑے ۔

" تمہارے ابا جان نے فون ریاست بندا سے کیا تھا۔ ایک

پہلے وہ اس ریاست کی طرف روانہ ہوئے تھے، لیکن ہمیں یہ

نہیں تھا کہ ابھی تک وہیں ہوں گے۔ یہ بات ان کے فون

ہی معلوم ہوئی — انہوں نے بتایا ہے کہ وہ اس ریاست کے

کے ہوٹل ژالید میں ٹھہرے ہوئے ہیں — ان کے کمرے کا نمبر

ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے کہا ہے کہ ان کا خیال ہے، وہ کسی

میں پھنسنے والے ہیں ؛ گویا ابھی پھنسے نہیں، لیکن اس کا امکان

اور یہ کہ اگر ان کا فون دوبارہ نہ ملے تو یہ سمجھ لیا جائے کہ

میں پھنس چکے ہیں ۔" یہاں تک بتا کر انسپکٹر کامران مرزا خاموش

ہو گئے۔

"عجیب فون ہے۔" آفتاب بڑبڑایا۔

" تو انہوں نے مشکل کی تفصیل نہیں بتائی ۔" آصف نے کہا۔

"نہیں، شاید انہیں موقع نہیں ملا، کیونکہ انہوں نے ایک دم

فون رکھ دیا تھا ۔" انہوں نے جواب دیا۔

" اس کا مطلب ہے، اب ہمیں ان کے فون کا انتظار کرنا



آصف نے بے چین ہو کر کہا۔

" نہیں، میں اس کے لیے ایک اور طریقہ بھی اختیار کر سکتا ہوں۔"

انہوں نے مسکرا کر کہا، پھر فون پر ایکسچینج کے نمبر گھمائے — انہیں

بتاتے ہوئے ریاست بندا کے ہوٹل ژالید سے سلسلہ ملانے

کی بات کی اور ریسیور رکھ دیا — تقریباً آدھ گھنٹے بعد ان کے فون

کی گھنٹی بجی — انہوں نے ریسیور اٹھایا — دوسری طرف سے آپریٹر نے کہا:

" لیجیے، ہوٹل ژالید سے بات کیجیے ۔"

" شکریہ ۔" انہوں نے کہا۔ اسی وقت ہوٹل ژالید سے کہا گیا:

" یہ ہوٹل ژالید ہے، فرمائیے ہم کیا خدمت کر سکتے ہیں ۔"

" ہم دو ایک روز میں یہاں پہنچنے والے ہیں۔ کیا ہوٹل میں

دو کمرے مل سکتے ہیں ۔"

" ایک منٹ جناب، رجسٹر چیک کر کے بتاتا ہوں۔" دوسری طرف

سے کہا گیا، پھر دو منٹ بعد آواز آئی۔

" کمرے آپ کو مل جائیں گے جناب، آپ کو یہاں پہنچنے کے

بعد ایک ہفتے کا کرایہ ادا کرنا ہو گا۔"

" کوئی بات نہیں، ہم کریں گے ۔" انہوں نے کہا۔

" دو کمروں کا کرایہ تقریباً ساڑھے آٹھ ہزار روپے بنے گا، ایک ہفتے

کا، آپ اپنے نام اور پتا نوٹ کرا دیں ۔" ادھر سے کہا گیا۔

" ضرور، کیوں نہیں ۔" یہ کہہ کر انہوں نے فرضی نام نوٹ کرا دیے،

پھر وہ بولے:

"اور آپ ہمارے کمروں کے نمبر بتا دیجیے۔"

"کمروں کے نمبر، ٹھہریے جناب، ایک منٹ۔" ایک بار ...
خاموشی چھا گئی۔ آخر پھر آواز آئی۔

"جناب کمرہ نمبر ۳۱۹ اور ۳۲۰۔"

"بہت بہت شکریہ۔ ایک بات اور، یہاں ہمارے ایک ...
بھی ان دنوں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ان کے کمرے کا نمبر دو ...
ہے۔ لگے ہاتھوں آپ ذرا ان سے بھی بات کرا دیں۔ ان ...
منور علی خان ہے۔"

"میں دیکھتا ہوں جناب۔" یہ کہہ کر ریسیور پر ہاتھ رکھ ...
پھر آواز آئی:

"وہ ابھی ابھی باہر گئے ہیں، کچھ کہہ کر نہیں گئے، کس ...
واپس آئیں گے۔"

"اچھا شکریہ۔ شاید ہم کل ہی پہنچ جائیں۔"

"ہم آپ کا استقبال کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔" ...
کہا گیا۔ انہوں نے شکریہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور ان کی طرف ...
"کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ اگر وہ ہمیں کمرہ نمبر ۲۱۲ اور کو ...
کمرہ دیتے تو میں یہ خیال کرتا کہ منور علی خان مشکل میں پھنس ...
تاہم ہم ان کے فون کا انتظار نہیں کریں گے، روانہ ہونے کی ...



... کر دینی چاہیے۔ ہمیں حلیے بھی تبدیل کرنا ہوں گے۔ ٹھہرو،
... یہ تو معلوم کر لوں کہ آج یا کل کوئی پرواز ریاست بندا
... ہے یا نہیں۔" یہ کہہ کر انہوں نے فضائی کمپنی کو فون کیا اور
... نے کے بعد ریسیور رکھ کر بولے:

"آج وہاں سے شام کے وقت پرواز آئے گی۔ کل صبح
... گی، لہٰذا ہم کل ہی روانہ ہو سکیں گے۔ خیر اتنا وقت تو تیاری
... لگ جائے گا۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور دفتر کے
... ت ہو گئے۔ انہوں نے سکول کا پروگرام کینسل کیا اور تیاری
... مصروف ہو گئے۔

شام کے پانچ بجے انسپکٹر کامران مرزا کی واپسی ہوئی۔ آتے ہی
...

"اب ہمیں حلیوں میں تبدیلی کرنا ہے اور یہ کام ہم چائے
... بعد کریں گے۔"

ابھی انہوں نے چائے شروع ہی کی تھی کہ دروازے کی گھنٹی بجی
... پہچانتے ہی وہ اچھل پڑے اور پھر دروازے کی طرف دوڑ پڑے۔

# پانچواں ساتھی

دروازہ کھولتے ہی ان کی نظریں منور علی خان پر پڑیں۔ ان
ہاتھ میں کوئی سامان نہیں تھا۔

"ابا جان!" فرحت نے چلا کر کہا اور دوڑ کر ان سے لپٹ
آفتاب اور آصف بھی انکل کہہ کر ان کی طرف جھپٹے۔

"ہائیں، یہ کیا، ہمیں تو فون کیا تھا کہ میں شاید مشکل
پھنسنے والا ہوں اور پہنچ گئے یہاں۔ یہ کیسی مشکل تھی بھئی؟"
کامران مرزا مسکرا کر بولے۔

"مشکل میں تو میں واقعی پھنس گیا تھا اور ابھی تک
محسوس کر رہا ہوں، جیسے میں کوئی خواب دیکھتا رہا ہوں۔"

"آؤ، اندر بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کریں گے۔ چلو بیگم
کھانا تیار کرو۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے؟"

"ارے مگر، یوسف بھائی نظر نہیں آ رہے؟"



"ابا جان ان دنوں کاروباری دورے پر ہیں۔" آصف نے جلدی
بتایا۔

"اور ابا جان، ہم تو ہوٹل ژالید اور جہاز پر سیٹیں بھی بک
ہیں، صبح ہمیں روانہ ہونا تھا۔ تاکہ آپ کو مشکل سے
سکیں۔"

"خدا کا شکر ہے، میں خود نکل آیا ہوں۔" وہ بولے۔

وہ اندر آ کر بیٹھ گئے۔ شہناز بیگم بھی منور علی خان کی مشکل
کے لیے بے چین تھیں، لیکن انہیں کھانا تیار کرنا تھا، اس لیے
کے ساتھ ڈرائنگ روم میں نہ بیٹھ سکیں۔ یہ کہتے ہوئے باورچی
میں مڑ گئیں:

"میں آپ کی کہانی بعد میں سن لوں گی۔"

"ہم سب کے لیے بہتر بھی یہی ہوگا۔" منور علی خان مسکرائے۔
کا اشارہ اس طرف تھا کہ اگر وہ بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئیں تو
کون تیار کرے گا۔ اس طرح سب بھوکے رہ جائیں گے۔

"ہاں، تو اب ہو جائے اس مشکل کا بیان، جس میں تم پھنس
اور پھر نکل بھی آئے۔"

"حالات حد درجے پُر اسرار پیش آئے۔ میں جنگل میں تقریباً
تین شیروں کے درمیان گھرا رہا۔ ان کی اور میری آنکھ مچولی
رہی اور آخر میں ان میں سے دو کو ہلاک کرنے میں کامیاب

پکڑ کر اٹھایا اور مکا میری ٹھوڑی پر دے مارا، پھر دوسرا مکا
پر دیا — اب میں کیا کرتا، وہ تو مجھے مار مار کر لہولہان کر دیتا۔
مجھے بھی اس کی گردن دبوچنا پڑی۔" انہوں نے کہا۔

"اور پھر ہوٹل کا مالک روڈان آپ کے پاس آیا۔ اس نے
مشورہ دیا کہ وہ اوپر آپ کو کہیں چھپا دے گا، لیکن آپ نے
ظور نہ کیا، پھر ناٹی کے فون پر پولیس آ گئی اور آپ کو لے
۔ اس کے بعد روڈان ناٹی کو لے کر تھانے پہنچا اور چھڑا لایا۔
روڈان آپ کو پرانے قلعے میں چھوڑ کر چلا گیا، یہ وعدہ کر کے
موقع پاتے ہی وہ آپ کو ملک سے فرار ہونے میں مدد دے
۔ یہی ہیں نا کل واقعات۔" آصف کہتا چلا گیا۔

"ہاں، بالکل یہی — کامران مرزا تم نے کیا اندازہ لگایا؟"

"ابھی تک کچھ بھی نہیں، کیونکہ میں وہاں موجود نہیں تھا —
عام طور پر چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگایا کرتا ہوں، پھر
بھی روڈان کسی چکر میں معلوم ہوتا ہے — پولیس افسر کا بیان بھی
ب وغریب ہے۔ اگر ریاست بنڈا کے حالات واقعی یہی ہیں، پھر
باہر سے اس ریاست میں جانے والے کسی بھی آدمی کی عزت محفوظ
یں — یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی ملی بھگت ہو۔" انہوں نے
ال ظاہر کیا۔

"خیر ہوگا کچھ — اب تو میں خیریت سے واپس آ چکا ہوں۔ اب



ہو گیا — نیسر اڑ کر چھپ گیا اور چھپ کر میرا تعاقب کرتا رہا، یہاں
تک کہ میں شہر میں پہنچ گیا — اس نے شہری حدود تک میرا تعا
گیا تھا، لیکن سامنے سے مجھ پر حملہ نہ کر سکا۔ میں نے بھی ا
موقع نہ دیا۔ اس دوران میں ایسے درختوں پر رات بسر کرتا ر
پر شیر کا چڑھنا ناممکن تھا — شہر پہنچ کر میں نے ہوٹل ژالید
قیام کیا —

اس کے بعد ہوٹل میں جو واقعات پیش آئے، وہ سب
پرانے قلعے میں پہنچنے تک کی داستان انہوں نے سنا دی ہے۔

"جوں ہی روڈان اور اس کا ڈرائیور قلعے سے نکلے، میں بھی
کھڑا ہوا اور شہر کی طرف دوڑ لگا دی، پھر جو پہلی ٹیکسی نظر آئی
میں بیٹھ کر ہوائی اڈے پہنچ گیا۔ اتفاق سے ادھر آنے والا
تیار تھا۔ مجھے اس میں سیٹ بھی مل گئی اور اس طرح میں یہا
تک پہنچ سکا — میرا سامان بھی ہوٹل میں ہی رہ گیا۔" یہاں تک
کر منور علی خان خاموش ہو گئے۔

"حالات واقعی عجیب وغریب ہیں — تو اس بدمعاش
ناٹی نے آپ سے جھگڑا خود مول لیا تھا۔" فرحت نے حیران ہو کر

"ہاں، میں نے ہر ممکن طریقے سے کوشش کی کہ وہ لڑائی
مول نہ لے — جب میں انتہائی نرم پڑا اور وہ مجھے کسی طرح
غصہ نہ دلا سکا تو پھر آخری حربہ اس نے یہ آزمایا کہ مجھے گر

اس واقعے کو بھول جانا چاہیے۔" منور علی خان بولے۔
"مشکل ہے۔" آصف بولا۔
"کیا مشکل ہے؟" منور علی خان چونکے۔
"یہی کہ ہم اس واقعے کو بھول جائیں۔" آصف مسکرا
"لیکن اب یاد رکھ کر ہوگا بھی کیا؟"
"الجھن کیسے رفع ہوگی؟" فرحت بولی۔
"انکل، بات دراصل یہ ہے۔ ان صاحبان کا ایک ا
ہے۔ آفتاب نے بُرا سا منہ بنا کر کہا:
"ان صاحبان ۔ گویا تم اس اصول پر کاربند نہیں
خان نے حیران ہو کر کہا۔
"جی نہیں، میں تو اس اصول سے کوسوں دور بھاگتا ہو
اس نے فوراً کہا۔
"کیا مطلب؟ اصول سے کوسوں دور کس طرح بھاگا جا
ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے اسے گھورا۔
"جی، وہ میرا مطلب ہے، محاورةً۔" اس نے معصومی صور
کر کہا اور منور علی خان نے قہقہہ لگایا، پھر بولے:
"اور تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ وہ اصول کیا ہے
"وہ اصول ہے، آ بیل مجھے مار۔" اس نے کہا اور وہ
لگے۔



"کچھ بھی ہو، ہم یہ جان کر رہیں گے کہ ریاست بندا میں آپ
ساتھ یہ سلوک کیوں کیا گیا۔ وہ لوگ چاہتے کیا تھے۔ ناٹی
آپ سے جھگڑا کیوں مول لیا۔ کیا روڈان واقعی مخلص تھا اور
فرار میں مدد دینا چاہتا تھا اور یہ کہ واقعی ریاست بندا
حالات بالکل ویسے ہی ہیں، جیسے پولیس افسر نے بتائے ہیں۔"
ان مرزا نے پرعزم لہجے میں کہا۔ آصف اور فرحت کے
یہ سن کر کھل اٹھے؛ البتہ آفتاب نے بُرا سا منہ بنایا۔
"دیکھا انکل، میں نے ٹھیک کہا تھا نا، ان کا اصول آ بیل
ہے۔" آفتاب بولا۔
"بات تو یہی نظر آتی ہے۔ بھئی، جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب
جا کر خود کو کیوں الجھایا جائے۔"
"الجھ تو ہم یہاں بھی رہے ہیں اور نہ جانے کب تک الجھتے
گے۔" فرحت بولی۔
"میں کہہ چکا ہوں، ہم صبح کی پرواز سے ریاست بندا ضرور
گے۔ آفتاب اور آپ نہیں جانا چاہتے تو نہ جائیں۔"
"کیا مطلب؟ تو کیا تم مجھے بھی ساتھ لے جانا چاہتے ہو؟"
ل خان نے حیران ہو کر کہا۔
"تمہارے بغیر وہاں کیا مزا آئے گا۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔
"خیر بھئی، اب میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ تمہارے ساتھ تو میں جہنم

میں بھی جانے کے لیے تیار ہوں۔"

"خدا نہ کرے انکل، جہنم میں جائیں آپ کے دشمن ۔
ہم تو مسلمان ہیں، کلمہ گو ہیں، پانچ وقت کے نمازی ہیں
کے حقوق بھی پورے پورے ادا کرتے ہیں۔ انشاءاللہ ہم تو
میں جائیں گے۔" آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"توبہ ہے، انہوں نے ایک بات محاورۃً کیا کہہ دی
ہی پڑ گئے۔" آصف جل کر بولا۔

"کیوں انکل، کیا میں آپ کے پیچھے پڑا ہوں۔" آفتاب

"نہیں تو، تم نے تو بہت اچھی بات کی ہے۔" منور علی
جواب دیا۔

"وقت کم ہے اور مجھے سب کے حلیے تبدیل کرنے ہیں
نہ میں اپنا کام شروع کر دوں۔"

"جب آپ ٹھان ہی چکے ہیں تو پھر بسم اللہ کیجیے۔"
بولا۔

"تو پھر پہلے تم ہی آؤ۔"

"لیکن انکل، ہمیں وہاں میک اپ میں جانے کی کیا
ہے، وہاں ہمیں کون پہچانے گا۔ ہاں ابا جان کا حلیہ تبدیل
کی ضرور ضرورت ہے۔" فرحت بولی۔

"نہیں بھئی، حلیوں کی تبدیلی بہت ضروری ہے۔



پہچانا جا سکتا ہے۔ ابھی مجھے تبدیل شدہ چہروں کی تصاویر اتار کر
پاسپورٹ آفس والوں کو بھی دینا ہیں۔ وہ بے چارے بھی آج رات
ڈیوٹی دیں گے، ہماری وجہ سے۔" انہوں نے کہا۔

اور پھر حلیوں کی تبدیلی کا عمل شروع ہوا۔ کھانے کے وقت
انسپکٹر کامران مرزا آفتاب اور آصف کے چہروں کی مرمت کر چکے
۔ کھانے کے بعد فرحت اور منور علی خان کی باری آئی اور پھر انہوں
اپنا میک اپ شروع کیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر تصاویر اتاری
۔ شاہد پہلے ہی تصاویر لینے آ چکا تھا۔ ریاست بندا کی حکومت
منظوری کا مسئلہ انسپکٹر کامران مرزا نے وزیرِ خارجہ کی مدد سے حل کر
تھا اور انہیں ریاست بندا کا اجازت نامہ صبح تک مل جانا تھا۔

دوسری صبح انہوں نے بیگم کامران مرزا کو خدا حافظ کہا۔ انہوں
ہلکا پھلکا سامان ساتھ لیا تھا۔ جہاز نے انہیں ٹھیک دو گھنٹے بعد
ریاست بندا کے ہوائی اڈے پر اتار دیا۔ ایک ٹیکسی میں لد کر وہ
ہوٹل ژالید کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے
کہ منور علی خان نے ہوٹل ژالید کو دوبارہ دیکھا، پھر وہ ٹیکسی سے
اتر کر دروازے کی طرف بڑھے۔ آفتاب، آصف اور فرحت کے
یہ دیکھ کر بن گئے کہ ان کے استقبال کے لیے یا سامان ہی
اٹھانے کے لیے کوئی بیرا باہر نہیں نکلا تھا۔ یوں تو ان کے پاس سامان
ہی کیا۔ ہلکے پھلکے سے سوٹ کیس اور بس۔

"ہم نے کمرہ نمبر ۳۱۹ اور ۳۲۰ بک کرا رکھے ہیں۔"

"اوہ ہاں جناب، آپ کے نام؟"

"خالد مرزا وغیرہ۔" انہوں نے کہا۔

کلرک نے رجسٹر دیکھا اور پھر بولا:

"ٹھیک ہے، آپ ایک ہفتے کا کرایہ ادا کر دیں۔ آٹھ ہ
سو۔" اس نے پانچوں کو باری باری دیکھتے ہوئے کہا۔

انہوں نے رقم ادا کی، کمروں کی چابیاں لیں اور لفٹ میں
ہو کر تیسری منزل پر پہنچے۔ کمرے دکھانے کے لیے ایک بی
کے ساتھ ضرور آیا تھا۔ کمروں کے سامنے پہنچا کر وہ واپس لو
دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئے۔ ابھی صبح کے دس بجے

اب ہم دوپہر کے کھانے کے لیے ہی ہال میں جا سکیں
انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"گویا اس وقت تک کے لیے ہمیں کوئی کام نہیں ہے۔"
آفتاب خوش ہو کر بولا۔

"کام تو یہاں کوئی اس وقت بھی نہیں ہو گا، بس ہم ا
کا جائزہ لیں گے اور یہ دیکھیں گے کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کی
ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا دبی آواز میں بولے۔

"ویسے اباجان، پولیس افسر کی ایک بات ضرور درست
ہو چکی ہے اور وہ یہ کہ ہوائی اڈے سے یہاں تک ہمارا تعا



ا ہے۔" آفتاب بولا۔

"اوہو اچھا۔" منور علی خان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں

"ہاں، میں نے اس سیاہ رنگ کی کار کو تعاقب میں دیکھا
لیکن تم سے ذکر اس لیے نہیں کیا کہ کہیں تم پریشان نہ
اب مجھے کیا معلوم تھا کہ تم بھی تعاقب کا اندازہ لگا
انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"اب ہم اتنے بھی کچے جاسوس نہیں ہیں۔" آفتاب بولا۔

"اس دن رات اپنی ....."

آصف کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت دروازے
ک ہوئی تھی۔ وہ خاموش ہو گئے۔ انسپکٹر کامران مرزا نے اُٹھ کر
ازہ کھولا تو ایک بیرا وہاں کھڑا تھا۔

"آپ کھانا یہاں کھائیں گے یا ہال میں؟"

"ہال میں۔" وہ بولے۔

"تو آپ کے لیے میز مخصوص کر دی جاتی۔"

"ہاں ضرور۔" انہوں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"کاؤنٹر سے اپنی میز کا نمبر معلوم کر لیجیے گا۔" یہ کہہ کر بیرا واپس
— دروازہ بند کرنے اور چٹخنی لگانے کے بعد ان کی طرف مڑتے
انہوں نے کہا:

"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے ان لوگوں کو ہم پر شک ہوگیا
وہ اس لیے منور علی کہ تم نے کاؤنٹر سے مجھے فون کیا تھا۔ اگرچہ
بہت مدھم رکھی تھی، لیکن غالباً کلرک نے یہ الفاظ سن لیے
اب یہ بیرا کمرے کے اندر کا جائزہ لینے کی نیت سے آیا تھا
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میرا اندازہ غلط ہو اور ایسی کوئی
ہو، وہ واقعی میز کے لیے ہی معلوم کرنے آیا ہو۔"

"خیر جو کچھ بھی ہے، جلد سامنے آ جائے گا۔" منور علی
بولے۔

"نہ جانے کیوں، مجھے ڈر محسوس ہو رہا ہے۔" فرحت

"اچھا ٹھہرو، میں باہر کا ایک چکر لگا آؤں۔ شاید
مجھے کوئی اندازہ ہو جائے۔ ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں
کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تو آپ تنہا جائیں گے؟"

"ہاں، فی الحال میرا تنہا جانا ہی مناسب ہے۔ میں
آؤں گا۔" انھوں نے کہا اور چٹخنی گرادی اور پھر باہر نکلتے
بولے:

"دروازہ اندر سے بند کر لو اور اب میرے آنے تک
نہ کھولنا۔ چاہے کوئی بھی اوپر آئے۔ کہہ دینا، آرام کر
اس وقت دروازہ نہیں کھول سکتے۔"



جی بہتر۔" آصف نے ڈرے ڈرے لہجے میں کہا۔
انہیں گئے ابھی صرف آدھ گھنٹا ہوا تھا کہ ایک بار پھر دروازے
ک ہوئی۔ وہ چونک اٹھے، پھر منور علی خان نے دروازہ
بغیر پوچھا۔
کیا بات ہے، ہمیں کیوں پریشان کیا جا رہا ہے؟" انھوں نے
بلند آواز میں کہے۔
وازہ کھولیے۔" باہر سے کہا گیا۔
ہم اس وقت آرام کر رہے ہیں۔ سفر کے تھکے ماندے
دوپہر کے کھانے تک آرام کرنا چاہتے ہیں۔ مہربانی فرما کر آپ
ہی ہیں، کھانے کے وقت مل لیجیے گا۔"
دروازے پر پولیس موجود ہے۔ وہ آپ کے سامان کی تلاشی لینا
ہے۔ اس ریاست میں باہر سے آنے والوں کے سامان کی
لی جاتی ہے۔ آپ نے اگر دروازہ نہ کھولا تو زبردستی
جائے گا، اس صورت میں بھی تو آپ کو تلاشی دینا پڑے
ہوٹل کا جو نقصان دروازہ کھولنے کے سلسلے میں ہوگا، وہ
کو ادا کرنا ہوگا۔" باہر سے غصیلے انداز میں کہا گیا۔
منور علی خان نے پریشان ہو کر ان تینوں کی طرف دیکھا اور
پوچھا:
اب کیا کریں؟"

"کھول دیں دروازہ، دیکھا جائے گا۔ ان حالات میں ہم کر
کیا سکتے ہیں۔ ابا جان کو بھی ضرور ہی جانا تھا۔" آفتاب نے بھنا
ہوئے لہجے میں سرگوشی کی — اور انہوں نے چٹخنی گرادی —
واقعی پولیس موجود تھی۔ وہ دھڑ دھڑاتے ہوئے اندر داخل ہو
ان میں سب سے آگے ایک پولیس افسر تھا — منور علی خان
دیکھا، یہ وہی آفیسر تھا جو انہیں گرفتار کر کے تھانے لے گیا تھا

"دروازہ کھولنے میں اتنی دیر کیوں لگائی؟"

"ہم بتا چکے ہیں، آرام کر رہے تھے۔" منور علی خان
بنا کر کہا۔

"لیکن بستروں پر تو کوئی ایک شکن بھی نہیں۔" آفیسر
گھورا۔

"ہم کرسیوں میں آرام کر رہے تھے — یہ کوئی قابل اعتراض
نہیں۔"

"جب آپ کو بتایا گیا کہ باہر پولیس موجود ہے، اس صو
تو آپ کو فوراً دروازہ کھول دینا چاہیے تھا — میرا خیال ہے، آ
کوئی چیز چھپا رہے تھے۔"

"یہ سراسر الزام ہے۔" منور علی خان بولے۔

"آپ کی آواز کچھ جانی پہچانی سی لگتی ہے۔" آفیسر
گھورا اور منور علی خان کا دل زور سے دھڑکا — انہوں نے آ



کوشش نہیں کی تھی — یوں بھی انہیں یہ فن نہیں آتا تھا —
انہوں نے فوراً ہی سنبھل کر کہا —

"میری آواز — تو کیا ہوا — آوازیں ملتی جلتی بھی ہوتی ہیں۔"

"اچھا خیر، اپنا سامان دکھائیے۔"

"یہ تین سوٹ کیس دیکھ رہے ہیں آپ۔ ان کے علاوہ ہمارا
سامان نہیں ہے۔" انہوں نے کہا۔

"چلیے، یہ تین سوٹ کیس ہی دکھا دیں۔"

انہوں نے تینوں سوٹ کیس کھول کر ان کے سامنے رکھ دیے۔
انہوں نے ایک ایک چیز باہر نکال ڈالی — ہر چیز کو الٹ پلٹ
دیکھا، لیکن سامان انسپکٹر کامران مرزا لائے تھے، پھر یہ کس طرح
تھا کہ پولیس افسر کوئی غلط چیز نکالنے میں کامیاب ہو جائے،
مایوس ہو کر آفیسر نے کہا:

"آپ کا پانچواں ساتھی کہاں گیا ہے؟"

"گھومنے پھرنے، انہیں نچلا بیٹھنے کی عادت نہیں۔ ہم دراصل
رات کی سیر کے لیے آئے ہیں۔"

"ہوں، اب ہم آپ لوگوں کی بھی تلاشی لیں گے۔"

"یعنی جامہ تلاشی۔" آفتاب نے کہا۔

"ہاں۔" اس نے کہا اور اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔

"آخر آپ لوگ کیا چیز تلاش کر رہے ہیں۔ ہم تو پہلے ہی

ہوائی اڈے پر تلاشی دے کر آئے ہیں۔" منور علی خان نے بے چین

ہو کر کہا۔

"ہوائی اڈے سے کچھ لوگ غلط چیزیں چھپا کر لانے میں کا

ہو جاتے ہیں اور اس کامیابی کی خوشی میں وہ احتیاط کا

نظر انداز کر دیتے ہیں۔" اس نے کہا۔

ان کے کپڑوں کی جامہ تلاشی لی گئی، لیکن کچھ نہ نکلا۔

"ٹھیک ہے، ہم آپ کے پانچویں ساتھی کا انتظار کریں

پولیس افسر نے کہا۔

"آپ کا مطلب ہے یہیں بیٹھ کر۔" آفتاب نے منہ

"ہاں، ہال میں ہم نے اگر ان کی تلاشی لی تو یہ خود

حق میں بہتر نہیں ہوگا۔"

"شاید ہم کسی غلط ریاست میں سیر و تفریح کے لیے آ گ

ہم نے کسی اور ملک میں مہمانوں کا استقبال اس طرح ہوتے

دیکھا۔" منور علی خان نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہ جانے آپ کی آواز مجھے بار بار کیوں چونکا

تو آپ اور ملکوں میں بھی جا چکے ہیں۔"

"ہم نہ جانے کتنے ملک دیکھ چکے ہیں۔" آفتاب

لہجے میں کہا۔ اگرچہ یہ فخر مصنوعی تھا۔ انہیں تو کسی ا

کرنے کی عادت ہی نہیں تھی۔



"بہت خوب، آپ لوگ یہاں کتنا عرصہ ٹھہریں گے؟"

"اگر حالات یہی رہے، جو اس وقت ہیں، یعنی تلاشی اور نگرانی

جاری رہا تو ہم شاید ایک ہفتہ بھی نہ گزار سکیں۔" آصف

نگرانی، کیا مطلب؟" پولیس افسر چونک اٹھا اور آصف کو

شدید احساس ہوا۔ روانی کے عالم میں اس کے منہ

کے ساتھ نگرانی کا لفظ بھی نکل گیا تھا، پھر اس نے فوراً

نگرانی ہی تو ہو رہی ہے ہماری۔" اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے۔

اسی وقت قدموں کی آواز گونجی، پھر انسپکٹر کامران مرزا اندر

آئے۔ ان کے چہرے پر فکرمندی کے آثار تھے۔ کمرے

ان کو دیکھ کر یہ آثار اور گہرے ہو گئے۔

"آپ لوگ کس سلسلے میں یہاں تشریف فرما ہیں؟"

آپ ہی کا انتظار کر رہے تھے۔ آپ کی تلاشی لینا ہے

کیوں؟" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

ریاست میں آنے والے ہر شخص کو تلاشی دینا پڑتی ہے۔

کا قانون ہے۔"

ہے، تلاشی لے لیں۔" انہوں نے کندھے اچکائے۔

ان کی بھی تلاشی لی گئی — لیکن کوئی قابل اعتراض چیز
نکلی —

"ٹھیک ہے، ہم اپنا اطمینان کر چکے ہیں۔ آؤ بھئی چلیں"
پولیس افسر اپنے ساتھیوں سے بولا۔

ان کے جانے کے بعد چند منٹ تک خاموشی رہی
بھی کھلا رہا — پھر انسپکٹر کامران مرزا نے دروازہ بند کرنے
دبی آواز میں کہا۔

"میں نے ٹیکسی میں شہر کا ایک چکر لگایا تھا۔ ایک سا
کی کار برابر میرے تعاقب میں رہی — میں حیران ہوں
لوگ باہر سے آنے والوں سے اتنے خوف زدہ کیوں رہتے ہیں

"تب پھر پولیس افسر کی بات ہی ٹھیک ہو سکتی ہے
حکومت غنڈوں کی حمایت کرتی ہے اور شریف آدمیوں کو گرفتار
ہے؛ گویا یہاں غنڈہ راج قائم ہے — لیکن غنڈہ حکومت
چاہتی کہ اس کی حکومت کے بارے میں بیرونی دنیا میں
چلے۔"

"لیکن کب تک، ایک نہ ایک دن اس حکومت کا
پھوٹ جائے گا۔ دنیا میں اس حکومت کے خلاف آواز
ہوگی اور پھر اس ریاست کے عوام ہی اس حکومت کا تختہ
دیں گے۔" منور علی خان نے پرجوش انداز میں کہا۔



"ایسا ہونے میں سالوں لگ سکتے ہیں، جب کہ ہم آج
ان عجیب حالات کا شکار ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"ہماری تلاشی ہو چکی ہے۔ تعاقب بھی کیا جا چکا ہے۔
ان لوگوں کو ہم پر کوئی شبہ نہیں رہا ہوگا، لہذا آئیے
دوپہر کے کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔" آصف بولا۔

"ہاں ضرور، ہمیں یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ ہال میں ہمارے ساتھ
کیا ہوتا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور لفٹ کے ذریعے نیچے آئے۔ کاؤنٹر
نمبر معلوم کیا۔ انہیں میز نمبر ۳۹ دی گئی تھی۔ وہ اس پر
یہ پانچ کرسیوں والی میز تھی — اسی وقت اندرونی کمرے
ایک شخص نکل کر کاؤنٹر کی طرف آتا نظر آیا۔

"یہ روڈان ہے۔" منور علی خان بڑبڑائے۔

ان کی نظریں روڈان پر جم گئیں — روڈان کاؤنٹر کے پاس
ایک اونچے سٹول پر بیٹھ گیا اور پورے ہال پر نظریں دوڑانے
ان کے عملے کے سبھی افراد اپنے اپنے کام میں پوری طرح
تھے۔ سازندے ہر چیز سے بے خبر ساز بجا رہے تھے۔ بیرے
اپنی میز کی طرف متوجہ تھے۔ ایسے میں بہت سے لوگوں کی
بیرونی دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ ساتھ ہی انہوں نے
علی خان کی سرگوشی سنی۔

"اوہو، ناٹی آج پھر اندر داخل ہو رہا ہے"

ان کی نظریں بیرونی دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ انہوں نے ایک لمبے تڑنگے بدمعاش صورت آدمی کو فخریہ انداز میں قدم اٹھا[illegible] دیکھا۔ لمحہ بہ لمحہ وہ ہال کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے چہرے [illegible] ایک خونخوار مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔



# قلعے کی طرف سفر

سنبھل کر بیٹھ گئے۔ ابھی تک یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ [illegible] کا رخ کس میز کی طرف ہے۔ انسپکٹر کامران مرزا بغور اس کی [illegible] دیکھ رہے تھے۔ اچانک ان کے چہرے پر حیرت کے آثار پل [illegible] لیے نمودار ہوئے اور پھر غائب ہو گئے۔ اس کے فوراً بعد [illegible] نے ناٹی کو ایک میز کی طرف بڑھتے دیکھا۔ اس میز پر صرف [illegible] آدمی بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ یہ شخص بھی ان کے ملک کا دکھائی [illegible] تھا۔

"اے مسٹر، اس میز پر مجھے بیٹھنا ہے۔ تم کسی اور میز پر [illegible] جاؤ۔"

"میرا خیال ہے، کام شروع ہونے لگا ہے۔" منور علی خان [illegible]۔

"کیوں، کیا یہ میز آپ نے مخصوص کرا رکھی ہے؟" اس آدمی [illegible]۔

"نہیں، لیکن میں اس ہوٹل کی کسی بھی میز پر بیٹھ سکتا
مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ تم شاید اس ملک کے نہیں، ور
سوال نہ کرتے۔ اب اٹھتے نظر آؤ، ورنہ میں زبردستی بھی
دیا کرتا ہوں۔"

"میں تو نہیں اٹھوں گا۔" اس نے کہا۔

"اچھا یہ بات ہے، تو پھر لو۔" ناٹی نے کہا اور اسے
سے پکڑ کر اوپر اٹھا دیا، پھر اس پر مکّوں کی بارش کر دی
شخص نے بھی تابڑ توڑ مکے ناٹی کو رسید کیے، لیکن اس
جیسے اس کے کسی مکے کا اثر ہی نہیں ہوا اور پھر وہ
پڑا۔

"کہہ رہا تھا، میں نہیں اٹھوں گا۔"

یہ کہہ کر ناٹی کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا اور فون کرنے

"حیرت ہے، کیا ایسا کھیل یہاں روز ہوتا ہے۔" انسپکٹر
کے منہ سے نکلا۔

"اگر روز ہوتا ہے تو لوگ اس ہوٹل میں آتے ہی کیوں
آفتاب نے سوال کیا۔

"اس لیے کہ مقامی لوگوں کو کچھ نہیں کہا جاتا۔ ناٹی
سے آنے والوں کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے اور مقامی لوگ
تماشے کو دیکھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ شاید اسی لیے



ہے۔ یہاں کے ریٹ بھی سب سے زیادہ ہوں گے۔ اس کے
لوگ یہاں آتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ لوگوں کا رش کھینچنے کے لیے
جاتا ہے۔" فرحت نے حیرت بھری آواز منہ سے نکالی۔

"نہیں، یہ ساری کارروائی صرف اتنی سی بات کے لیے تو نہیں
ضرور کوئی اور وجہ ہے! فی الحال تو میں ایک اندازہ لگا
انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ ناٹی نے اندر داخل ہونے کے بعد اس میز کا رخ کرنے
روڈان کی طرف دیکھا تھا اور روڈان نے انگلیوں سے اسے
اسے کون سی میز کی طرف بڑھنا ہے۔"

"نہیں۔" منور علی خان کے منہ سے خوف زدہ انداز میں نکلا۔

"ہاں، یہی بات ہے۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دو
تھیں، گویا بیس نمبر بتایا تھا اور میں دیکھ رہا ہوں کہ جس شخص
ابھی مرمت ہوئی ہے، وہ میز نمبر بیس پر بیٹھا تھا۔"

"اف خدا، یہ کیا چکر ہے۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے یہ روڈان، ناٹی اور پولیس افسر کی
بھگت ہے۔ یہ ضرور کوئی چکر چلا رہے ہیں۔" انہوں نے
ظاہر کیا۔

"اگر بات یہ ہے تو لوگ احتجاج کیوں نہیں کرتے۔ مقامی لوگ
تو اس چیز کو بھانپ بھی چکے ہوں گے۔" فرحت بولی۔
"مقامی لوگ اگر اعتراض کریں گے تو پولیس انہیں بھی پکڑ لے
جائے گی۔ میرا خیال ہے، پولیس افسر نے ریاست کے جو حالات
بتائے ہیں۔ حالات اس سے کسی طرح بھی کم نہیں ہیں۔"
"ہوں، چلو خدا کا شکر ہے، اس مرتبہ انہوں نے ہماری طرف
توجہ نہیں دی۔"
"شاید اس لیے کہ ہم ایک سے زائد ہیں اور یہ لوگ
ایسے آدمی کو شکار بناتے ہیں، جو بالکل اکیلا ہو۔" آفتاب نے
ظاہر کیا۔
"ہاں، تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ اسی لیے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے
میں اکیلا میز پر آ کر بیٹھوں گا۔ وہ بھی وقت سے کافی پہلے۔ تم لوگ
گھومنے پھرنے کے بہانے اس سے بھی پہلے ہوٹل سے نکل جانا
اور پھر کھانے کے وقت سے کچھ پہلے ہوٹل کے آس پاس پہنچ جانا
یا پھر کسی ایسی جگہ کھڑے ہو جانا۔ جہاں سے تم اندر کا منظر دیکھ سکو
دیواریں شیشے کی ہیں، لہٰذا تم آسانی سے اندر کا منظر دیکھ سکو گے۔"
"لیکن یہ تجربہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ابھی اس شخص کو
شاید پولیس سٹیشن لے جایا جائے گا، ہم دیکھ ہی سکتے ہیں کہ اس کے
ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔"



"ہم یہ تجربہ بھی کریں گے اور یہ بھی دیکھیں گے کہ اس شخص کا
کیا بنتا ہے۔"
ابھی ان کے الفاظ ختم ہوئے ہی تھے کہ وہی پولیس افسر
جس نے منور علی خان کو گرفتار کیا تھا اور جس نے کچھ دیر پہلے ان
کی تلاشی لی تھی، چند کانسٹیبلوں کے ساتھ اندر آتا نظر آیا۔
اس نے ہاتھ اٹھا کر اشارا کرتے ہوئے کہا:
"اس شخص نے ہوٹل کے ہال میں غنڈہ گردی کرنے کی کوشش
کی ہے، لہٰذا مجھے اسے روکنے کے لیے حرکت میں آنا پڑا۔ ایسا نہ
کیا جائے تو پھر ریاست کا امن چین لٹ جائے۔ آپ کا کیا خیال
ہے انسپکٹر صاحب۔"
"آپ بالکل ٹھیک فرماتے ہیں مسٹر ناٹی، میں اس شخص کا مزاج
درست کر دوں گا۔"
اس وقت تک وہ آدمی بھی ہوش میں آ چکا تھا اور بری طرح
کراہ رہا تھا۔ ان کی باتیں سن کر اس نے چلا کر کہا۔
"یہ جھوٹ ہے، میں نے غنڈہ گردی نہیں کی۔ غنڈہ گردی اس
نے کی ہے۔ ہال میں موجود تمام لوگ اس بات کی گواہی دیں گے۔"
"یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے کہ ہال میں موجود سب لوگ اس
کی گواہی دیں گے۔ اس صورت میں آپ کو پولیس سٹیشن تک نہیں
جانا پڑے گا۔ مجھے امید ہے، اس صورت میں مسٹر ناٹی کو اپنی گرفتاری

دینے میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"بالکل نہیں ہوگا۔"

"کیوں جناب، آپ سب نے دیکھا تھا نا، زیادتی کس نے کی تھی۔" اس شخص نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

چند چہروں پر طنز بھری مسکراہٹیں رینگ گئیں۔ کئی لوگ ہنس دیے۔ کچھ نے اپنے چہرے جھکا لیے۔ شاید وہ افسوس محسوس کر رہے تھے، لیکن سچ کا اظہار کرنے سے بھی ڈرتے تھے۔ کوئی اس شخص کی طرف سے گواہی دینے کے لیے نہ اٹھا۔ اچانک آفتاب کو نہ جانے کیا سوجھی، اٹھ کر کھڑا ہوا اور بلند آواز میں بولا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ ان صاحب کا کوئی قصور نہیں، وہ میز پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ یہ حضرت آئے اور انہیں میز سے اٹھانے کی کوشش کی، پھر انہیں مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔"

ہال میں سناٹا طاری ہوگیا۔ شاید اس ہوٹل میں ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ کسی نے ناٹے کے خلاف گواہی دی تھی۔ سب کی نظریں آفتاب پر جم گئیں۔ آصف، فرحت اور منور علی خان اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن پھر انہوں نے دیکھا کہ انسپکٹر کامران مرزا مسکرا رہے ہیں، گویا انہیں آفتاب کا اقدام پسند آیا تھا۔

"تمہاری گواہی کی کیا اہمیت ہے، جب کہ اتنے بہت سے



ہوئے بیٹھے ہیں۔ کیا انہوں نے کچھ بھی نہیں دیکھا تھا؟" آفیسر غرایا۔

"آصف، اٹھو اور تم بھی گواہی دو۔" آفتاب نے بھنا کر کہا۔

آصف فوراً اٹھا اور بولا:

"میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ ان صاحب کا کوئی قصور نہیں، [illegible] ناٹے کی ہے۔"

"بھی یا کوئی اور بھی گواہی دینا پسند کرے گا؟"

"فرحت، تم بھی اٹھ کر گواہی دو۔ منور علی خان آپ بھی گواہی میں نہیں دوں گا، تاکہ دیکھ سکوں، یہ چکر کیا ہے۔" انسپکٹر کامران آواز میں بولے۔

"جی بہتر۔" فرحت نے کہا اور اٹھ کر گواہی دی۔ اس کے ہوتے ہی منور علی خان بھی اٹھے اور وہی الفاظ دہرائے۔

"بہت خوب، یہ تو چار گواہیاں ہوگئیں۔ کیا تم لوگوں کا پانچواں گواہی نہیں دے گا۔"

"میں کیوں دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑاؤں۔" انسپکٹر کامران جھلا کر بولے۔

"ٹھیک ہے، چاروں گواہ بھی اس شخص کے ساتھ تھانے چلیں بیانات وہیں قلم بند ہوں گے۔"

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" آفتاب جلدی سے بولا۔

اور پھر انہیں باہر لے جا کر جیپ میں بٹھایا گیا۔ انسپکٹر کامران مرزا

وہیں بیٹھے رہ گئے۔ پھر روڈان اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔
کامران مرزا نے چند منٹ بعد ناٹی کو اٹھ کر باہر جاتے دیکھا۔ اس کے
اٹھتے ہی انہوں نے اپنی میز کے بیرے کو اشارے سے بلایا اور
بولے:

"پولیس والے میرے ساتھیوں کو پریشان تو نہیں کریں گے؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں جناب؟" اس نے کندھے اچکائے۔

"اچھا، یہ لو بل کی رقم - زائد تم رکھ لینا - میں بھی ان کے
پیچھے جاتا ہوں" - یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے - باہر نکل کر
بائیں دیکھا، تو ناٹی کو بائیں طرف ہوٹل کی دیوار کے ساتھ ساتھ
دیکھا۔ انہوں نے کافی فاصلہ رکھ کر اس کا تعاقب شروع کر دیا۔
یہاں تک کہ ناٹی ہوٹل کے پچھلے دروازے تک پہنچ گیا اور
انہوں نے اسے ہوٹل میں داخل ہوتے دیکھا - اب تو ان کی
کی کوئی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ، اس کے
اندر داخل ہو گئے، لیکن پھر پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر دیکھنے
لگے۔ ناٹی اب کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا - کوئی اور شخص بھی
نہیں آیا - ابھی وہ سوچ ہی رہے تھے کہ کیا کریں - ایک
کھلنے کی آواز آئی اور روڈان اور ناٹی باہر نکلتے نظر آئے - ان
کے لیے چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی، لہٰذا وہ سرسری انداز میں آگے
بڑھنے لگے۔ روڈان اور ناٹی نے انہیں دیکھ لیا۔ دونوں کے چہرے



... کی بجلی چمکی۔

"ہیلو مسٹر، آپ کہاں گھوم رہے ہیں؟"

"میں ....." انہوں نے کہا، ایک لمحے کے لیے رک گئے، پھر
بولے: "مسٹر ناٹی سے درخواست کرنا چاہتا تھا کہ میرے ساتھیوں
کے خلاف گواہی دے کر بہت غلطی کی ہے - مہربانی فرما کر
... کچھ کریں۔"

"چلو بھاگو یہاں سے - اپنے کمرے میں جا کر بیٹھ جاؤ، تمہارے
... پہنچ جائیں گے۔" ناٹی نے بدتمیزی کا اعلیٰ مظاہرہ کیا۔

"دیکھیے جناب، اس لہجے میں تو بات نہ کیجیے - آخر ہم آپ کے
... مہمان ہیں۔"

"ارے، تم جاتے ہو یا دوں ایک ہاتھ" یہ کہتے ہوئے اس
... ایک ہاتھ گھما دیا - انسپکٹر کامران مرزا ڈرے ڈرے انداز
میں ہٹ گئے اور بوکھلا کر بولے:

"ارے ارے، یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟"

پھر ناٹی یک دم طیش میں آ گیا تھا، کیونکہ اس کا ہاتھ ہوا میں
... گیا تھا۔ تلملا کر ان کے نزدیک پہنچا اور دونوں ہاتھ ان کے
... مارے۔

"... مر گیا" - یہ کہتے ہوئے انسپکٹر کامران مرزا بلا کی پھرتی سے
... اور پھر فرش پر لڑھک گئے - انداز ایسا تھا جیسے خوف

کی زیادتی نے ان کا بُرا حال کر دیا ہو۔ ناٹی نے انہیں گھورا، روڈا
نے بھی حیران ہو کر دیکھا، پھر ناٹی نے چیخ کر کہا:

"اب میں تمہاری ہڈی پسلی ایک کر کے رہوں گا۔"

یہ کہہ کر ان کی طرف جھکا اور چاہا کہ انہیں گریبان سے
کر اٹھالے، لیکن وہ لڑھکنیاں کھا گئے اور کانپ کر بولے:

"معاف کر دیجیے، غلطی ہو گئی۔"

ناٹی بہت تیزی سے جھکا تھا۔ اس کے ہاتھ ان کی
فرش سے ٹکرائے۔ اس کے ناخنوں پر زبردست چوٹ آئی
اس کا غصہ آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔

"میں، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"خدایا رحم، میں کس مصیبت میں پھنس گیا۔ آیا تھا اپنے
کی سفارش کرانے۔" انہوں نے تھر تھر کانپتی آواز منہ سے نکالی
میں ناٹی ان کے اوپر چھلانگ لگا چکا تھا۔ وہ کچھ اس طرح
کر پیچھے ہٹے کہ اپنی ایک ٹانگ بھی ناٹی کی ٹانگ میں اڑا
پھر کیا تھا، ناٹی منہ کے بل دھڑام سے گرا۔

"ارے باپ رے، یہ کیا ہوا آپ کو، اٹھیے۔" انسپکٹر
اسے اٹھانے کے بہانے اس پر جھکے اور اس کے دو
پکڑ کر اوپر کی طرف جھٹکا دیا۔ انداز ایسا تھا جیسے وہ اسے
میں مدد دے رہے ہوں، لیکن جو ہوا، اسے ناٹی ہی محسوس کر



ان کے فرشتے بھی نہیں جان سکتے تھے۔ ناٹی کو یوں محسوس ہوا
اس کے دونوں بازو کندھوں کے پاس سے الگ ہو گئے ہوں۔
لے انہیں حرکت دینے کی کوشش کی، لیکن ممکن نہ ہوا۔ انسپکٹر
ان مرزا اسے چھوڑ کر الگ ہٹ گئے اور روڈان کی طرف دیکھتے
بے بسی سے بولے۔

یہ تو بہت وزنی ہیں جناب، مجھ سے تو اٹھ نہیں رہے۔
مدد کریں۔"

روڈان کا مارے حیرت کے بُرا حال تھا۔ وہ ناٹی پر جھکا۔

"مسٹر ناٹی، آپ کو کیا ہو گیا ہے۔" یہ جملہ اس نے اس لیے
ناٹی کے چہرے پر شدید ترین تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔

م۔ میں۔ میں مرا۔"

"ارے باپ رے۔ اگر آپ مر گئے تو مجھ پر تو یہ صاحب قتل
لگا دیں گے۔ خدا کے لیے ایسا نہ کیجیے گا۔" انہوں نے
کی۔

اس وقت اگر آفتاب، آصف اور فرحت یہاں موجود ہوتے تو
پر ضرور قہقہے لگاتے، لیکن وہ تو اس وقت تھانے میں

شاید گرتے وقت آپ کے گھٹنوں میں چوٹ آ گئی ہے۔
گھٹنے مل دوں۔" یہ کہہ کر وہ اس کے گھٹنوں پر جھکے،

ناٹی نے بوکھلا کر کہا۔

"نہیں، نہیں - روڈان، اسے میرے پاس سے ہٹا دیجیے۔ یہ کا
پکا چارسوبیس ہے۔"

"یعنی، مجھے پکا چارسوبیس کہہ رہے ہیں — آپ نے بھلا
میں کوئی چارسوبیسی دیکھی۔ اگر آپ مجھے ہٹانا ہی چاہتے ہیں تو
دیجیے، میں یہاں سے چلا ہی جاتا ہوں، لیکن مہربانی فرما کر میر
ساتھیوں کو....!"

"بھاگ جاؤ۔" ناٹی چلایا اور وہ بدحواس ہو کر عقبی دروا
کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے — باہر نکلتے ہی انہوں نے ایک
کو رکنے کا اشارا کیا اور اس میں بیٹھتے ہوئے بولے:

"اس علاقے کے پولیس سٹیشن چلیے۔"

"بہت بہتر، لیکن آپ پولیس سٹیشن کیوں جانا چاہتے ہیں
میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ آپ یہاں اجنبی جان پڑتے ہیں

"جی ہاں، میں اس ملک کا نہیں۔" وہ بولے۔

"تب پھر آپ پولیس سٹیشن کیوں جانا چاہتے ہیں؟" اس

"پولیس میرے چار ساتھیوں کو پکڑ کر لے گئی ہے۔" انہو
کہا۔

"اوہ، یہ تو بہت برا ہوا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ٹیکسی
لیکن رفتار بہت کم رکھی۔



"اگر پولیس آپ کے ساتھیوں کو پکڑ کر لے گئی ہے تو آپ
جا کر ان کے لیے کیا کر سکتے ہیں — آپ کے لیے بہتر یہی
کہ جہاں آپ ٹھہرے ہوئے ہیں، وہیں بیٹھ کر ان کا انتظار
آپ کی قسمت میں ہوا تو آپ کے ساتھی آپ تک پہنچ
گے۔ ورنہ ایک ہفتے سے زیادہ ان کا انتظار نہ کیجیے گا
ملک سے واپس چلے جائیے گا۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"اس ریاست کے لوگ ایک ایسے عذاب میں مبتلا ہو چکے ہیں،
کا کوئی حساب نہیں، وہ جیتے جی جہنم میں دھکیل دیے گئے ہیں۔
ل پہلے امن کا دور دورہ تھا — حکومت کیا بدلی، سب کچھ بدل
غنڈے دندناتے پھرتے ہیں۔ کسی کی عزت اور جان و مال محفوظ
غنڈے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، جس غنڈے کے پاس حکومت
موجود ہے، وہ بڑے سے بڑے آفیسر سے جواب طلب کر سکتا
اس سے اپنا حکم منوا سکتا ہے۔ حکم عدولی کی صورت میں وہ
مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے، جس سے نجات ممکن نہیں
یہاں کے حالات — میں سوچ سکتا ہوں کہ آپ کے
کسی غنڈے کے اشارے پر گرفتار کیا گیا ہوگا۔ اسی لیے
ہوں، آپ پولیس سٹیشن کا رخ نہ کریں، ورنہ آپ بھی ان
ر لیے جائیں گے۔"

"لیکن میں ان کے بغیر جی کر بھی کیا کروں گا - ان کے
میرے لیے دنیا میں رہ ہی کیا جائے گا" وہ بولے ۔

"کیا وہ بہت قریبی رشتے دار ہیں؟"

"ہاں، میرے بچے ہیں اور ایک بہت ہی گہرا دوست
نے بتایا۔

"تب میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ فوری طور پر اپنے
سفارت خانے کا رخ کیجیے، شاید وہ کچھ کر سکیں۔"

"شکریہ، فی الحال تو آپ مجھے پولیس سٹیشن تک ہی
میں دیکھنا چاہتا ہوں، وہ لوگ ٹھیک تو ہیں۔"

"بہت بہتر۔" اس نے مایوسانہ لہجے میں کہا، پھر کچھ دیر
اس نے گاڑی روک لی اور بولا:

"وہ سامنے پولیس سٹیشن ہے۔ میں اس کے دروازے
کو نہیں اتار سکتا۔"

"کوئی بات نہیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔" یہ کہہ کر
نے بل ادا کیا اور نیچے اتر گئے۔ ٹیکسی تیزی سے آگے روانہ
انسپکٹر کامران مرزا کچھ اور دُور ہٹ گئے۔ ابھی انہیں وہاں
پندرہ منٹ نہیں گزرے تھے کہ ایک کار تھانے کے دروازے
اور اس میں سے روڈان اترا۔ ناٹی اس کے ساتھ نہیں تھا
کر انسپکٹر کامران مرزا کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل گئی؛ گویا



ہسپتال یا کسی کلینک میں چھوڑ کر آیا تھا۔ پندرہ منٹ بعد وہ ان
...ں ساتھیوں اور اس شخص کو لے کر نکلا، انہیں کار میں بٹھایا
...ہو گیا۔

انسپکٹر کامران مرزا نے جلدی سے ادھر ادھر دیکھا، لیکن کوئی ٹیکسی
...نظر نہ آئی۔ تاہم انہوں نے کوئی گھبراہٹ محسوس نہ کی۔
...کام پروگرام کے مطابق ہی ہو رہا تھا۔ لہٰذا ان لوگوں کو
...میں لے جایا جانا تھا، وہ اطمینان سے کھڑے رہے۔ آخر
...کے ایک ٹیکسی آتی نظر آئی۔ انہوں نے اسے ہاتھ کا اشارا
اس کے رکتے ہی وہ بیٹھ گئے اور بولے:

"پرانا قلعہ چلیے۔"

"پرانا قلعہ؟" ڈرائیور نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، پرانا قلعہ۔ اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ میں
...ہوں۔ اس ریاست میں سیر و تفریح کی غرض سے آیا ہوں۔
...بتایا تھا کہ یہاں ایک پرانا قلعہ بھی ہے، بس میں وہ
...چاہتا ہوں۔"

"لیکن اس قلعے کو دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ کوئی بھی شخص
...سیر کے لیے نہیں جاتا۔" اس نے بتایا۔

"کیوں؟"

"...زمانے میں پرانا قلعہ اور پرانی جھیل سیر کے لیے بہترین

مقامات تھے، لیکن اب نہیں — موجودہ حکومت نے ان جگہوں کی سیر
پابندی عاید کر دی ہے۔"

"آپ نے کیا کہا، پرانی جھیل ۔" انہوں نے حیران ہو کر پو

"ہاں، شہر سے باہر سات آٹھ میل دور ایک بہت پرانی جھیل
بھی ہے۔ پہاڑوں سے بہہ کر آنے والا پانی اس جھیل میں جمع
جاتا ہے۔ لوگ پہلے اس جھیل میں کشتی رانی کیا کرتے تھے، تیرا
تھے، لیکن اب کوئی اس طرف کا رخ بھی نہیں کرتا۔ اس
موجودہ حکومت نے پابندی عاید کر دی ہے۔"

"آخر کیوں، حکومت کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"حکومت کی کوئی ایک بات بھی لوگوں کی سمجھ میں آتی ہو
بات ہے — یہاں تو کسی کو بھی کچھ معلوم نہیں ہے — حکومت
پالیسی کیا ہے، وہ کیا چاہتی ہے — تفریح کے مقامات بند کر
طرف تو لوگوں نے توجہ بھی نہیں دی، کیونکہ ان کی توجہ تو
کے مسائل نے اپنی طرف لگا لی ہے۔"

"ہوں! مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں یہ حالات ہیں، ور
اپنے بچوں اور دوست کے ساتھ نہ آتا — خیر، میں قلعہ کو
ہی دیکھ لوں گا۔ اب کیا کیا جائے، آ جو گیا ہوں۔"

"اچھی بات ہے، آپ کی مرضی ۔" یہ کہہ کر اس
رفتار بڑھا دی —



"اس جھیل میں کوئی ڈوب کر تو نہیں مرا تھا؟"

"نہیں، جب تک پابندی نہیں لگی تھی۔ اس وقت تک کوئی
بھی اس میں نہیں ڈوبا تھا — ہاں پابندی لگنے کے بعد ضرور کچھ
لوں کے ڈوبنے کے واقعات ہوئے ہیں۔"

"کیا مطلب — پابندی لگنے کے بعد لوگ کیسے جھیل میں اتر

"وہاں یا قلعے پر کوئی پہرہ نہیں ہے۔ حکومت جانتی ہے
اس کے احکامات کی تعمیل ہر حال میں کی جاتی ہے اور جو تعمیل
ں کرتے، وہ نقصان اٹھاتے ہیں۔"

"لیکن پابندی عاید ہونے کے بعد لوگ جھیل میں ڈوب کیسے

"یہ بات آج تک کسی کو معلوم نہیں ہو سکی — اب تو لوگ
جھیل سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔" اس نے بتایا۔

انسپکٹر کامران مرزا گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ حالات انتہائی
و غریب تھے — دنیا کے کسی ملک میں بھی اس قسم کی حکومت
نہیں تھی۔ آخر وہ کون لوگ تھے جنہوں نے موجودہ صدر کو
ایے تھے۔ شاید وہ وہی غنڈے تھے جو آج پوری ریاست
دناتے پھر رہے تھے، تو کیا اس ریاست میں غنڈوں کی
ثریت لوگوں سے زیادہ ہے — یہ سوچ کر انہوں نے ڈرائیور

سے پوچھا:

"لیکن موجودہ صدر دو سال پہلے انتخاب کیسے جیت گیا؟"

"اس کی پارٹی پہلے ہی غنڈہ گردی کی وجہ سے پوری
پر چھا چکی تھی۔ شریف لوگوں کو ووٹ ڈالنے ہی نہیں دیے گئے
بس غنڈوں نے ہی ووٹ ڈالے۔ شریف لوگوں کے ووٹ بھی
نے ہی ڈالے۔" اس نے بتایا۔

"گویا اب یہاں شریف لوگوں کا جینا حرام ہے؟"

"ہاں بالکل۔"

"لیکن میں نے تو ہوٹل میں لوگوں کو بڑے اطمینان
چلتے دیکھا ہے۔" انہوں نے کہا۔

ڈرائیور ان کی بات سن کر ہنس پڑا اور بولا:

"یہی تو آپ کی غلط فہمی ہے ـــ شریف لوگ تو ہوٹلوں
رخ بھی نہیں کرتے ـــ وہ تو اپنے گھروں میں چھپے رہتے ہیں
بلیوں کی طرح اپنے دفتروں میں کام کرتے ہیں یا اپنے کام
جاتے ہیں۔ ہوٹلوں میں جو لوگ آپ کو نظر آئیں گے، وہ
شریفانہ لباس میں ہوں گے ـــ ان کے چہروں پر بھی شرافت
گی، لیکن ان کے اندر شریفوں والی ایک بات بھی نہیں ہوگی"

"اوہ۔" وہ دھک سے رہ گئے ـــ اسی وقت ڈرائیور

"لیجیے، ہم قلعے کے پاس پہنچ گئے ـــ اس سے آگے



انی ہے۔"

قلعے کی طرف سفر کرتے ہوئے انہوں نے روڈان کی کار کا پوری
دھیان رکھا تھا، لیکن وہ انہیں واپس آتی نظر نہیں آئی تھی۔
اس چیز نے ان کی پریشانی میں اور اضافہ کر دیا۔ ٹیکسی سے
ر انہوں نے کہا۔

"شاید میں جلد ہی واپس جاؤں گا، اگر آپ رکنا پسند کریں۔"

"نہیں جناب، یہاں رکنا بھی خطرناک ہوگا، لہذا مجھے تو اجازت
دیجیے۔" اس نے کہا اور ٹیکسی بیک کرنے لگا۔

جلد ہی وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ـــ اب وہ قلعے
بڑھے ـــ اس کا بڑا دروازہ کھلا ہوا تھا اور آس پاس یا دور
وئی بھی شخص نظر نہیں آ رہا تھا ـــ اب دروازے میں داخل ہونے
وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

اندر سے بھی قلعہ مکمل طور پر سنسان تھا، بس چڑیوں کی آواز
ی تھی ـــ وہ قلعے کا ایک ایک حصہ دیکھتے پھرے، لیکن کہیں
ی کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آئے۔ جب انہیں یقین ہو گیا
پورا کا پورا قلعہ دیکھ چکے ہیں اور قلعے میں کسی جگہ بھی ان
ہونے کا کوئی امکان نہیں تو وہ بہت فکرمند ہوئے اور
ے باہر نکلے۔

اس کا مطلب ہے، انہیں یہاں لایا ہی نہیں گیا، کہیں اور لے

جایا گیا ہے، لیکن کہاں؟" وہ بڑبڑائے۔ اس کہاں کا ان کے ذہن

کوئی جواب نہیں دیا۔ باہر نکل کر چاروں طرف دیکھا، لیکن وہاں

بھلا کون تھا۔ قلعہ شہر سے باہر تھا؛ گویا اب شہر جانے کے لیے

انہیں پیدل ہی چلنا تھا۔ ایسے میں انہیں اس جھیل کا خیال آیا

انہیں تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ جھیل کہاں ہے۔ آخر وہ تیز تیز

اٹھاتے شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ تقریباً دو کلومیٹر چلنے کے بعد ان

ایک ٹیکسی مل گئی۔

"میں پرانی جھیل کی طرف جانا چاہتا ہوں۔"

"لیکن جناب، اس طرف جانے کی تو پابندی ہے۔" اس

کہا۔

"میں جانتا ہوں، بس میں جھیل کو دور سے دیکھ کر لوٹ

گا۔ آپ کو بھی جھیل کے نزدیک جانے کی ضرورت نہیں۔" وہ

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا اور ٹیکسی چلادی۔

"آپ جھیل کیوں دیکھنا چاہتے ہیں؟"

"بس یوں ہی۔ اس ریاست میں سیر وتفریح کی غرض

ہوں۔ جھیل کے بارے میں کسی نے بتایا تھا۔ میں نے سو

اسے بھی دیکھ لیا جائے۔"

"کیا بتانے والے نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ اس

پر پابندی ہے۔"



"ہاں بتایا تو تھا، لیکن میں کہہ چکا ہوں، دور سے ہی دیکھوں گا۔"

"خیر آپ جانیں۔ اگر ایسے میں حکومت کا کوئی کارندہ ادھر

آ گیا تو آپ بہت بڑی مشکل میں پھنس جائیں گے۔"

"اس سے زیادہ اور کیا مصیبت میں پھنسوں گا، جتنا اس وقت

پھنسا ہوا ہوں۔" انہوں نے دل ہی دل میں کہا۔

آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد ڈرائیور نے کہا:

"ہم پہنچنے والے ہیں۔ میں آپ کو جھیل سے دو سو میٹر ادھر ہی

اتار دوں گا اور چلا جاؤں گا۔"

"اچھی بات ہے۔" انہوں نے چونک کر کہا۔ وہ شہر کی سڑکوں

اور لوگوں کی آمدورفت میں کچھ ایسے محو ہوئے تھے کہ پتا ہی نہ چلا،

کب شہری حدود سے باہر نکلے اور کب جھیل کے پاس پہنچے۔

ٹیکسی رک گئی۔ انہوں نے بل ادا کیا اور آگے بڑھے۔ یہاں

ہو کا عالم طاری تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ریاست کا کوئی شخص

ادھر آنے کی جرأت تک نہ کرتا ہو۔ تیز تیز قدم اٹھاتے وہ

چند منٹ بعد جھیل کے کنارے پہنچ گئے۔ یہ ایک بہت بڑی جھیل تھی۔

دور تک پانی ہی پانی نظر آرہا تھا۔ تیز ہوا کی وجہ سے جھیل میں

لہریں بن رہی تھیں اور مٹ رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر کھڑے جھیل کی

طرف دیکھتے رہے۔ انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا، جیسے انہیں کوئی دیکھ

رہا ہو۔ انہوں نے جلدی سے پیچھے مڑ کر دیکھا، لیکن ڈرائیور تو کب کا

جا چکا تھا۔ اب تو اس کی ٹیکسی بھی نظر نہیں آ رہی تھی — انہوں
سوچا، یہ ضرور ان کا وہم ہے۔ انہیں کوئی نہیں دیکھ رہا۔ یہاں
ہی کون جو دیکھے گا، پھر آفتاب، آصف، فرحت اور منور علی
خیال نے انہیں پریشان کر دیا — انہوں نے سوچا، نہ جانے وہ
ہوں گے، ٹھیک ہے، مجھے فوراً ہوٹل واپس چلنا چاہیے، تاکہ
لوگوں کے لیے کچھ کیا جا سکے —

یہ سوچ کر وہ واپس مڑے اور ایک بار پھر واپس چل
بہت دور جا کر انہیں ایک ٹیکسی ملی اور وہ اس کے ذریعے
پہنچے — اندر داخل ہوئے تو ہوٹل کی رونق اسی طرح تھی
ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا — وہ سیدھے لفٹ کی طرف
اس میں سوار ہو کر تیسری منزل کا بٹن دبانے ہی والے تھے کہ
خیال نے انہیں دوسری منزل کا بٹن دبانے پر مجبور کر دیا۔ لفٹ
کر وہ دبے پاؤں چلتے کمرہ نمبر ۲۱۲ کے سامنے پہنچے۔ پہلے تو ا
نے دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا، پھر دروازے کو بند پا کر جیب
چابیوں کا گچھا نکال کر ایک چابی تالے کے سوراخ میں گھمائی
میں کوئی بھی نہیں تھا اور ان کے کھڑے ہونے کا انداز ایسا تھا
اپنی کا کمرہ ہو اور تالا نہ کھل رہا ہو — اگر کوئی انہیں دیکھ بھی
یہ خیال نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کسی اور کا کمرہ کھول رہے ہیں ا
یہ خیال کر بھی لیتا تو وہ کہہ سکتے تھے:



"اوہ غلطی ہو گئی۔ میرا کمرہ تو اس کے اوپر والی منزل پر ہے۔"

ابھی انہوں نے تیسری چابی آزمائی تھی کہ تالا کھل گیا۔ وہ دروازہ
کر اندر داخل ہو گئے — انہوں نے دیکھا منور علی خان کا سوٹ کیس
ون رکھا تھا۔ اسے کسی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا اور اس کا
تھا کہ یہ کوئی لوٹنے یا ٹھگنے کا چکر نہیں تھا — تو پھر — یہ
یہی سوچتے ہوئے وہ باہر نکل آئے۔ ایک بار پھر وہ
سوار ہو کر نیچے اترے اور باہر نکل کر ہوٹل کے پچھلے دروازے
داخل ہوئے۔ انہیں وہ کمرہ یاد تھا جس سے انہوں نے روڈان
کو نکلتے دیکھا تھا۔ وہ دبے پاؤں اس کمرے کے دروازے کی
ھنے لگے —

# خوف کی زندگی

جیپ تھانے کے صحن میں رکی — انہیں نیچے اتار کر اندر لے ...

"ہاں بھئی، یہ کیا معاملہ تھا؟" تھانے دار نے انہیں ...
بیٹھنے کا اشارا کرتے ہوئے کہا۔

"ہم سے کیا پوچھ رہے ہیں — ہماری باتوں پر آپ ...
یقین ہے۔ آپ کو تو ناٹی جیسے لوگوں پر یقین ہے۔" آفتاب ...
جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہوٹل کی بات اور تھی — یہاں میں تمہاری بات ...
لوں گا اور اس پر یقین بھی کر لوں گا، کیونکہ آپ نہیں ...
کے حالات کیا ہیں؟"

"تو پھر سن لیجیے، ناٹی نے ان صاحب سے خود ...
لیا تھا۔ جب ان کے حق میں پورے ہال میں سے کسی ...
نہ دی تو میں بول اٹھا۔" آفتاب بولا۔

"اور بول کر خود کو مصیبت میں مبتلا کر لیا — اب ...



... چاہیں گے — اس وقت تک تم لوگوں کو رہا نہیں کیا جا سکے

"آخر یہ ناٹی کیا چیز ہے؟"

"حکومت کا خاص آدمی — ایسے خاص آدمی ریاست میں ہر جگہ
ہیں — حکومت دراصل انہی کے ہاتھوں میں ہے، یہ جو چاہتے
کرتے ہیں — کوئی انہیں پوچھنے والا یا ٹوکنے والا نہیں۔"

"سابق صدر کا کیا بنا تھا، میرا مطلب ہے، انتخاب ہارنے کے
... نے اچانک سوال کیا۔

"ان بے چارے کا کیا بننا تھا — صدارت کا عہدہ چھننے کی دیر
... ان پر سیکڑوں الزامات عاید کر دیے گئے اور پھر جیل میں
... گیا — گل سڑ رہے ہوں گے بے چارے کسی تاریک کوٹھڑی

"وہ کیسے آدمی تھے؟"

"بہت نیک، بہت انصاف پسند — ان کے دور میں عوام پرسکون
... کرتے رہے۔"

"تو پھر ریاست کے سب شریف لوگ اس حکومت کے خلاف اٹھ
... نہیں کھڑے ہوتے؟"

"ریاست کے شریف لوگوں کو بالکل بے بس کر دیا گیا ہے — کسی
... پستول خریدنے کی اجازت نہیں۔ چاقو بھی جیب میں رکھ کر نہیں

پھر سکتا، جب کہ ناٹی جیسے لوگوں کی جیبوں میں ہر وقت بھ
پستول رہتے ہیں۔"

"اور آپ کے پاس؟" آفتاب نے پوچھا۔

"ہم سے بھی ہمارے پستول لے لیے گئے ہیں۔ اس خ
پیشِ نظر کہ کہیں عوام اور پولیس مل کر حکومت کے خلاف
نہ کر دیں — غرضیکہ ہم سب بالکل بے بس اور مجبور ہو گئے
بھی کچھ نہیں کر سکتا — ہر شخص خوف کی زندگی بسر کر رہا

اسی وقت ایک کار کے اندر داخل ہونے کی آوا
اور پھر روڈان اندر داخل ہوا — اس نے جیب سے ایک
نکال کر پولیس افسر کے سامنے رکھتے ہوئے کہا:

"مسٹر ناٹی خود نہیں آ سکے۔ انہوں نے یہ کارڈ بھیجا
لوگوں کو میرے ساتھ جانے دیا جائے۔"

"ضرور جناب، لے جائیے۔" آفیسر کارڈ دیکھ کر ڈری
میں بولا؛ گویا کارڈ بھی ناٹی سے کچھ کم نہیں تھا۔ انہوں
ہو کر کارڈ کی طرف دیکھا — اس پر ایک گلوب بنی ہوئی
سے گھومتی ہوئی گلوب ۔

"چلو بھئی اٹھو۔" روڈان نے کہا۔

وہ اس کے ساتھ کار میں بیٹھ گئے — کار پولیس
نکل کر ایک سمت میں روانہ ہو گئی ۔



کیا ہم ہوٹل چل رہے ہیں؟" آفتاب نے پوچھا۔
نہیں، ہوٹل میں آپ لوگوں کی زندگی خطرے میں ہے۔ میں
لوگوں کو پرانے قلعے لے جا رہا ہوں — اب ایک دو دن آپ
وہاں چھپنا پڑے گا، پھر میں آپ لوگوں کو اس ملک سے
کا انتظام کر دوں گا۔"
جناب، ہمارے ایک ساتھی تو ہوٹل میں ہی موجود ہیں
" آصف نے منہ بنایا۔
فکر نہ کریں، انہیں بھی آپ کے ساتھ فرار ہونے میں مدد
گی — ناٹی دراصل آپ لوگوں کا دشمن بن گیا ہے۔"
لیکن ہماری مدد کر کے آپ بھی تو اس سے دشمنی مول لے
" آصف نے اسے گھورا۔
نہیں، اس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں ہو گا کہ میں نے
لوگوں کو کہاں چھپا دیا ہے — میں تو یہی بتاؤں گا کہ میں نے
ہوٹل تک پہنچا دیا تھا۔"
آپ ہمیں ہوٹل ہی کیوں نہیں لے چلتے۔" فرحت نے منہ

اس لیے کہ ناٹی تمہاری جان کا دشمن بن چکا ہے — میں نے
اس وقت اس کی جیب سے نکالا تھا، جب اسے ہسپتال چھوڑ
تھا۔ اوہو، لیکن آپ کو کیا معلوم کہ اسے کیا ہوا — دراصل

آپ کے ساتھی نے اس کی مرمت کردی تھی اور یہ مرمت کس
عجیب انداز میں ہوئی، میں بیان نہیں کرسکتا۔"

"جی کیا مطلب، ہم سمجھے نہیں۔" آفتاب نے حیران ہو کر
اس پر اس نے ناٹی کی پٹائی کی تفصیل سنادی۔
وہ مسکرانے لگے اور پھر وہ ان باتوں میں کچھ ایسے
قلعے تک پہنچ گئے۔

"آئیے، کہیں ناٹی ہسپتال سے فارغ ہوکر پولیس
پہنچ جائے اور وہاں سے اسے یہ معلوم نہ ہوجائے کہ
لوگوں کو رہا کرا لایا ہوں۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"لیکن آپ بعد میں ناٹی سے کیا کہیں گے۔ جب
اسے بتائے گا کہ آپ ہمیں چھڑا کر لے گئے تھے۔"

"میں کہہ دوں گا کہ میرے میک اپ میں یہ کام کس
کیا ہے۔"

"اور آپ یہ سب کچھ کیوں کریں گے، آپ کو ہم
ہمدردی ہے؟" منور علی خان بولے۔ ان کی آواز میں
کی پیشانی پر پھر لکیریں نمودار ہوئیں۔ آخر اس نے کہا
"میں یہ سب کچھ اس لیے کر رہا ہوں کہ میرا تعلق
مخالف پارٹی سے ہے اور ہم اس حکومت کا تختہ الٹنے
ہیں۔ بس اب اور سوال مت کیجیے گا۔"



قلعے میں داخل ہوگئے۔ روڈان انہیں اسی کمرے میں
میں کل منور علی خان کو لایا تھا۔ اس نے پانچوں پر
ڈالتے ہوئے کہا۔

"اب میں چلتا ہوں، موقع ملتے ہی تم لوگوں کو فرار میں مدد
دوں گا۔"

"بہت بہتر جناب۔" انہوں نے ایک ساتھ کہا اور روڈان چلا گیا۔
"ہاں تو انکل، اب کیا پروگرام ہے۔ یہاں تک کی کہانی تو
ہے۔" آفتاب نے اس کے قدموں کی آواز غائب ہوتے
علی خان سے کہا۔

"کیا مطلب؟ کیسی کہانی؟" اس شخص نے کہا، جس کی وجہ سے
یہاں پہنچے تھے۔

"ہاں، پہلے تو آپ بتائیے، آپ کا کیا نام ہے اور اس
ملک میں کیسے آئے ہیں۔ لگتے تو آپ ہمارے ملک کے ہی ہیں۔"
"میرا نام اللہ نواز ہے۔ میں یہاں سیر کی غرض سے آیا تھا۔
اس ملک پر رہ۔" اس نے جھنجلا کر کہا، پھر اس نے اپنے ملک
کا نام بتایا۔ وہ ان کا ہم وطن ہی نکلا۔

"اچھا، اب ہم آپ کو ساری بات بتاتے ہیں۔ پہلے آپس میں یہ
طے کرنا ہے کہ ہمیں کرنا کیا چاہیے۔" یہ کہہ کر آصف نے منور علی خان

"بھئی، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میں نے تو اب یہ معاملہ تم
لوگوں پر چھوڑ دیا ہے۔"

"اب ہم یہاں سے ہوائی اڈے کا رخ تو کریں گے نہیں
کیونکہ ابا جان اس معاملے کی تہہ تک پہنچنے کا تہیہ کر چکے ہیں
لیکن یہاں سے بھاگنا بھی ضروری ہے۔ ہاں، کسی اور وقت
طور پر اس قلعے میں داخل ہو کر دیکھیں گے کہ یہاں کیا
ہیں اگر ہم پھنس گئے تو شاید ابا جان بھی ہمارے لیے کچھ

"لیکن ہم ہوٹل بھی تو نہیں جا سکتے۔" فرحت نے
"ٹھیک ہے، ہم ہوٹل نہیں جائیں گے۔" آفتاب نے

"تو پھر جائیں گے کہاں؟" فرحت نے منہ بنایا۔

"بس جدھر منہ اٹھ گیا، ادھر ہی چل پڑیں گے۔"

"تو پھر آؤ، جلدی کرو۔ کہیں ہم اسی قلعے میں قید ہو کر
رہ جائیں۔" منور علی خان نے گھبرا کر کہا۔

"اور قلعے کے قیدی بن جائیں۔" آصف بولا اور
ساتھ ہی اسے محمود، فاروق اور فرزانہ کا خیال آ گیا۔ کیونکہ
سب قلعے کے قیدی بنائے جا چکے تھے۔

پھر وہ افراتفری کے عالم میں باہر نکلے۔ دور دور تک
بھی نظر نہیں آیا۔

"انکل، ہم اس طرف سے آئے تھے، کیا آپ بھی اسی



واپس گئے تھے؟"

"ہاں، اسی راستہ میں ہی ہوٹل آتا ہے۔ آگے چل کر ایئرپورٹ
آتا ہے۔ ہوٹل سے دائیں مڑ جائیں تو پولیس اسٹیشن پہنچ جاتے ہیں۔
ہم اس طرف سے نہیں جا سکتے۔ اب لے دے کے ہمارے
پاس ایک راستہ رہ جاتا ہے۔ آؤ اسی پر چل پڑتے ہیں۔ کم از
کم منصوبے کی پلیٹ میں تو نہیں آئیں گے۔" منور علی خان نے
لہجے میں کہا۔

"منصوبے کی پلیٹ میں۔ بھئی واہ، یہ تو کسی ناول کا نام ہو
سکتا ہے۔" آفتاب خوش ہو کر بولا۔

اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ کچھ دیر تیز رفتاری سے بھاگتے
رہے، پھر انہوں نے رفتار کم کر دی۔ آخر کب تک بھاگ سکتے تھے۔
اب انہیں آس پاس خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ انہیں یوں
محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی غیر آباد علاقے میں ہوں۔ جہاں صدیوں
سے انسان کا گزر نہ ہوا ہو؛ حالانکہ چند میل کے فاصلے پر شہر کی
[illegible]

"یار، کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔" احمد نواز نے بہت دیر تک صبر
کے بعد تنگ آ کر کہا۔

"اوہ ہاں، ہم تو بھول ہی گئے، لیکن ہم آپ کو بتائیں بھی
کیا حال ہے انکل، آپ انہیں اپنی کہانی سنا دیں۔" آفتاب بولا۔

"اچھا۔" منور علی خان نے کہا اور ان کے ساتھ اس شہر میں
جو کچھ ہوا، مختصر طور پر کہہ سنایا، پھر یہ بھی بتایا کہ وہ دوبارا یہاں
کس طرح نظر آ رہے ہیں۔

"عجیب معاملہ ہے — آخر یہ لوگ چاہتے کیا ہیں۔ لوگوں کو
قلعے میں چھوڑ کر خود واپس چلے جاتے ہیں۔ دروازے بھی باہر سے
بند نہیں کرتے، آخر کیوں؟" احمد نواز نے کہا۔

"یہی جاننے کے لیے تو ہم یہاں آئے ہیں جناب۔"

"ہوں۔" اس نے کہا اور سوچ میں ڈوب گیا۔

وہ چلتے رہے، یہاں تک کہ پورا ایک گھنٹا ہو گیا، لیکن
حدود دکھائی نہ دی۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے، ہم شہر سے دور ہی دور ہوتے جا رہے
ہیں۔" آصف نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

"جب کہ ہمیں شہر سے نزدیک ہونا چاہیے — آخر ہم
سنسان جگہ کہاں پہنچ گئے۔" آفتاب بولا۔

"خیر، ہم کچھ دیر اور چلتے ہیں، پھر واپس لوٹ جائیں گے۔
اب تو میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ہم نے بہت غلطی کی ہے۔ ہمیں
سے نکلتے ہی ہوٹل کا رخ کرنا چاہیے تھا۔ کم از کم وہاں کامران مرزا
موجود ہیں۔ ان کے ہوتے ہمیں کیا فکر ہے۔"

"ضروری نہیں انکل کہ وہ ہمیں ہوٹل میں مل جاتے —



کے بعد وہ بھی کب وہاں بیٹھے رہے ہوں گے — ارے ہاں، ان
کا پروگرام تو دراصل یہ تھا کہ وہ کسی طرح معلوم کر سکیں، یہ لوگ
کیا ہیں۔"

"اور یہ وہ اس صورت میں جان سکتے تھے، جب ہم قلعے میں
رہ کر حالات کا مقابلہ کرتے۔" فرحت نے برا سا منہ بنایا۔

"تو پھر کیا ہم واپس قلعے چلیں؟"

"نہیں، میں نے ایک اور بات سوچی ہے، ہم شہر چلتے ہیں۔
اور ہوٹل میں جا کر ٹھہرتے ہیں۔ وہاں سے کامران مرزا کو
کریں گے — جب وہ وہاں آ جائیں گے تو پھر بیٹھ کر پروگرام
گے۔" منور علی خان نے رائے پیش کی۔

"میرا خیال ہے کہ ان حالات میں اس سے اچھا مشورہ کوئی ہو
نہیں سکتا۔" آفتاب چہک کر بولا۔

اسی وقت انہوں نے ایک عجیب سی آواز سنی:

کمرے میں کسی سے باتیں کرنے کی آواز ان کے کانوں سے
— انہوں نے جلدی سے کان دروازے سے لگا دیے۔ فوراً ہی
نے روڈوان کی آواز سنی — وہ کہہ رہا تھا:

"ناٹی، اب زیادہ تلملانے کی ضرورت نہیں. تم نے
پہلی بار کسی سے مار کھائی ہے، وہ بھی عجیب طرح ۔
ابھی اسی شہر میں ہے۔ اس کے ساتھیوں کو میں قلعے
ہوں۔ تم اس کے کمرے میں جاکر اپنا دل راضی کر
بھی قلعے میں پہنچا دیتا ہوں"۔

"یس سر، میں یہی چاہتا ہوں، اس کی چٹنی
ناٹی نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن یس سر کے بچے، وہ آدمی مجھے ضرورت
معلوم ہوتا ہے۔ وہ صرف ڈرنے کی ایکٹنگ کر رہا
خوف زدہ نہیں تھا"۔

"یہ تو خیر میں بھی محسوس کر چکا ہوں سر، لیکن
کریں۔ میں اسے ضرور مزا چکھا کر رہوں گا"۔

"تو پھر میں اسے قلعے لے جاتا ہوں ــ تم بھی
جاؤ۔ ابھی معلوم ہو جاتا ہے، تم دونوں کتنے پانی

"میں تو اسے پرانی جھیل میں غرق کر کے دم

"پہلے قلعے میں مقابلہ ہوگا، پھر تم اس کے
جاہے کرنا"۔

"ویسے سر، یہ بات مجھے ہمیشہ یاد رہے گی
کھاتے دیکھتے رہے اور میری مدد کے لیے نہ بڑھے۔



جانتے ہی ہو ناٹی، میں صرف اہم موقعوں پر حرکت میں آیا
اچھا اب زیادہ غصہ نہ کھاؤ۔ میں اسے اس کے کمرے
ہوں ــ پتا نہیں، وہ کہاں ہے۔ تھوڑی دیر پہلے تو کلرک
کہ ابھی نہیں آیا"۔

کے ساتھ ہی انسپکٹر کامران مرزا دروازے سے ہٹ
قدم اٹھاتے پچھلے دروازے سے باہر نکل گئے، پھر
سے ہوٹل میں داخل ہوئے ــ کاؤنٹر کلرک نے جونہی
چونک اٹھا، پھر اس کا ہاتھ فون کی طرف بڑھا۔ انہوں
طرف کوئی توجہ نہ دی، لفٹ کی طرف بڑھ گئے۔ ابھی دو
گزرے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

ہوں، اس ہوٹل کا مالک ــ آپ سے ضروری بات

تشریف لے آئیے، دروازہ کھلا ہے"۔
اندر داخل ہوا اور فوراً ہی بولا:

کہاں غائب ہو گئے تھے ــ میں آپ کے لیے فکرمند
کے ساتھیوں کو میں نے ایک محفوظ جگہ پر پہنچا دیا ہے۔
کی جان کا دشمن ہو رہا ہے، وہ یہاں بھی آ دھمکے گا ــ
آپ فوراً یہاں سے اپنے ساتھیوں کے پاس چلے جائیے"۔

وہیں آپ محفوظ رہ سکیں گے۔"

"لیکن آپ نے انہیں کسی محفوظ مقام تک کس طرح

انہیں تو پولیس اپنے ساتھ لے گئی تھی ۔ میں بھی ادھر گیا

وہ تھانے میں ملے ہی نہیں۔" انہوں نے کہا۔

"تھانے سے انہیں میں نے اپنے اثر اور رسوخ سے

اب دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

"بہت اچھا چلیے، میں تیار ہوں۔" انہوں نے کہا۔

وہ اس کے ساتھ باہر آئے، پھر کار میں بیٹھ کر

روانہ ہو گئے ۔ ابھی تک ان کی سمجھ میں نہیں آ سکا

چاہتے کیا ہیں، کیا چکر چلا رہے ہیں۔ روڈان اور ناٹی

نے انہیں اور بھی حیران کر دیا تھا۔ روڈان کے کمرے

ہوئے تو ناٹی کا لہجہ کسی غلام جیسا تھا، لیکن یہی ناٹی

ہال میں پولیس والوں کی نظروں میں روڈان سے کہیں

کا مالک نظر آیا تھا اور اب وہ ناٹی کا ان سے

کرانے کے لیے انہیں پرانے قلعے لے جا رہا تھا۔ ادھر

آصف اور فرحت کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ

کہاں ہوں گے۔ قلعے میں تو وہ ملے نہیں تھے، جبکہ روڈان

بتا رہا تھا کہ وہ انہیں قلعے میں چھوڑ کر آیا ہے۔

منور علی خان آج بھی انہیں لے کر وہاں سے بھاگ



...ا ہے ۔ اسی لیے تو وہ انہیں ملے نہیں۔

...کیا سوچ رہے ہو بھئی ۔ نام کیا ہے تمہارا؟"

...منان مرزا۔"

"کیا ؟" روڈان چلا اٹھا ۔ ساتھ ہی اس نے کار کو بریک لگائے۔

...مرزا بوکھلا اٹھے ۔ انہوں نے ہوٹل میں اپنے اصلی ناموں سے

...لیکن اس وقت بے خیالی میں ان کے منہ سے اپنا

...لیا تھا، لیکن انہیں حیرت اس بات پر تھی کہ روڈان ان

...کر اتنے زور سے کیوں اچھلا تھا اور اب گاڑی روک کر انہیں

...سے گھور کیوں رہا تھا۔

# جھیل بھوکی ہے

انہوں نے چونک کر آواز کی طرف دیکھا' یہ پانی کی ...

بھی - ہوا کا رخ شاید ایک دم بدل گیا تھا - اس لیے ...

اچانک سنائی دی تھی۔

"شاید اس طرف کوئی دریا ہے" آفتاب نے خیال ...

"یہ اندازہ تو ایک احمق بھی لگا سکتا ہے" آصف ...

"کیا تم مجھے احمق کہنے کے موڈ میں ہو؟" آفتاب ...

بغیر کہا' پھر وہ جواب کا انتظار کیے بغیر بول اٹھا:

"بھئی شوق سے کہہ لو - میں بڑے بھائی کی بات ...

مان سکتا -

"لیکن میں تم سے بڑا کب ہوں' شاید ایک آدھ ...

ہوں گا" آصف نے جلدی سے کہا۔

"تو چلو' تم چھوٹے احمق سہی" آفتاب مسکرایا ...

"لاحول ولا قوۃ' آخر اس بے چارے کو اپنے ...



... فرحت نے بُرا سا منہ بنایا۔

"... خیال ہے' ہم دریا کی طرف جا کر کیا کریں گے - واپس ہی ...

... منور علی خان نے خیال ظاہر کیا۔

... انکل' ان پریشان کن اور عجیب و غریب حالات میں ...

... نظارہ کیا ہمارے دل و دماغ کو تازگی نہیں بخشے ...

... بولا۔

... بات ہے تو چلے چلتے ہیں" انہوں نے کندھے اچکائے۔

... بھی دریا زیادہ دور نہیں لگتا" آفتاب نے کہا۔

... انکل' زیادہ سے زیادہ سو میٹر کے فاصلے پر ہوگا"

... تم تینوں ہی دریا کا نظارہ کرنا چاہتے ہو - اچھا بھئی

... نے تیز تیز قدم اٹھانے شروع کر دیے اور پھر انہیں ...

... تو جھیل ہے' لیکن ہے کسی قدر بڑی جھیل" فرحت ...

... نے اتنی بڑی جھیل اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھی"

... اپنی زندگی میں جھیلیں دیکھی کتنی ہوں گی" آفتاب

"تم سے تو بات کرنا فضول ہے۔ ہر بات کو مذاق میں اڑا... ہو۔" آصف جل کر بولا۔

"اچھا، میں وعدہ کرتا ہوں، نہایت پرخلوص وعدہ کر... تمہاری ہر بات کو مذاق میں نہیں اڑایا کروں گا۔" آفتاب... جلدی سے کہا۔

"گویا کچھ باتوں کو مذاق میں ضرور اڑایا کرو گے۔" ف...

"تم میری باتوں کا مطلب آخر جلدی کس طرح نکال... آفتاب مسکرایا۔

"دراصل میں اردو میں بہت تیز ہوں۔" فرحت نے... والے لہجے میں کہا۔

"اب اگر تم لوگ جھیل کا نظارہ کر چکے ہو تو ہم واپس... میں کامران مرزا کے لیے فکرمند ہوں۔" منور علی خان...

"اور وہ ہمارے لیے فکرمند ہوں گے۔" آصف...

"نہ جانے کیوں، جھیل مجھے پراسرار لگ رہی... جھیل کی سیر کرنے کوئی بھی نہیں آتا۔ نہ اس میں... رہی ہیں، نہ کچھ لوگ تیر رہے ہیں۔ آخر یہ کیسی جھیل... فرحت نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

"جادو کی جھیل ہو گی۔" آفتاب بولا۔

"اب تم اس جھیل پر اپنی جاسوسی نہ شروع کر...



...سادی جھیل ہے۔" آصف بولا اور منور علی خان سیدھی سادی جھیل ... بغیر نہ رہ سکے۔

"...انکل، آپ بھی مسکرا رہے ہیں۔" آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"...ہاں، بھئی مجھے بھی مسکرانا آتا ہے۔ آؤ اب چلیں۔ جھیل کا ... وقت کریں گے۔ ویسے مجھے تو اس میں کوئی پُر... نہیں آ رہی۔ ہاں یہ بات عجیب ضرور ہے کہ نہ تو ...یاں ہیں، نہ لوگ تیر رہے ہیں۔ ویسے جھیل کا پانی ہے ...پرسکون۔ جی چاہتا ہے اس میں ابھی ڈبکی لگا جاؤں ...پر......"

...کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اسی وقت جھیل میں ... نمودار ہوئے تھے اور یہ بلبلے بہت تیز آواز کے ساتھ ... دیکھتے ہی دیکھتے بلبلے غائب ہو گئے اور سطح پھر پُر...

"...میں بلبلے۔" آفتاب بڑبڑایا۔

"...، تو واقعی جادو کی جھیل معلوم ہوتی ہے۔" آصف بوکھلا...

"...جادو کا بلبلوں سے کیا تعلق؟" فرحت نے جلدی سے

"...احمق اچھی بھلی۔ جادو کا تو کسی چیز سے بھی تعلق ہو سکتا

ہے، بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ بلبلے جادو کے تھے۔"

"پہلے جھیل جادو کی ہوئی، اب بلبلے جادو کے ہو گئے۔

آج تم تینوں کے سر پر جادو کا بھوت تو سوار نہیں۔" منور

شوخ لہجے میں بولے۔

"یہ بھی خوب رہی — جادو کا بھوت، بھئی واہ۔" آفتاب

"لیکن انکل، آپ کو تو جھیلوں کا تجربہ ہوگا۔ کبھی آپ

کسی جھیل میں بلبلے نمودار ہوتے دیکھے ہیں۔"

"اگر جھیل میں آبی جانور ہوں تو جھیل کی سطح پر بلبلے

ہوں گے۔ وہ آبی جانور آخر سانس لیں گے اور ہوا پانی

کر اوپر آئے گی تو وہ بلبلوں کی شکل میں ہی ہوگی، لیکن

اتنے بڑے بڑے اور بلند آواز والے نہیں ہو سکتے۔

جا سکتا کہ اس جھیل میں کوئی شارک یا وہیل مچھلی ہو

انہوں نے کہا۔

"ارے باپ رے — کس خوف ناک چیز کا نام

نے، شارک —" آفتاب بوکھلا کر بولا۔

"اب تو سچ مچ میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں اس

جاؤں اور اس کی تہہ کی خبر لاؤں۔ آخر اس میں کیا

کس چیز کی وجہ سے نمودار ہوئے تھے۔" آصف نے کہا

"جب کہ مجھے ڈر لگ رہا ہے اور میں چاہتی



یہاں سے رخصت ہو جائیں۔ پہلے ہم انکل سے مشورہ کریں گے

جھیل میں اترنے کا پروگرام بنائیں گے۔" فرحت نے جلدی سے

ان بھی یہی مشورہ دوں گا۔" آفتاب بولا۔

پھر ہم واپس ہی چلتے ہیں۔ ان بلبلوں نے تو مجھے بھی سہما

علی خان بولے۔

کہہ رہے ہیں انکل، آپ تو شیروں اور گینڈوں سے نہیں ڈرتے،

خاطر میں نہیں لاتے اور ان بلبلوں سے سہم گئے ہیں۔"

اس لیے کہ یہ بلبلے میرے لیے حیرت انگیز ہیں۔" انہوں

معلوم ہوتا ہے، جیسے اب ہم ان بلبلوں کا بھی کیس حل

آفتاب بڑبڑایا۔

تمہاری جان کیوں نکلی جا رہی ہے۔" آصف پیر پٹخ کر

وہ واپس روانہ ہوئے۔

بات تو یہ ہے کہ بلبلوں کی آواز پھر سنائی نہیں دی۔"

اس سے ثابت ہے کہ وہ آبی جانوروں کے سانس سے

نہ تھے۔" منور علی خان نے کہا۔

"گویا ان کے پیدا ہونے کی وجہ کوئی اور تھی ۔۔
ہر لمحے کچھ زیادہ ہی پراسرار ہوتا جا رہا ہے۔" فرحت
"ہمارے ساتھ یہی تو مصیبت ہے، ہر معاملہ زیادہ
ہوتا چلا جاتا ہے۔"

شہری حدود کے پاس انہیں ایک ٹیکسی مل گئی۔
بیٹھ گئے تو منور علی خان نے کہا۔

"بھئی ہمیں کسی سستے سے ہوٹل لے چلو ۔۔ ہمیں وہاں
ٹھہرنا ہے۔"

"جی اچھا۔" اس نے کہا اور ٹیکسی چلا دی۔

"شہر کے باہر جو جھیل ہے، کیا شہر کے لوگ کبھی
کرنے نہیں جاتے؟"

"کیا آپ اس جھیل سے ہو کر آ رہے ہیں۔"
ہو کر کہا ۔۔

"ہاں، کیوں اس میں پریشانی کی کیا بات

"پریشانی کی بات یہ ہے کہ جھیل پر جانے کی
ہے ۔۔ کوئی شخص بھی جھیل کی طرف نہیں جا سکتا اور

"ارے، لیکن کیوں؟" منور علی خان حیران ہو کر

"یہ حکم نئی حکومت نے جاری کیا ہے۔ اس
تھا۔ یہ دونوں جگہیں تفریح کا بہترین منظر پیش کرتی



ہیں۔"

تو میں پوچھ رہا ہوں، کیوں؟"

کی مرضی ۔۔ عوام بے چارے کیا کر سکتے ہیں۔"

ان دونوں مقامات پر کچھ حادثات ہوئے تھے۔"

کچھ آدمی ڈوب کر مر گئے تھے۔ ان کی لاشیں پانی
ہیں ۔۔ کشتیاں الٹی ہوئی ملی تھیں ۔ اس کے بعد سے
گئی۔" ڈرائیور نے بتایا ۔۔

نے کیا قصور کیا تھا۔" آفتاب بولا۔

مطلب؟" ڈرائیور اس کا عجیب سوال سن کر چونک اٹھا۔
رہ گئے۔

کہ قلعے کی سیر پر کیوں پابندی عاید کی گئی ۔ وہاں

آسیب وسیب کا چکر سننے میں آیا تھا۔ راتوں کو
سنائی دیتی ہیں قلعے میں ۔۔ کچھ لوگ بے ہوش

بات ہے۔" آصف نے لمبا سانس کھینچا۔
کسی نے وہاں دیکھا تو نہیں۔"
ہی کون جو ہمیں دیکھتا ۔۔ ہاں اللہ تعالیٰ ضرور ہمیں
آفتاب بولا۔

"کیا بات ہے، آپ چونک کیوں اٹھے اور آپ نے [illegible]
روک لی" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"تم نے اپنا کیا نام بتایا؟" وہ بے یقینی کے عالم [illegible]

"کامران مرزا" وہ بولے۔ اب ہوٹل کے رجسٹر والا [illegible]
بتایا جا سکتا تھا۔

"لیکن تم نے ہوٹل کے رجسٹر میں تو کچھ اور نام لکھ[illegible]
اس نے ان کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، میرے دو نام ہیں — کاغذی کارروائیوں کے [illegible]
نام اور عام حالات میں یہ نام" انہوں نے کہا۔

"تمہاری بات کچھ جچی نہیں" اس نے کہا۔

"حالاں کہ اس میں نہ جچنے والی کوئی بات نہیں" [illegible]

"خیر ہو سکتا ہے، یہی بات ہو، لیکن الجھن [illegible]
نام جانا پہچانا سا لگتا ہے، جیسے ابھی کل پرسوں ہی [illegible]
وہ سوچنے کے انداز میں بولا۔

"کامران مرزا تو نہ جانے کتنے آدمیوں کا نام ہوگا [illegible]
حیرت کی کیا بات ہے" وہ بولے۔



[illegible] خیر چلو — اس دوران میں یاد کرتا رہوں گا کہ میں نے یہ
[illegible] میں کس سے سنا تھا — کس نے مجھے اس نام کے بارے
[illegible] تھا"

"آپ کو ضرور وہم ہو گیا ہے" وہ مسکرائے۔

[illegible] نے کوئی جواب نہ دیا اور کار چلا دی — انسپکٹر کامران مرزا
[illegible] پیچھے آتے بہت پہلے دیکھ چکے تھے اور جس وقت
[illegible] اپنی کار روکی تھی، اسی وقت وہ کار بھی رک گئی تھی۔
[illegible] کے سامنے پہنچ گئے — روڈان کار سے اترا۔ انہیں بھی
[illegible] گیا — پھر دونوں اندر داخل ہو گئے۔ روڈان انہیں
[illegible] اندرونی کمرے تک آ گیا اور پھر چونک کر بولا:

"[illegible] وہ لوگ تو یہاں نہیں ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہیں
[illegible]

"[illegible] آپ انہیں یہیں چھوڑ کر گئے تھے؟"

"[illegible] حیرت ہے۔ انہوں نے میری ہدایات پر عمل کیوں نہیں
[illegible]

[illegible] وقت تیز تیز قدموں کی گونج ان کے کانوں سے ٹکرائی۔
[illegible] کر مڑے؛ حالانکہ دونوں جانتے تھے کہ کون آ رہا ہے۔
[illegible] انہوں نے ناٹی کو آتے دیکھا۔

"[illegible] ناٹی آپ" روڈان نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں، ہیں — میں اس شخص کو زندہ نہیں چھوڑوں گا"

"لیکن جناب میں نے کیا کیا ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا …

"ابھی بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر ناٹی ان کی طرف جھپٹا …
طوفانی تھا۔ انسپکٹر کامران مرزا اگر پہلے سے باخبر نہ ہوتے …
میں آگئے تھے۔ ناٹی جھونک میں فرش پر گرا، لیکن اس …
میں دیر نہ لگائی۔ اب وہ جان گیا تھا کہ اس کا مقابل …
ہے، لہٰذا اس بار اس نے سوچ سمجھ کر حملہ کیا۔ وہ بہت …
اچھلا تھا اور کوشش یہ کی تھی کہ اپنی دونوں ٹانگیں ان …
پر دے ماریں، لیکن ہوا یہ کہ وہ کمر کے بل فرش پر …
انسپکٹر کامران مرزا اس سے چند قدم دور کھڑے مسکرا رہے …

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"میں تمہارا خون پینا چاہتا ہوں۔" اس نے غرا کر …

"ارے باپ رے — تو انسانی خون کی چاٹ لگ …
وہ مسکرائے۔

اور ناٹی نے جھلاہٹ کے عالم میں تابڑ توڑ حملے …
ایک بار اس نے دھوکا دیا اور حملہ کرنے کی بجائے …
تیزی سے لڑھک کر ان کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ لی …
گرے، لیکن پھر فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ابھی تک …
کوئی وار نہیں کیا تھا، اب رہ نہ سکے —



"لو بھئی، اب میرا بھی ایک وار سنبھالو — تم تو بہت وار کر چکے۔"
… اب … تک انتظار کروں۔"

… کر وہ تیزی سے آگے بڑھے — ناٹی سمجھ ہی نہ سکا کہ
… چاہتے ہیں — نزدیک پہنچتے ہی وہ تیزی سے جھکے، پھر
… ہاتھ اس کے دائیں جبڑے پر اور بایاں ہاتھ پیٹ
… دہرا ہو گیا — پہلے اس نے پیٹ کو دونوں ہاتھوں سے
… کو — رو ڈان اس انتظار میں رہا کہ وہ اب سیدھا
… کرتا ہے اور اب ..... لیکن پھر وہ فرش پر اکڑوں بیٹھ

"… سر، میں اس شخص سے نہیں لڑ سکتا۔"

"… کیا بات ہے؟"

"… آنتوں میں شدید درد اٹھا ہے اور جبڑے میں ٹیسیں اٹھ
… اس کے ہاتھ فولاد کے بنے ہوئے ہیں۔"

"… کامران مرزا، میں اور ناٹی تمہاری طاقت کا اندازہ لگا

"… مطلب، کامران مرزا؟" ناٹی اپنی تکلیف کو بھول کر بولا۔

"… تم بھی یہ نام سن چکے ہو۔"

"… آپ اتنی جلدی بھول گئے — کلرک نے یہی نام تو
… نے اسی نام کے آدمی کو فون کیا تھا۔ اگرچہ اس

نے آواز بہت دھیمی کر رکھی تھی، لیکن ہمارے کلرک کے کا
حیرت انگیز طور پر تیز ہیں۔"

"اوہو، تو یہ اسی شکاری کا فون ملنے کے بعد یہا
کیوں مسٹر، کیا یہی بات ہے؟"

"ہاں، وہ شکاری میرے دوست ہیں۔" انہوں نے
میں کہا۔

"تب تو تم یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکو گے۔"
سرد آواز میں بولا۔

"ایسی بھی کیا مہمان نوازی۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے

"تم ہمارے راز سے واقف ہو چکے ہو۔ یہ جان
ناٹی دراصل میرا ملازم ہے اور میرے اشارے پر لوگوں
مول لیتا ہے۔"

"لیکن میں یہ بات ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ تم
کیوں رچاتے ہو۔ آخر اس کھیل سے تمہارا مقصد کیا ہے
کو اس قلعے تک کیوں پہنچاتے ہو؟"

"یہ بات تمہیں نہیں بتائی جا سکتی۔ ہاں تمہیں تو
گھاٹ اتارا جا سکتا ہے اور اس کے لیے پرانی جھیل بہتر
گی۔ جھیل پہلے بھی کتنے ہی لوگوں کا صفایا کر چکی ہے۔"
کے ساتھ ہی روڈان کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔ یہ دیکھ کر



ال لیا۔ انسپکٹر کامران مرزا چاہتے تو اسی وقت کچھ کر
ب، صرف روڈان نے پستول نکالا تھا، بلکہ وہ اسے پستول
موقع ہی نہ دیتے، لیکن وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ لوگ
یہاں تک کھلتے ہیں۔ ان سے کیا کچھ معلوم کیا جا

ارنے کے لیے جھیل تک لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ تم
یہاں بھی کر سکتے ہو۔" انسپکٹر کامران مرزا پر سکون آواز میں

جھیل کی موت ذرا پر لطف رہے گی۔" روڈان سرد آواز میں

"چلو یونہی سہی، لیکن اتنا تو بتا دو، کہ یہ سب چکر کیا ہے۔
ال کے ذریعے شریف آدمیوں کو کیوں پٹواتے ہو۔ اس کے ذریعے
والات کیوں بھجواتے ہو، وہاں سے خود ہی انہیں کیوں نکلواتے
پھر اس قلعے تک کیوں پہنچاتے ہو۔"

"دراصل یہ ایک امتحان ہوتا ہے۔"

"کیا کر رہے ہیں سر۔" ناٹی نے جلدی سے اس کی بات کاٹ

"اوہ، شکریہ ناٹی، میں تو باتوں باتوں میں اسے بتانے ہی لگا
چلو اسے جھیل پر لے چلیں۔"

"چلیے سر۔"

وہ پستولوں کی زد میں انہیں کار کی پچھلی سیٹ پر
روڈان پستول ہاتھ میں لیے ان کے ساتھ بیٹھ گیا اور پستول کی
کی پسلیوں سے لگا دی۔ ناٹی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا۔ اس
پستول جیب میں رکھ لیا اور کار چلانے لگا۔

جھیل کے پاس پہنچے ہی تھے کہ انہوں نے بھی بلبلاتی
آواز سنی۔

"یہ۔ یہ کیسی آواز تھی۔" انسپکٹر کامران مرزا ہکلائے

"جھیل بھوکی ہے۔ اسے انسانی گوشت کی بھوک لگی
یہ بھوکی ہوتی ہے تو اسی قسم کی آواز نکالتی ہے۔" روڈان
لہجے میں کہا

"اب تم خود ہی جھیل میں چھلانگ لگاؤ گے یا ہم خود
اس میں۔" ناٹی نے نفرت سے بھرپور آواز میں کہا۔

"تو کیا اس طرح چھلانگ لگانے سے ہی جھیل کی
شکار ہو جاؤں گا۔"

"ہاں، جھیل تمہیں خود ہی اپنی تہہ میں کھینچ لے جائے گی
ناٹی ہنسا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"جب تم جھیل کی تہہ میں کھینچے جا رہے ہو گے تو معلوم



کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔"

اچھا بھائی، تو پھر تم خود ہی دھکا دے دو، کیونکہ خودکشی
مذہب میں حرام ہے۔" انہوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔
ان نے کار سے اترنے کے بعد پھر پستول نکال لیا تھا۔ اب
انہیں ایک سمت میں لے چلے۔ ان کا رخ ایک اونچی جگہ
تھا: گویا ان کا پروگرام کسی ٹیلے پر سے انہیں نیچے گرانے
تاکہ وہ فوراً گہرے پانی میں جا گریں۔ وہ ان کا پروگرام
گئے تھے۔ دوسری طرف جھیل کے بارے میں سن کر وہ فکرمند
تھے۔ دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے اور ان کی نالوں
میں ان کی کمر کی طرف تھا۔ آخر وہ ٹیلے کے سرے تک پہنچ
اب وہ جھیل سے کافی اونچائی پر تھے اور اس جگہ سے چھلانگ
کی صورت میں وہ سیدھے گہرے پانی میں جاتے۔

"یہ جگہ موت کا کنارا کہلاتی ہے۔ ہم جب بھی کسی کو جھیل کا
اتے ہیں، یہیں سے بناتے ہیں۔" روڈان نے گویا ان کی معلومات
اضافہ کیا۔

"لیکن وہ آواز کیسی تھی؟" انسپکٹر کامران مرزا ابھی تک الجھن
کار تھے۔

"بتا تو چکے ہیں، جھیل بہت بھوکی ہے۔ بھوک کی وجہ سے بلبلاتی
ابھی جب تم اس کی تہہ میں پہنچ جاؤ گے تو یہ پرسکون ہو جائے

گی۔" ناٹی نے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔

انسپکٹر کامران مرزا نے پانی کی سطح پر نظریں جما دیں۔
لیے دھکا لگنے کے منتظر تھے۔ سطح آب کو بغور دیکھتے
مساموں سے پسینہ پھوٹ لیا۔ پہلی بار انہیں جھیل کے
کا احساس ہوا۔ سورج سر پر چمک رہا تھا۔ دھوپ
تھی۔ اس کی چمک سے پانی کی سطح پر چاندی کے لہریے
ہو رہے تھے۔ ان کے سائے آگے کی طرف پڑ رہے
انھوں نے اپنے پیچھے کھڑے ایک سائے کا ہاتھ اٹھتے
دیا جانے والا تھا۔ وہ بلا کی رفتار سے نیچے بیٹھ گئے!
سے پہلے ان کا پروگرام جھیل میں چھلانگ لگانے کا ہی
سطح کا جائزہ لینے کے بعد پروگرام میں تبدیلی کرنا پڑی
بیٹھتے ہی سائے، یعنی ناٹی کا ہاتھ ان کی کمر کی بجائے ان
پر جا پڑا۔ ساتھ ہی انھوں نے دونوں ہاتھوں سے اس
اور آگے کی طرف زوردار جھٹکا دیا۔

ناٹی کا جسم کسی ہلکے پھلکے بچے کی طرح سر کے بل
جھیل میں جا گرا۔ انسپکٹر کامران مرزا نے اسی پر بس
کی بوکھلاہٹ سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ بلا کی رفتار
اس کے پستول والے ہاتھ پر ہاتھ کی ہڈی دے ماری
کر جھیل میں گرا اور روڈان کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔



کا احساس تک نہیں رہ گیا تھا۔ وہ تو برابر جھیل کی طرف دیکھ
انھوں نے بھی جھیل کی سطح کی طرف دیکھا۔ جھیل بالکل صاف
تھی اور یہ منظر بالکل صاف نظر آ رہا تھا کہ ناٹی ہاتھ پیر
اس کی تہہ کی طرف جا رہا تھا۔ وہ ایک بار بھی نہیں ابھرا
میں گرنے والے جسم پہلے نیچے جاتے ہیں، پھر فوراً
ہیں۔ ناٹی کے جسم کو ابھرنا نصیب نہیں ہوا تھا اور یہ
انگیز ترین بات تھی۔

# ان کی شخصیت

"خیر تو ہے، تمہارے چہرے پر الجھن کے آثار ہیں۔" آصف
جلدی سے کہا۔

"یہ واقعی حیرت کی بات ہے۔ دروازہ تو آصف نے
دستک دینے والے کو بھی پہلے اس نے دیکھا، پھر تمہارا پریشان ہو
معنی رکھتا ہے۔"

"اس شخص کا دروازے پر دستک دینا اور نظر ڈالنا اور
یہ کہہ کر آگے بڑھ جانا کہ سوری، میں نے غلط دروازے پر
دی ہے، مجھے کھٹک رہا ہے۔ فوراً دروازہ کھولو اور دیکھو
شخص کسی اور کمرے کے دروازے پر دستک دے چکا ہے
رہا ہے۔" فرحت نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

آصف نے اس کے لہجے پر فوری اثر کیا۔ اس نے
کھولا اور باہر جھانکا۔ وہ شخص برآمدے میں چلا جا رہا تھا۔
دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ برآمدے کے آخر تک پہنچ گیا۔



مڑا اور آصف نے جلدی سے اپنا منہ اندر کر لیا۔

"وہ برآمدے کے آخر تک جا کر واپس مڑا ہے۔ اب اگر
نے اس کی طرف دیکھا تو وہ سمجھ جائے گا کہ ہم اس کے
کو بھانپ چکے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، دروازہ تھوڑا سا کھلا رہنے دو اور جھری میں سے
رہو۔ اسے واپس آنے اور ہمارے کمرے کے سامنے سے گزرنے
سے زیادہ نہیں لگیں گے، کیونکہ جوں ہی ہمارے کمرے
بڑھا تھا۔ میں نے وقت نوٹ کر لیا تھا۔ اسے آخری سرے
میں نصف منٹ لگا ہے۔" فرحت نے جلدی جلدی کہا۔

اسی وقت انہوں نے قدموں کی آواز سنی۔ آصف نے نظریں
دیں، پھر اس نے منہ ہٹا کر سرگوشی کی:

"وہ واپس لفٹ کی طرف جا رہا ہے۔"

"اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف یہ دیکھنے آیا تھا کہ
اس ہوٹل میں ہی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ہم نے ہوٹل ژالید میں
غلطی کی تھی۔ انہوں نے فوراً ایکسچینج سے معلوم کر لیا
فون کہاں سے کیا ہے۔ اب ہمارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔
ہمارے پاس پہلے ہی نہیں ہے، لہٰذا ہمارے باہر نکلنے پر کسی
نہیں ہوگا کہ ہم ہوٹل چھوڑ کر جا رہے ہیں، جب کہ تین
کرایہ جمع کرا چکے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، آؤ چلیں۔"

وہ افراتفری کے عالم میں ہوٹل سے باہر نکلے۔ آفتاب
کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ہم ذرا باہر گھومنے جا رہے ہیں، اگر کوئی ہم سے
تو اسے بتا دیں۔"

"ضرور بتا دوں گا جناب۔" کلرک نے کہا۔

اور وہ باہر نکل آئے۔

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"ہمیں کسی اور ہوٹل میں ٹھہرنا ہوگا۔" منور علی

"اس سے پہلے ہم اس ہوٹل سے قدرے فاصلے پر
کیوں نہ دیکھیں کہ اب وہ ہمارے خلاف کیا کارروائی
رکھتے ہیں۔" آصف نے تجویز پیش کی۔

"یہ زیادہ مناسب رہے گا۔" آفتاب بولا۔

انہوں نے آس پاس نظریں دوڑائیں اور پھر قدرے
ایک ٹی سٹال نظر آ گیا۔ اس ٹی سٹال سے ہوٹل کا دروازہ
جا سکتا تھا، چنانچہ انہوں نے قدم اٹھا دیے۔ ٹی سٹال
چند آدمی چائے پی رہے تھے۔ وہ بھی کرسیوں پر بیٹھ گئے
کا دروازہ ان کے بالکل سامنے تھا۔ جلد ہی ان کے
رکھ دی گئی اور ابھی چائے پیتے انہیں پانچ منٹ بھی



ایک کار ہوٹل کے سامنے رکی۔ اس میں سے تین غنڈہ صورت
اور اندر داخل ہو گئے۔

"ان میں نہ تو روڈان ہے اور نہ ناٹی۔" آصف نے مایوسانہ
کہا۔

"ضروری نہیں کہ ہر جگہ وہی دونوں جائیں۔ ان کے پاس اس
کے لیے اور بھی لوگ ہوں گے۔"

"لیکن اب یہ کس طرح پتا چلے کہ وہ ہماری ہی تلاش میں
" منور علی خان الجھ کر بولے۔

"ان کے جانے کے بعد میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔"
بولا۔

جلد ہی وہ تینوں باہر نکلتے نظر آئے اور پھر کار میں بیٹھ کر
سے آئے تھے، اسی طرف چلے گئے۔ تینوں کے چہروں پر
آثار انہوں نے صاف دیکھے تھے۔

"میں ابھی آیا۔ آپ لوگ یہیں ٹھہریں۔" آفتاب اٹھتے ہوئے

"آفتاب، کوئی الجھن مول نہ لے لینا۔"

"انکل، الجھن مفت ملتی ہی کب ہے۔" اس نے مسکراتے
اور ٹی سٹال سے باہر نکل گیا۔

"لوگ بھی عجیب و غریب آدمی لگتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا

ہے، جیسے اس قسم کے حالات میں آپ۔ لوگ پہلی بار نہیں
احمد نواز نے بہت دیر بعد زبان کھولی۔

"آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ ارے ہاں، ہم آپ سے تو
ہی بھول گئے۔ آپ کا ان حالات میں کیا پروگرام ہے۔ یہیں
پسند کریں گے یا اپنے ملک جانا۔"

"میری تو عین خواہش ہے کہ فوراً اپنے گھر پہنچ جاؤں

"تو پھر ہم آپ کو ہوائی اڈے چھوڑ آتے ہیں، بشرطیکہ
اور ناٹی کے آدمی ہمارے پیچھے نہ لگ گئے۔" منور علی خان

"میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر یاد رکھوں گا۔"

"ارے صاحب، اس میں احسان کی کیا بات ہے۔

دس منٹ بعد آفتاب آتا نظر آیا۔ اس کے چہرے
کے آثار ظاہر تھے۔ آتے ہی بولا:

"وہ ہمیں ہی تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ کلرک نے انہیں
تھا کہ ہم ابھی گھومنے نکلے ہیں، لہٰذا جلد واپسی کا کوئی
اب وہ کچھ دیر بعد پھر آئیں گے۔ کلرک نے خیال ظاہر
وہ اچھے آدمی نظر نہیں آتے اور یہ کہ حکومت کے آدمی
ہیں۔ اس نے ہمیں یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ جس قدر جلد
ہمیں یہاں سے کافی دور چلے جانا چاہیے۔"

"تم نے واپس جانے کی وجہ کیا بتائی تھی؟" آصف



بھی نہیں، پہلے تو میں اسے ہی بولنے کا موقع دینا چاہتا
اندر داخل ہونے کے بعد تیز تیز قدم اٹھاتا کاؤنٹر کے
لفٹ کی طرف بڑھ رہا تھا کہ کلرک نے خود ہی روک کر
ارے میں بتا دیا۔ میں نے اسے بتایا کہ ہم اوپر ایک
بھول گئے تھے۔ پھر اس کی بات سن کر میں جلدی جلدی اوپر
واپس اتر آیا۔ اب ہمیں یہاں سے چل ہی دینا چاہیے۔"

ٹھیک ہے، لیکن پہلے ہم احمد نواز صاحب کو جہاز پر
آتے ہیں۔"

پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ آج کوئی پرواز جاتی
نہیں۔"

میں معلوم کرتا ہوں۔" آفتاب نے کہا اور کاؤنٹر پر جا کر
متعلق پوچھا۔ ریسٹورنٹ کے مالک نے بتایا کہ سڑک پر پبلک
موجود ہے۔ آفتاب نے اسی سے فضائی کمپنی کا نمبر معلوم
آ کر فون کیا۔ اسے بتایا گیا کہ آج شام چھ بجے ایک
گی۔

احمد نواز کو ہوائی اڈے پہنچا دیا گیا۔ ٹکٹ اس نے
لیا اور انتظار گاہ میں جا کر بیٹھ گیا۔ اسے خدا حافظ
واپس آئے اور ایک ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے منور علی خان

"ہمیں کسی درمیانے درجے کے ہوٹل پہنچا دیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

اس تیسرے ہوٹل کا نام ہوٹل فردوس تھا۔ اس میں کمرہ
کرنے کے بعد سب سے پہلے جو سوال ان کے ذہنوں میں ابھرا
یہ تھا:

"اب وہ انسپکٹر کامران مرزا سے رابطہ کس طرح قائم کریں

○

"مسٹر روڈان، یہ کیسی جھیل ہے؟" آخر انسپکٹر کامران مرزا نے
کر کہا۔

"پپ، پتا نہیں۔" روڈان ہکلایا۔

"خیر، اب میں آپ کے ساتھ کیا سلوک کروں۔ کیوں
کو بھی جھیل میں ہی پھینک دوں۔"

"یہ اتنا آسان نہیں۔" روڈان نے پرسکون آواز
ناٹی جیسا آدمی مجھ سے کانپتا تھا۔"

"گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ اس سے زیادہ
ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"ہاں، یہی بات ہے۔ میں تمہیں ناٹی کے پاس پہنچا کر



تاکہ اس کی روح کو کچھ تو سکون ملے۔ وہ میرا بہت اچھا کارکن تھا۔"
لیکن اس جھیل میں گرنے کے بعد آدمی اوپر کیوں نہیں اٹھتا۔"

کر دیکھ لو۔ معلوم ہو جائے گا۔" وہ بولا۔
اگر آپ کو معلوم نہیں، تو میں یہ تجربہ آپ کو ہی کرنے کا
ساتھ۔ ان کے ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے انہیں دونوں
دھکا دینے کی کوشش کی۔ وہ ہوشیار تھے، فوراً ترچھے
اور وہ اپنے ہی زور میں آگے کی طرف لڑکھڑا گیا۔ اس سے
وہ سنبھلتا، انسپکٹر کامران مرزا اسے ایک بھرپور لات رسید کر
وہ تیزی سے موت کے کنارے کی طرف چلا۔ خوف سے
چیخ نکل گئی، لیکن ٹھوکر اس قدر شدید تھی کہ کوشش کے
رک نہ سکا اور پھر ایک چھپاکا ہوا۔ انہوں نے آگے بڑھ
روڈان کا جسم بھی پانی کے اندر ہی اندر جا رہا تھا۔ ان
آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ یہ جھیل تو مکمل طور پر
کی جھیل تھی۔

موت کے کنارے کھڑے وہ پانی کو تکتے رہے۔ اچانک
وہی خوفناک آواز سنی۔ بلبلوں کی پرشور آواز۔ پھر
ایک ہیبت ناک منظر دیکھا۔ ہزاروں بلبلے سطح پر آکر پھٹے
ان کے ساتھ ہی ناٹی اور روڈان کی لاشیں بھی اوپر آ گئی

تھیں۔ جتنی دیر تک بلبلے پھٹتے رہے، لاشیں سطح پر رہیں اور
پہلے کی طرح نیچے بیٹھتی چلی گئیں۔

انسپکٹر کامران مرزا چکرا کر رہ گئے۔ یہ معاملہ ان کی سمجھ
تھا۔ اچانک انہیں آفتاب، آصف، فرحت اور منور علی خان کا
آیا۔ وہ نہ جانے کہاں تھے۔ انہیں ہر حال میں ان کے پاس
چنانچہ انہوں نے اپنا رخ موڑا اور تیز تیز قدم اٹھانے لگے
گھنٹا تک پیدل چلتے رہنے کے بعد کہیں جا کر انہیں ایک
اس میں سوار ہو کر وہ ہوٹل ژالید پہنچے، لیکن اس کے
اترے اور عقبی دروازے سے اندر داخل ہو کر سیدھے روڈان
کمرے تک آئے، پھر بے دھڑک دروازہ کھول کر اندر داخل ہو
فوراً ہی انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اب انہوں
کمرے کی تلاشی شروع کی۔ میز کی درازوں کی تلاشی کے دوران
انہیں دو کارڈ بھی ملے۔ ان کارڈوں پر تیزی سے گھومتی
گلوب بنی ہوئی تھی۔ انہوں نے بے خیالی میں ان کارڈوں
میں رکھ لیا۔ ایک ایک چیز کی تلاشی لینے کے بعد انہیں
کام کی نظر آئیں، وہ انہوں نے جیبوں میں ٹھونس لیں اور
رکھے فون کا ریسیور اٹھاتے ہوئے کلرک کو مخاطب کیا
"ہیلو، وہ اب تک واپس آیا یا نہیں" ان کے منہ
روڈان کی آواز نکلی۔



"کون سر؟" کلرک نے گڑبڑا کر کہا۔
"وہی ان کا ساتھی، کمرہ نمبر ۲۱۹، ۲۲۰ والا"
"وہ آپ کے ساتھ ہی تو گیا تھا"
"ہاں گیا تھا، پھر میں نے اسے واپس بھیج دیا تھا اور اس کے

"ادھر نہیں آئے جناب، البتہ ان کا فون ضرور آیا تھا۔
"کیا آپ آ کر ان کا پتا مجھ سے پوچھیں گے: چنانچہ میں
ایکسچینج سے معلوم کیا کہ انہوں نے فون کس جگہ سے کیا
اس کے ہوٹل کا نام معلوم کرتے ہی میں نے کومی، جومی اور
ان کی طرف روانہ کر دیا، لیکن وہ ان کے وہاں پہنچنے سے
وہاں سے نکل چکے تھے۔ اب مجھے نہیں معلوم، وہ کہاں ہیں"
انہوں نے کون سے ہوٹل سے فون کیا تھا؟" وہ بولے۔
"ہوٹل لالہ زار سے جناب"
"اچھا میں دیکھ لوں گا انہیں" یہ کہہ کر انہوں نے سلسلہ
پھر ڈائریکٹری میں ہوٹل لالہ زار کے نمبر تلاش کر کے وہاں

"ہیلو، میں ہوٹل ژالید سے روڈان بول رہا ہوں۔ یہاں کچھ
دن غیر ملکی بچوں اور دو مردوں نے کمرے کرائے پر لیے
ان میں سے کسی ایک سے بات کرنا چاہتا ہوں"

"آپ کیا فرما رہے ہیں مسٹر روڈان، آپ کے خیال ا
میں نے جھوٹ بولا ہو گا۔ میں نے آپ کے آدمیوں سے
بھی حقیقت نہیں چھپائی تھی، وہ لوگ گھومنے پھرنے کے لیے
گئے تھے، ابھی تک لوٹ کر نہیں آئے۔"

"اوہ اچھا۔" یہ کہتے ہی انہوں نے ریسیور رکھ دیا ا
کھڑے ہوئے۔ اب انہیں یہاں رکنے کی ضرورت نہیں تھی
اپنے ساتھیوں کا سراغ مل گیا تھا اور اب وہ جلد از جلد
پہنچ جانا چاہتے تھے۔

پچھلے دروازے سے باہر نکل کر وہ ایک ٹیکسی میں
بولے:

"ہوٹل لالہ زار۔"

ٹیکسی چل پڑی۔ انہیں رہ رہ کر جھیل کا خیال آ ر
روڈان اور ناٹی جس طرح مرے تھے، انتہائی خوف ناک
اور یہ منظر دیکھ لیتا تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے
لالہ زار کے سامنے ٹیکسی رک گئی۔ وہ نیچے اترے،
اور اندر کی طرف چلے۔

کاؤنٹر پر پہنچ کر انہوں نے رازدارانہ لہجے میں کہا

"میں ان غیر ملکیوں سے ملنا چاہتا ہوں، جنہوں نے
پہلے ہوٹل میں دو کمرے کرائے پر لیے تھے اور جن کی



آدمی بھی یہاں تک آئے تھے۔ لیکن پھر آپ نے انہیں
لوگ تو گھومنے پھرنے گئے ہوئے ہیں۔"

لیکن آپ کون ہیں؟"

"میں انہی کا ساتھی ہوں اور انہیں تلاش کرتا پھر رہا ہوں۔"

تک نہیں ہے۔" انہوں نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔
نہیں معلوم، وہ کہاں ہیں۔ اتنا بتا سکتا ہوں کہ اب
نہیں آئے۔"

دوست، آپ مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتے، وہ گھومنے
گئے تھے، ان کی عدم موجودگی میں روڈان کے آدمی
آئے تھے اور آپ نے انہیں بتا دیا تھا کہ وہ لوگ
ہیں۔ ان کے جاتے ہی وہ پانچوں یا ان میں سے
واپس آیا ہوگا اور پھر آپ نے انہیں خبردار کر دیا ہو
روڈان کے آدمی ان کی تلاش میں یہاں آئے تھے۔ کیوں یہی
مہربانی فرما کر مجھے بتا دیں، وہ کہاں ہیں، میں ان کا
۔"

"افسوس، میں واقعی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہیں، لیکن آپ
کس طرح لگا لیے۔"

آپ کا چہرہ دیکھ کر۔ آپ روڈان جیسے لوگوں کو پسند نہیں
ان جیسے لوگوں سے شریف لوگوں کو بچانے کی محفوظ ترین

کوشش ضرور کر گزرتے ہیں، تاکہ آپ پر بھی زد نہ آئے۔ میں … کہہ رہا ہوں۔"

"میں نے پوچھا ہے، آپ نے یہ اندازے کس طرح لگائے …" … نے جھنجلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"زیادہ وضاحت سے سننا چاہتے ہیں تو سنیئے — میں نے … دیر پہلے روڈان کی آواز میں آپ کو فون کیا تھا اور ان کے … میں پوچھا تھا تو آپ نے فوراً ہی یہ کہا کہ روڈان صاحب … کے خیال میں میں نے جھوٹ بولا ہوگا — آپ کا یہ جملہ … ہے کہ آپ نے روڈان کے آدمیوں سے جھوٹ بولا تھا۔" … جلدی جلدی کہا۔

"یہ غلط ہے، میں نے واقعی جھوٹ نہیں بولا تھا۔"

"خیر، میں مانے لیتا ہوں، لیکن ان کے جانے کے بعد … میں سے ضرور کوئی ہوٹل میں آیا تھا اور آپ نے اسے … سے خبردار کیا تھا — یہ بات آپ کو ماننا ہی پڑے گی۔" اس … وہ روڈان کی آواز میں بولے۔

کلرک کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں — آخر اس … آواز میں کہا۔

"آ — آپ — آپ کون ہیں؟"

"پہلے میری بات کا جواب دیں۔"



"ان … میں مانتا ہوں، میں نے انہیں خطرے سے خبردار کیا تھا … دیں کہ آپ کون ہیں؟"

"… بتا چکا ہوں، میں ان کا ساتھی ہوں — اب میں انہیں کمال …

"… میں اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔"

"… مجھے اس ہوٹل کے ان کمروں میں رہنے کی اجازت دیں … لیے گئے تھے۔"

"… انہوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ ان کا ایک اور ساتھی بھی … ہے، لہذا اصولی طور پر میں یہ بھی نہیں کرسکتا۔"

"اچھا تو ایک نیا کمرہ مجھے دے دیں۔"

"ہاں یہ ہوسکتا ہے۔ ان کے کمروں کے ساتھ والا ایک کمرہ … ہیں وہ آپ کو دے سکتا ہوں۔"

"بہت شکریہ — لیکن مہربانی فرما کر میرے بارے میں کسی سے … کہا۔" انہوں نے جیب سے بٹوا نکالتے ہوئے کہا۔

"فکر نہ کریں — ہم حکومت کے مخالف آدمیوں میں سے … روڈان حکومت کا خاص آدمی ہے، اگرچہ بظاہر وہ یہ … حکومت کا مخالف ہے، اس طرح وہ مخالفوں کو پہچان … انہیں موت کے گھاٹ اتروا تا رہتا ہے۔" اس نے بتایا۔

انسپکٹر کامران مرزا دھک سے رہ گئے — یہ بات انہیں اسی

وقت معلوم ہوئی تھی، پھر وہ چونک کر بولے:

"لیکن آپ نے یہ اندازہ کس طرح لگایا؟"

"میں ایک سیاسی پارٹی کا سرگرم رکن ہوں۔ پارٹی ان ا...
یوں سمجھ لیں کہ زیرِ زمین ہے، وہ رفتہ رفتہ اپنے ممبروں کی
میں اضافہ کر رہی ہے۔ ہم اس دن کے انتظار میں ہیں، جب
کے خلاف بغاوت کرنے کے قابل ہو جائیں۔ ہماری پارٹی کو
لوگوں کے بارے میں معلومات ہیں، جو حکومت کے خاص آدمی
لیکن ظاہر یہ کرتے ہیں کہ وہ حکومت کے مخالف ہیں۔"

"اوہ، تو یہ بات ہے، اور آپ کی پارٹی کا نام؟"

"اف خدا، میں یہ باتیں آپ کو کیوں بتا گیا۔ آج
بات کبھی میری زبان پر نہیں آئی، آج کس طرح آ گئی۔ ...
کی شخصیت میں کوئی ایسی بات ہے جو آدمی کو بے خبر کر ...
اب اگر آپ روڈان کے جاسوس ہوئے تو میں تو مارا گیا..."
اس نے کانپ کر کہا۔

"فکر نہ کریں، میں ایک غیر ملکی ہوں۔ آپ پسند کریں
آپ کو اپنے کاغذات دکھا دوں۔"

"نہیں ۔۔۔ نہ جانے کیوں مجھے آپ پر یقین ہے"
کہا۔

"شکریہ، تو آپ کی پارٹی کا نام کیا ہے؟" انھوں نے ...



...ئی صبح۔" اس نے کہا۔

"تو یوں کہیے، ہوٹل لالہ زار دراصل نئی صبح کا ایک اڈا ہے۔"

"ہاں، آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔
"اگر میرے ساتھیوں میں سے کسی کا فون آئے تو انھیں بتا دیجیے
...نہیں ہوں اور ان سے ان کا پتا لے لیجیے گا۔"

"بہت اچھا۔ کیا آپ یہ نہیں بتائیں گے کہ روڈان کو آپ
... کیا دشمنی ہے؟"

"میں خود بھی نہیں جانتا۔ بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ہم نے
...الیڈ میں قیام کیا تھا اور پھر ناٹی ایک آدمی سے جھگڑ پڑا
...ناٹی کے خلاف گواہی دے بیٹھے۔"

"اوہ، تو یہ بات ہے۔"

"ویسے کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ روڈان اور ناٹی غیر ملکیوں سے
...کیوں کرتے ہیں۔"

"اس کی وجہ مجھے خود بھی معلوم نہیں۔ ہم ان کے بے شمار
... بے خبر ہیں۔" اس نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں، میں آپ کو ایک خبر سنا سکتا ہوں۔ حکومت کی پارٹی
...ناٹی سے ہاتھ دھو بیٹھی ہے۔"

"مطلب؟" وہ زور سے چونکا۔

"وہ مارے جا چکے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کچھ سو
اسے بتا ہی دیا۔ خطرہ مول لیے بغیر وہ یہاں کچھ بھی نہیں کر
تھے۔

"لیکن کیسے؟" کلرک کے لہجے میں بلا کی حیرت در آئی۔

"میرے ہاتھوں، میں نے انہیں پرانی جھیل میں ڈبو دیا۔"
انہوں نے کہا۔

"نہیں، میں یقین نہیں کر سکتا۔" وہ بوکھلا اٹھا۔

"کیوں، اس میں یقین نہ کرنے والی کون سی بات ہے؟"

"ناٹی آپ جیسے کم از کم دس پر بھاری ہے اور روڈان
لڑاکا گنا جاتا ہے۔"

"تب پھر کل کا اخبار پڑھ لیجیے گا۔ اس وقت تک
کو بھی معلوم نہیں۔ چاہے آپ فون کر کے ہوٹل ژالید سے معلوم
لیں۔ وہ یہی بتائیں گے کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے مسٹر روڈان
میں ہی تھا اور میں نے ہی آپ سے فون پر بات کی تھی
تو ثبوت بھی پیش کر دوں۔ یہ دیکھیے، میں روڈان کے کمرے
کی کئی چیزیں نکال لایا ہوں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور بہت سی
نکال کر کاؤنٹر پر ڈھیر کر دیں، لیکن ان بہت سی چیزوں
کلرک نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اس کی نظریں تو کاؤ



دان پر جمی تھیں۔ اسی وقت کاؤنٹر پر رکھے فون کی گھنٹی
اٹھی۔

# آپ کا خادم

"اس کا مطلب ہے، ہم ابا جان کو کھو چکے ہیں۔"

"دماغ تو نہیں چل گیا تمہارا۔ نہ ہم نے انہیں کھو
نے ہمیں۔ ہم کچھ وقت کے لیے بچھڑ ضرور گئے ہیں
فکر کی کوئی بات نہیں۔ ہم جلد ہی ان تک یا وہ
جائیں گے۔" آصف نے بھنا کر کہا۔

"بھلا وہ ہم تک کس طرح پہنچ جائیں گے، جب
ہوٹل کے کلرک کو کچھ بھی نہیں بتا کر آئے۔ اول تو
تک بھی کیسے پہنچیں گے۔ انہیں کیا معلوم کہ ہوٹل ڈرائیور
نے ہوٹل لالہ زار میں کمرے لیے تھے اور پھر وہاں سے
نکلے۔" فرحت نے اعتراض کیا۔

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے، وہ
لالہ زار ہوٹل تک پہنچ ہی جائیں۔ اس لیے ہمیں اس
اپنے بارے میں بتا دینا چاہیے۔" آصف نے تجویز پیش کی۔



خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ روڈان اس سے اگلوا سکتا ہے۔"
بولے۔

دوسری ترکیب یہ ہے کہ ہم وقتاً فوقتاً اسے فون کرتے
آصف نے کہا۔

یہ بہتر رہے گا۔" آفتاب جلدی سے بولا۔
پہلے یہی کیوں نہ کیا جائے۔" فرحت کافی بے چین تھی۔
ہے، میں فون کر کے آتا ہوں۔" آفتاب نے کہا۔
ہوٹل میں ہر کمرے میں فون موجود نہیں تھا۔ کاؤنٹر سے
کے باہر پبلک فون بوتھ سے فون کیا جا سکتا تھا۔ آفتاب
فون کرنا بہتر خیال کیا۔ فون بوتھ میں داخل ہو کر اس
۔ فوراً ہی لالہ زار کے کلرک کی آواز سنائی دی:

"لالہ زار ہوٹل ہے فرمائیے۔"

میں وہی لڑکا بول رہا ہوں جس نے اپنے ساتھیوں کے
دو کمرے لیے تھے اور پھر روڈان کے آدمی ان کی تلاش
تک پہنچے تھے۔ آپ نے ہم پر مہربانی کی تھی اور ہمیں
کے آدمیوں کے بارے میں بتا دیا تھا۔"

"اوہ، یہ آپ ہیں۔ فرمائیے، میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"
آواز سنائی دی۔

"ہمارے ایک ساتھی ہم سے بچھڑ گئے ہیں۔ اگر وہ ہمیں تلاش

کرتے ہوئے آئیں تو کیا آپ انہیں ہمارا پیغام دے سکتے

"ہاں کیوں نہیں — آپ پیغام دے دیں۔"

"تو پھر ان سے کہہ دیجیے گا، لیکن نہیں — ہم آپ کو
اپنا ٹھکانا نہیں بتا سکتے۔ اگر وہ آئیں تو ان سے کہہ دیجیے
ہم اسی جگہ پر فون کرکے ان کے بارے میں معلوم کرلیں

"اچھی بات ہے۔ میں انہیں پیغام دے دوں گا، آپ
رہیں۔" کلرک نے کہا اور آفتاب ریسیور رکھ کر باہر نکل آیا۔

بوتھ سے باہر ایک اور شخص فون فارغ ہونے کے
کھڑا تھا۔ اس کے نکلتے ہی وہ اندر داخل ہوگیا — محمود اور
اور انہیں بتایا کہ کیا پیغام دے آیا ہے۔

"اس کا مطلب ہے، اب آرام کرنے کے سوا ہمیں
کام نہیں۔" آصف بولا۔

"بھئی کام کی کونسی بات ہے۔ ہم خیالی گھوڑے تو
سکتے ہیں — ارے ہاں، ہم مغربی حصے کے حالات کے بار
تو بھول ہی گئے۔ جس وقت انکل کا فون ہمیں ملا تھا، اس
ہم محمود، فاروق، فرزانہ اور انکل جمشید کے بارے میں بات
کر رہے تھے، وہاں پروفیسر داؤد صاحب اور پروفیسر ہامان کی ای
اڑا لی گئیں اور وہ لوگ بھی کچھ نہ کرسکے اور وہ نہ جانے کیا کر
ہوں گے۔ ان کے کیا حالات ہوں گے۔" آفتاب بولا۔



"کر کیا رہے ہوں گے۔ ایجادات اڑا لے جانے والوں کی تلاش
ہوں گے۔" فرحت نے جواب دیا۔

"لیکن جو لوگ ان کی موجودگی میں یہ وارداتیں کر گزرے، وہ
کیا ہاتھ آئیں گے۔" آصف بولا۔

"بھئی انکل جمشید کوئی معمولی آدمی تو نہیں — وہ بھی ان کا
نہیں چھوڑیں گے۔" آفتاب نے منہ بنا کر کہا۔

"ذرا مجھے بھی تو بتاؤ، میں نے ان واقعات کے بارے میں کچھ
پڑھا۔" منور علی خان بے تاب ہو کر بولے۔

آفتاب نے اخبارات میں جو کچھ پڑھا تھا، انہیں بتا دیا۔

"عجیب حالات ہیں۔ اس بار تو وہ بھی ایک عجیب معاملے میں
ہوئے ہیں اور ہم لوگ بھی۔" منور علی خان بڑبڑائے۔

"ہم لوگ تو خیر خود اس معاملے میں الجھے ہیں۔ آپ کے
خیریت پہنچ جانے کے بعد اگر ہم ادھر نہ آتے تو ان حالات
کبھی بھی نہیں پھنس سکتے تھے۔"

عین اسی وقت انہوں نے باہر شور کی آواز سنی۔ کھڑکی میں
جھانک کر دیکھا تو بہت سے لوگ جمع نظر آئے۔

"یہ کیا گڑبڑ ہے۔" آفتاب بڑبڑایا۔

"یہ لوگ جھگڑا تو رہے نہیں — ایک دوسرے سے حیرت اور
کے انداز میں باتیں کر رہے ہیں۔"

"کیوں نہ نیچے چل کر معلوم کریں، کیا معاملہ ہے؟"

"ہاں ٹھیک ہے" منور علی خان بولے۔

وہ جلدی سے نیچے اترے۔ کاؤنٹر پر بھی کچھ لوگ ... کرتے نظر آئے۔ کاؤنٹر کلرک کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آ رہے تھے۔ یہ بھی ان کے قریب کھڑے ہوگئے۔

"بس اب شہر پر کوئی مصیبت آیا ہی چاہتی ہے" ... کہہ رہا تھا۔

"خدا اپنا رحم کرے۔ پہلے ہی ہم پر مصیبتوں کے پہاڑ ... ہوئے ہیں۔"

"کیا ہوا بھئی، کیا معاملہ ہے؟" ہال میں سے ... طرف آتے ہوئے ایک آدمی نے بلند آواز میں پوچھا۔

"روڈان اور ناٹی کو کسی نے پرانی جھیل میں پھینک ... ابھی ابھی ان کی لاشیں جھیل میں دیکھی گئی ہیں۔ حکومتی ... جھیل پر پہنچ چکی ہے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر ... بلکہ پوری ریاست میں پھیل جائے گی۔"

"اوہ یہ بہت برا ہوا۔ اب لوگوں کو دھڑا دھڑ گرفتار کیا جائے گا اور ان میں ننانوے فی صد لوگ بے گناہ ہوں گے" ... بولا۔

"یہ کام ضرور حکومت کی مخالف جماعت کا ہے" ایک ...



... ہو گیا۔

اور وہ وہاں سے پیچھے ہٹ آئے، پھر اپنے کمرے میں آ کر ... گئے۔

"تو روڈان اور ناٹی مارے گئے۔ حیرت ہے، کچھ دیر پہلے ہم نے انہیں زندہ سلامت دیکھا تھا اور اب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں" ... علی خان سوچ میں گم لہجے میں بولے۔

"کہیں کہیں ان دونوں کو...." آفتاب کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" آصف نے اسے گھورا۔

"کہیں ان دونوں کو ابا جان نے تو ہلاک نہیں کیا" آفتاب نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"اوہ، یہ عین ممکن ہے۔"

"اور تمہارے ابا جان کہاں ہیں دوستو؟"

اس آواز کو سن کر وہ زور سے اچھل پڑے۔ بوکھلا کر ... کی طرف دیکھا تو آفتاب کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل ...

... کی گھنٹی نے کلرک کو چونکا دیا۔ اس نے کارڈوں پر سے

نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"ہیلو، یہ لالہ زار ہوٹل ہے، فرمائیے۔"

پھر وہ فون پر بات کرتا رہا۔ انسپکٹر کامران مرزا بغور سنتے
رہے۔ آخر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"کون تھا فون پر؟" انسپکٹر کامران مرزا جلدی سے بولے۔

"ایک صاحب تھے، کسی مسافر کو پیغام دینا چاہتے تھے۔ آپ
فوری طور پر یہ چیزیں جیب میں رکھ لیں اور میرے ساتھ آئیں۔"

"لیکن کہاں؟" انہوں نے چیزیں جیب میں رکھتے ہوئے

"یہاں بات چیت کرنا مناسب نہیں۔ آپ روڈان
سے بہت سی خاص چیزیں اڑا لائے ہیں۔ اگر یہ آپ کے
کسی نے دیکھ لیں تو آپ مشکل میں پھنس جائیں گے۔"

"پہلے یہ بتائیے کہ فون کس کا تھا؟" انہوں نے بے تاب
کہا۔

"کیا آپ کو میری بات پر یقین نہیں آیا؟" انہوں
ہو کر کہا

"نہیں، جب کوئی شخص مجھ سے جھوٹ بولتا ہے تو میں
بھانپ لیتا ہوں۔ کیا فون میرے کسی ساتھی کا تھا؟"

"آپ واقعی بہت چالاک ہیں۔ یہ اندازہ آپ نے کس طرح
اس کے لہجے میں اب بھی حیرت تھی۔



فون پر دوسری طرف کی آواز سنتے ہی آپ نے چور نظروں
طرف دیکھا تھا۔"

"ہاں، آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔ انہوں نے آپ کو
ہے کہ آپ اسی ہوٹل میں ٹھہریں، وہ دوبارہ فون کریں
میں آپ کو اوپر ایک محفوظ کمرے میں پہنچانا چاہتا
فون بھی موجود ہے، جوں ہی ان کا فون ملا۔ میں اس فون
دوں گا۔"

بات ہے، چلیے میں آپ پر اعتبار کرنے پر مجبور ہوں۔"
الجھن کے عالم میں کہا۔

لفٹ میں سوار ہوئے اور سب سے اوپر والی منزل
ایک کمرے کا تالا کھول کر کلرک اندر داخل ہو گیا، پھر دروازہ
کرتے ہوئے اس نے کہا۔

خدمات کے صلے میں آپ کو بھی مجھے ایک چیز دینا ہوگی۔
نہیں، میں درخواست کر رہا ہوں۔"

چیز؟" وہ حیران ہو کر بولے۔ کلرک کا رویہ پراسرار تھا۔
کارڈوں میں سے ایک کارڈ۔" اس نے دبے دبے
میں کہا۔

کارڈ میں ایسی کیا بات ہے؟" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔
خود مشکل میں ہوتے تو میں آپ سے دونوں کارڈ

دینے کی درخواست کرتا، لیکن ان حالات میں آپ سے ...
لینا آپ پر ظلم کرنے کے برابر ہوگا — یہ کارڈ حکومت ...
خاص آدمیوں کو دیے جاتے ہیں، انہیں دکھا کر ...
بھی محکمہ میں کوئی بھی کام لے سکتے ہیں۔ کارڈ والے ...
کیا جا سکتا — ہم آج تک ایسا کوئی کارڈ حاصل نہیں کر ...
کے پاس ایک کارڈ ہوتا ہے، وہ حکومت کا خاص آدمی ...
اور جس کے پاس دو کارڈ ہوں، وہ بہت ہی خاص آدمی ...
ہے۔ تین کارڈ والا آدمی تو گویا صدر کے وزیر کے برابر ...
مالک ہوتا ہے۔"

"گویا روڈان بہت ہی خاص آدمی تھا۔" انہوں نے ...

"نہیں، اس سے بھی زیادہ — ایک کارڈ وہ ...
ہوگا۔ آپ کو اس کی جیبوں کی تلاشی لینے کا موقع ...

"بالکل نہیں۔" انہوں نے کہا۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی — کلرک نے چونک کر ...
اور بولا۔

"ہیلو، حازم بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف کی گفتگو نے اسے پریشان کر دیا ...
رکھتے ہوئے اس نے کہا۔

"لاشیں دریافت کر لی گئی ہیں۔ ایک حکومتی ادا...



... اس نے لاشیں جھیل میں دیکھی ہیں اور یہ خبر اب پورے
... کر رہی ہے کہ روڈان اور تاٹی کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔
... لوگوں پر مصیبت ٹوٹے گی۔"

... مطلب؟" وہ چونکے —

... گرفتاریاں شروع ہو جائیں گی اور سب کے سب
... والے بے گناہ ہوں گے۔"

... وہ دھک سے رہ گئے۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی
... تھی کہ روڈان اس قدر اہم آدمی بھی ہو سکتا ہے، ورنہ
... زندہ ہی رہنے دیتے۔ انہیں اس بات نے پریشان
... ان کی وجہ سے بے گناہ لوگ مشکل میں پھنس جائیں گے۔

... اب کیا ہوگا؟" وہ بولے۔

... کیا — پکڑ دھکڑ اسی طرح جاری رہے گی، پھر لوگوں کو
... گا۔" اس نے لاپروائی سے کہا، پھر چونک کر بولا:
... ہاں، آپ نے کارڈ دینے کے بارے میں کیا فیصلہ کیا

"... میرے لیے ایک کارڈ کافی ہے۔ شاید میں دوسرا
... آپ کو ہی دے دوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے جیب سے
... نکال کر اسے دے دیا۔

"... اب میں یہیں رہوں گا۔" انسپکٹر کامران مرزا پریشانی کے

ٹھہر جائیے، میں پارٹی لیڈر سے مشورہ کرلوں۔ وہ ملک کے حالات
جس قدر واقف ہیں، کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا — ان حالات
آپ کو بہترین مشورہ وہی دے سکتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے، لیکن ذرا جلدی کیجیے۔ کہیں مجھے

جائے۔"

"رابطہ قائم کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔"

یہ کہہ کر اس نے فون پر چند نمبر گھمائے، سلسلہ فوراً ہی مل

"ہیلو سر، میں آپ کا خادم خازم بول رہا ہوں —
اور ناٹی کے قتل کی خبر تو سن ہی چکے ہوں گے —
غیر ملکی کا ہے — وہ عجیب حالات کا شکار ہیں۔ ان کے
سے مشورہ کرنا ہے۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو کر دوسری
بات سننے لگا، پھر پوری تفصیل سے بات بتانے لگا۔ خاموش
پھر اس نے کہا:

"بہت بہتر سر، ہم آپ کا انتظار کر رہے ہیں، جلد
لائیے۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ گلوب والا کارڈ
میز پر رکھا تھا۔ اس نے کارڈ اٹھا کر ہاتھ جیب میں ڈالا اور

"مسٹر کارڈون خود یہاں پہنچ رہے ہیں۔ انہیں آپ
بہت خوشی ہو گی — براہِ راست ملاقات کر کے وہ آپ
دے سکیں گے۔"



"لیکن اس طرح تو مجھے بہت دیر ہو جائے گی۔" انہوں نے
ہو کر کہا۔

"مسٹر کارڈون کو یہاں پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں
" اس نے کہا۔

کیا بہتر نہیں ہو گا کہ میں پہلے اپنے ساتھیوں سے مل آؤں
آکر مسٹر کارڈون سے بات کرلوں۔" انہوں نے جلدی

نہیں، اس میں خطرہ ہے، آپ یہیں ٹھہریے۔"

مجھے افسوس ہے مسٹر جازم، میں رک نہیں سکتا۔ میرے ساتھی
مشکل میں ہیں — میرے بیٹے کا لہجہ پُرسکون نہیں تھا — میں
آکر آپ کے کارڈون سے بات کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ
دروازے کی طرف بڑھے۔

رک جائیے مسٹر کامران مرزا، آپ اس طرح نہیں جا سکتے۔" جازم نے
کہا۔

انسپکٹر کامران مرزا حیران ہو کر مڑے — انہوں نے دیکھا، جازم کے
میں پستول چمک رہا تھا — تھوڑی دیر پہلے دایاں ہاتھ کارڈ
میں ڈالا تھا —

کہا مسٹر جازم۔" انسپکٹر کامران مرزا نے بُرا سا منہ بنایا —
افسوس ہے، مسٹر کارڈون کا حکم یہی ہے — جب تک وہ

نہ آ جائیں، آپ کو جانے نہ دیا جائے۔" اس نے واقعی افسوس
آواز میں کہا۔

"لیکن میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میرے ساتھی مشکل
ہیں۔"

"فکر نہ کریں، ان کے لیے بھی کچھ کیا جائے گا۔" اس

"میں کہہ چکا ہوں کہ جلد واپس آؤں گا۔"

"سوری، میں مجبور ہوں۔ کاش میں مسٹر کارڈون
کیے بغیر آپ کو جانے دیتا۔ اب میں ان کا حکم مانے
پارٹی کے لیے جان تک دینے کا عہد ہم لوگوں نے کر رکھا

"اچھا، جیسے آپ کی مرضی۔ کیا میں بیٹھ بھی نہیں سک
نے کہا۔ کرسیاں جازم کے قریب موجود تھیں۔

"اوہ، کیوں نہیں۔ آپ کوئی قیدی تو نہیں۔ آپ
محسن ہیں۔ ہمارے دو بڑے دشمنوں کو آپ نے موت
اتار دیا ہے۔ آئیے تشریف رکھیے۔ یہ پستول تو میں نے
عالم میں جیب سے نکالا ہے، کیونکہ آپ رک نہیں رہے
نے پر اخلاق لہجے میں کہا۔

اور انسپکٹر کامران مرزا لاپروائی سے کرسی کی طرف
زور سے لڑکھڑائے اور دھڑام سے گرے۔

"ارے ارے، سنبھل کر۔" جازم نے بوکھلا کر کہا اور



پر جھکا۔

اور یہی اس کی غلطی تھی۔ دوسرے ہی لمحے ایک بھرپور مکا
کی ٹھوڑی پر لگا اور وہ دوسری طرف الٹ گیا۔ وہ مکمل طور پر
ہو چکا تھا۔ انسپکٹر کامران مرزا نے ایک چھلانگ لگائی اور
باہر نکل آئے۔ صرف دو منٹ بعد ایک ٹیکسی میں ہوٹل
کی طرف اڑے جا رہے تھے۔

# پہلی خبر

دروازے پر موجود شخص کے ہاتھ میں پستول تھا اور اس
نالی کا رخ ان کی طرف تھا، لیکن پستول دیکھ کر آفتاب خوف
نہیں ہو سکتا تھا — اس کی وجہ کچھ اور تھی، لہذا فرحت نے بلا
کہا۔

"خیر تو ہے آفتاب، تم خوف زدہ کیوں ہو؟"

"میں نے نیچے جا کر پبلک فون بوتھ سے فون کیا تھا،
بوتھ سے باہر نکلا تو اس شخص کو بوتھ کے دروازے پر کھڑے
اس وقت میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی؛ گویا
سے ہی نگرانی کر رہا ہے۔"

"اوہ —" وہ دھک سے رہ گئے۔

"کیا تمہارا تعلق روڈان سے ہے؟"

"میں صرف حکومت کا نمائندہ ہوں — میری ڈیوٹی
سے آنے والوں کی نگرانی کرنا ہے — جب سے تم لوگ



میں برابر تمہاری نگرانی کر رہا ہوں۔"

"اوہ، حیرت ہے — ہم نے محسوس نہیں کیا۔" آصف بولا۔

"میں نگرانی کرنے کا ماہر ہوں اور پھر یہاں کی سڑکوں سے اس
واقف ہوں کہ اگر کوئی شخص ایک سڑک پر جا رہا ہے تو
اس کی نگرانی کرنے کے لیے اس کا تعاقب کرنے کی ضرورت نہیں،
اور سڑک کے ذریعے اس سے آگے پہنچ جاتا ہوں اور اس
تعاقب کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔"

"اوہ —" وہ ایک ساتھ بولے۔

"اب میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارا وہ ساتھی کہاں ہے، جس نے
اور نائی کو ہلاک کیا ہے؟"

"ہم خود ان کی تلاش میں ہیں۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"اور تم نے اس کی تلاش میں کس جگہ فون کیا تھا — اچھا،
کرو کہ ایک بار پھر نیچے جا کر پھر فون کرو اور معلوم کرو کہ
پہنچا ہے یا نہیں — اگر وہ وہاں موجود ہو تو اسے یہاں
کے لیے کہو۔"

"آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں نیچے جا کر فون کروں۔" آفتاب
ان ہو کر کہا۔

"ہاں، میرا ایک ساتھی تمہارے ساتھ جائے گا — اس کی جیب
ہوگا — تم اپنے ساتھی کو صرف یہ بتاؤ گے کہ تم لوگ ہوٹل

فردوس کے کمرہ نمبر ۱۱۱، ۱۱۲ میں ٹھہرے ہو اور بس۔ یہ پیغام [illegible]
اسی طرح واپس اوپر آ جاؤ گے۔ اگر تم نے کوئی غلط حرکت [illegible]
پھر تمہاری زندگی کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔"

"زندگی کی ضمانت تو آپ غلط حرکت نہ کرنے کی [illegible]
بھی نہیں دے سکتے۔" آفتاب نے منہ بنایا، پھر بولا:

"کہاں ہے آپ کا ساتھی؟"

"دروازے پر۔ چلو بھئی، تم اس کے ساتھ جاؤ۔"

"یس سر، میں تیار ہوں۔" باہر سے آواز آئی۔

"جاؤ اور فون کر کے سیدھے ادھر آؤ۔" اس نے [illegible]

"اچھا۔" آفتاب نے پیر پٹخے اور باہر نکل گیا۔ پانچ [illegible]
اس کی واپسی ہوئی۔ اب پستول والے کا ساتھی بھی اندر آ گیا [illegible]
کے ہاتھ میں بھی پستول نظر آیا۔

"کیوں، کیا رہا؟"

"وہ آ رہے ہیں۔ فکر نہ کریں۔"

"بہت خوب۔ ہم روڈان کے قاتل کو اتنی جلدی گرفتار کر [illegible]
یہ تو ہم نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اب آئے گا مزا۔ ہمیں شاندار [illegible]
ملیں گی۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

اچانک فرحت نے ایک زوردار چیخ ماری اور پھر بیہوش [illegible]
زمین پر لوٹنے لگی۔



"[illegible] اسے کیا ہوا؟"

"[illegible] پھر پیٹ درد کا دورہ پڑا ہے۔" منور علی خان گھبرا کر بولے۔

"[illegible] مطلب؟"

"[illegible] اکثر یہ دورہ پڑتا ہے۔ اب فوری طور پر ڈاکٹر کو بلوانا
[illegible] ورنہ یہ چیخ چیخ کر سارا ہوٹل سر پر اٹھا لے گی۔"

"[illegible] ہم ڈاکٹر کو نہیں بلا سکتے۔ ہم مسٹر روڈان کے قاتل کو
[illegible] گرفتار کرنا چاہتے ہیں، ورنہ ہمارے افسرانِ بالا اس
[illegible] کو اپنا کارنامہ ثابت کر دیں گے۔" اس نے کہا۔

"[illegible] ظلم ہے۔" منور علی خان نے چلا کر کہا اور پھر بے چین
[illegible] کی طرف بڑھے۔ ادھر سے آفتاب بڑھا۔ دونوں اس زور
[illegible] کہ توازن برقرار نہ رکھ سکے۔ منور علی خان ذرا لمبے ہی
[illegible] اور ایک پستول والے سے ٹکرا گئے۔ وہ اپنے ساتھی سے
[illegible] اور جب تک وہ صورتِ حال کو سمجھ سکتے۔ منور علی خان ان
[illegible] پستول والے ہاتھ پکڑ کر اوپر اٹھا چکے تھے۔ آفتاب، آصف
[illegible] فوری طور پر ان پر جھپٹ پڑے۔ ادھر منور علی خان ان
[illegible] کو قابو میں رکھنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔
[illegible] بھی حکومت کے دونوں سراغرسانوں نے ٹریگر دبانے کی کوشش
[illegible] گویا وہ اس کمرے میں ہونے والے ہنگامے کی بھنک بھی
[illegible] پڑنے دینا چاہتے تھے۔ آفتاب اور آصف نے حرکت میں

آتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ دونوں کی ایک ایک ٹانگ پکڑ
وہ پہلے ہی منور علی خان سے زور آزمائی کے سلسلے میں توازن
نہیں رکھ پا رہے تھے، لہذا دھڑام سے گرے اور فرحت
دونوں کے ہاتھوں پر اپنی جوتی کی نوکیلی ایڑی دے ماری
ترکیب سے پستول ان کے ہاتھوں سے نکل گئے۔ فرحت
پھرتی سے پستول اپنے قبضے میں کر لیے اور اٹھتے ہوئے بولی
"اب آپ انہیں شوق سے چھوڑ دیں ابا جان"
"اتنے شوق سے چھوڑنے کی بھی کیا ضرورت ہے" آفتاب
"بہت خوب، تم تینوں نے کمال کر دیا"
"ہم تینوں نے کہاں، صرف فرحت نے ۔۔۔ اصل
کی تھی"
"بہر حال یہ ٹیم ورک ہی تھا" منور علی خان خوش
آصف نے دروازے کی چٹخنی لگا دی ۔۔۔ اب ایک پستول
خان کے ہاتھ میں تھا اور دوسرا فرحت کے ہاتھ میں۔
"یہ تم نے اپنے حق میں اچھا نہیں کیا" ان میں
"آپ ٹھیک کہتے ہیں، یہ ہماری بہت پرانی عادت
اپنے حق میں عام طور پر اچھا نہیں کرتے" آفتاب
"اب تم لوگوں کا یہاں سے بچ کر جانا ناممکن ہو گیا"
بولا۔



ری غلط فہمی ہے بھئی، دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں"
دوستانہ انداز میں کہا۔
"اب تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے" اس نے پوچھا۔
"اس سلسلے میں کیا کہہ سکتے ہیں۔ یہ تمہارا ملک ہے، تم
گرام ہے" آصف بولا۔
گرام تو یہی ہے کہ تم سب کو اور تمہارے اس ساتھی
عدالت میں پیش کر دیں"
"واہ، کتنا اچھا۔۔۔"
کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے ۔۔۔ اسی وقت دروازے
ی تھی ۔۔۔ وہ چونک اٹھے، پھر آفتاب نے چہک کر کہا:
خان، کیا آپ ہیں باہر؟"
معلوم ہوتا ہے، تم نے مشکل پر قابو پا لیا ہے۔ وہ باہر
آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ ہم مشکل میں ہیں" آفتاب
مسکراتے ہوئے کہا۔
ری آواز چغلی کھا رہی تھی" انہوں نے اندر داخل ہوتے
لگاتے ہوئے کہا، پھر بولے:
تو کیا معاملہ ہے؟"
ان دونوں کے بارے میں بتایا۔ آفتاب کے خاموش

ہوتے ہی انہوں نے کہا:

"ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ کچھ لوگ یہاں
والے ہیں۔ اگر ہمارے یہاں سے نکلنے سے پہلے وہ آ گئے
نکلنا بہت مشکل ہو جائے گا۔"

"اوہ" ان کے منہ سے نکلا۔

"چلو بھئی، تم دونوں دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے
اگر تم نے ایک لمحہ بھی ضائع کرنے کی کوشش کی تو ہم گو
گے۔" انسپکٹر کامران مرزا غرائے۔

انہوں نے فوراً اپنے رخ دیوار کی طرف کر لیے
نے جیب سے اپنا پستول نکال کر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور
کی طرف سے پکڑ کر ان کی طرف بڑھے۔

"تمہارا ارادہ کیا ہے؟" ان میں سے ایک نے کانپ

"بہت خطرناک، ہم جانتے ہیں، تم ہمیں پھانسی کے
پہنچائے بغیر نہ مانتے، لہٰذا ہم سے تم کسی نرم سلوک کی
کر سکتے ہو۔"

"ہمیں مار کر تم چار آدمیوں کے قاتل بن جاؤ گے
پر سارے شہر کی پولیس حرکت میں آنے والی ہے۔ اس کے
بچ نہیں سکو گے۔" دوسرا بولا۔

"پھر تم ہی بتاؤ، ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" انہوں نے مسکرا



ستول پھینک دو اور خود کو ہمارے حوالے کر دو۔"

مشورہ کچھ ضرورت سے زیادہ ہی نیک ہے۔ افسوس ہم
عمل نہیں کر سکتے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ ان کے سروں پر پہنچ گئے اور پھر
کی طرح حرکت میں آیا۔ دونوں کے سروں پر گویا
تیورا کر گرے اور بے حس و حرکت ہو گئے۔

جلدی کرو۔" انہوں نے پستول جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔
نے بھی یہی کیا، پھر دروازے کی طرف بڑھے۔ انسپکٹر کامران مرزا
گرائی اور پھر دھک سے رہ گئے۔

دروازے میں تقریباً سات آدمی کھڑے تھے۔ ان میں سے اگلے
ہاتھوں میں پستول تھے۔

⊙

"آئیے جناب، آپ بھی تشریف لائیے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے
انہیں راستہ دیا۔

"شکریہ۔" ان میں سے سب سے اگلے آدمی نے کہا اور پھر
داخل ہو گیا۔ وہ اور اس کے ساتھی اندر پڑے دو بے ہوش
کو دیکھ کر زور سے چونکے۔

"اوہو، یہ تو سرکاری پٹھو ہیں، تو تم نے ان کی ...

دی۔" لمبے قد والا آدمی بولا۔ جو سب سے پہلے داخل ...

"آپ میں سے کارڈون کون ہے؟" انسپکٹر ...

لاپروائی سے پوچھا۔ آفتاب، آصف، فرحت اور منور علی ...

پر حیرت کے آثار نمودار ہوگئے۔ اسی وقت اس ...

"میں ہی کارڈون ہوں۔ تم نے جازم کو بے ہوش ...

اچھا نہیں کیا تھا دوست، وہ میرا خاص آدمی ہے اور ...

اس نے تو تمہاری مدد کی تھی۔" کارڈون بولا۔

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں، لیکن آپ ...

یہاں دو عدد دشمن موجود ہیں۔ مجھے میرے ساتھیوں ...

اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ مشکل میں ہیں، اس لیے مجھے ...

کا انتظار کیے بغیر روانہ ہونا پڑا۔" انہوں نے پرسکون انداز ...

دیا۔

"خیر کوئی بات نہیں، جازم زیادہ زخمی نہیں ہے ...

ذرا ہلکا ہی دکھا تھا۔ اس لیے میں شکر گزار ہوں۔"

"اس میں شکریے کی کیا بات ہے جناب۔" وہ مسکرا ...

"آپ لوگ کیسے دوست ہیں، دوستانہ فضا میں ...

ہیں اور ہاتھ میں پستول ہیں۔" آفتاب نے تنگ آ کر کہا ...

"پستول بھی بہت ضروری ہیں، کیونکہ ابتدا تمہاری ...



... کارڈون مسکرایا۔

... کوئی بات نہیں۔ فرمائیے آپ لوگ کیا چاہتے ہیں۔"

... اور ناٹی کو تم نے ہی جھیل میں ڈبویا ہے۔" کارڈون

... کہ اگر میں ان کے ساتھ یہ سلوک نہ کرتا تو

... ڈوبنا پڑتا۔ ان کا ارادہ مجھے جھیل میں دھکا دینے

... نے کہا۔

... ہے، یہی بات رہی ہوگی۔" کارڈون نے ایک کرسی

... کہا۔

... کر آفتاب بھی ایک کرسی پر بیٹھنے لگا۔

... ہے، سب لوگ بیٹھ جائیں، کیونکہ ہم ذرا تفصیل سے

... کارڈون نے گویا اجازت دی۔ سب بیٹھ گئے تو اس

... بتاؤ۔ تم لوگ کون ہو، اس ریاست میں کیوں

... انسان ہیں اور اس ریاست میں اس لیے آئے ہیں کہ

... ساتھی کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی، ہم اس زیادتی کا

... آئے ہیں۔" آفتاب نے جل بھن کر کہا۔

... ذرا وضاحت کرو۔ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔" کارڈون

مسکرایا۔

انسپکٹر کامران مرزا نے منور علی خان کے ہوٹل ڑایہ

کرنے سے لے کر اب تک کے حالات اسے سنا دیئے۔ پھر

"اب آپ ہی بتائیے، ہمارا کیا قصور ہے؟"

"یہ کہ تم لوگ آئے ہی کیوں، جب کہ تمہارا ساتھی

واپس پہنچ گیا تھا۔"

"ہمیں یہاں تجسس کھینچ لایا۔ ہم جاننا چاہتے تھے کہ

ایسا کیوں کرتا ہے اور یہ بات ہم اب تک معلوم نہیں کر

"اس بات کا اندازہ آج تک کوئی بھی نہیں لگا

اور ناٹی مل کر کیا کھیل کھیلا کرتے تھے۔ ویسے ان

کے بارے میں مقامی لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے

"خیر کوئی بات نہیں، ہم معلوم کر ہی لیں گے۔"

نے کندھے اچکائے۔

"تو تم اقرار کرتے ہو کہ روڈان اور ناٹی کو تم نے

کیا ہے؟" کارڈون نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا اور

مرزا چونک اٹھے۔ انہوں نے بغور سب کا جائزہ لیا اور

سے ایک کی کلائی پر گھڑی کی جگہ انہیں ایک بہت چھوٹا

ریکارڈر نظر آ گیا؛ گویا ان کے الفاظ ٹیپ کیے جا رہے

"تو آپ ہمارے الفاظ ٹیپ کرتے جا رہے ہیں



ان ہوئے بغیر کہا۔

"ہاں، تاکہ تم بعد میں انکار نہ کر سکو۔"

"بھلا ہمیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا

اچکائے۔

"لیکن مجھے یقین ہے کہ تم لوگ ضرور انکار کر دو گے۔ کیا تم

یہ اقرار کر سکتے ہو کہ تم روڈان اور ناٹی کے قاتل

"ہاں، بھلا میں پولیس کے سامنے کیوں اقرار کروں گا۔ مجھے

کی ضرورت ہی کیا ہے؟" انہوں نے کہا۔

کہ مجھے اس کی ضرورت ہے کہ تم پولیس کے سامنے یہ اقرار

بار کارڈون کے چہرے پر عجیب مسکراہٹ نظر آئی۔

مطلب؟" انسپکٹر کامران مرزا زور سے اچھلے۔ ان کے

ہی حیران ہو کر کارڈون کی طرف دیکھنے لگے۔

"مطلب صاف ہے۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔"

کیوں، تم تو حکومتی پارٹی کے خلاف ہو اور اپنی پارٹی

رہے ہو۔"

صاف محسوس کیا کہ تم تو کہنے کے بعد ٹیپ ریکارڈر

بند کر لیا تھا تاکہ ان کے یہ الفاظ ٹیپ نہ ہو جائیں۔

ٹھیک ہے۔ لیکن، اوہ سوری نارمن، پہلے ان

دونوں کا جائزہ لو۔ یہ ہوش میں تو نہیں ہیں۔" کارڈون نے رک
اپنے ایک ساتھی سے کہا۔

"اوکے سر" یہ کہہ کر ایک آدمی آگے بڑھا۔ اس نے
اپنے کوٹ کے کالر میں سے بیپر پن نکالی اور ان میں سے ا
کی آنکھوں پر نظر رکھتے ہوئے پن اس کی کلائی میں بھونک د
لیکن اس کی آنکھوں میں کوئی حرکت نہ ہوئی، پھر اس نے د
کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا اور سیدھا ہوتے ہوئے بولا:

"دونوں ابھی تک بالکل بے ہوش ہیں۔"

"تو ان کے سروں پر ایک ایک ہاتھ اور رسید کر دو
یہ فی الحال بے ہوش ہی رہیں۔"

"اوکے سر۔" اس نے کہا اور جیب سے پستول نکال کر
نالی کی طرف سے پکڑا اور ایک ایک دستہ ان کے سروں پر
سے دے مارا۔

"اب آپ ان کی طرف سے بے فکر ہو جائیں باس" اس
نے کہا۔

"شکریہ نارمن۔ ہاں بھئی سنو، میرا پروگرام کیا ہے۔
بہت بھولا آدمی ہے، موقع سے فائدہ اٹھانا اسے آتا ہی
میرے لیے یہ موقع بہت قیمتی ہے۔ تم لوگوں کو مع
گرفتار کرا کر میں حکومت کی نظر میں ہیرو بن جاؤں گا۔



اندھا اعتماد کرنے لگے گی اور اس اعتماد کی آڑ میں میں اپنی
کو اس قدر مضبوط بنا لوں گا کہ ایک دن وہ حکومت پر
ہو جائے گی۔ پھر یہ اندھیر نگری چوپٹ راج ختم ہو جائے گا۔
چین کی بانسری بجائیں گے۔ دو سال پہلے کا دور پھر آ جائے
ریاست میں امن بحال ہو جائے گا۔ ریاست کی بہتری کی خاطر
کو قانون کے حوالے کرنے پر مجبور ہوں۔"

کارڈون یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔ ان کے دل دھک
دھک کرنے لگے، کیونکہ کارڈون کا پروگرام بہت خوف ناک تھا۔
پروگرام اس کے اور اس ملک اور قوم کے لیے تو بے شک اچھا
ان کے لیے تباہ کن تھا۔ یہی سوچ کر انسپکٹر کامران مرزا

"ہمارا کیا بنے گا؟"

"بھئی میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ہاں، موجودہ حکومت نے اگر
کی سزا نہ دی اور جیل میں ڈالنا پسند کیا تو اس صورت
برسرِاقتدار آنے کے بعد تم لوگوں کو رہا کر دوں گا۔"

"اس میں تو سالوں لگ سکتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"میں کب کہہ رہا ہوں، یہ دو چار دن کا کام ہے۔"

"پھر یہ پروگرام ہمیں منظور نہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا عجیب
لہجے میں بولے۔

"افسوس، میں نے تو کچھ اور سوچا تھا، لیکن تم نے کچھ اور ہی سو
انسپکٹر کامران مرزا پر سکون آواز میں بولے۔

"ارے، وہ دونوں ہوش میں آگئے۔" آصف پوری قو
چیخا۔

کارڈون اور اس کے ساتھی بوکھلا کر زخمی سراغرسانوں کی
مڑے۔ انسپکٹر کامران مرزا اور منور علی خان کو اور کیا چاہیے تھا۔
نے ایک ساتھ ان تین آدمیوں پر چھلانگیں لگا دیں، جن کے ہا
پستول تھے۔ ساتھ ہی فرحت نے وہ پستول جیب سے نکال
سراغرسانوں سے چھینا گیا تھا۔

"خبردار، تم میں سے کوئی حرکت نہ کرے۔ میرا نشانہ ب
پختہ ہے۔" اس نے کارڈون کے باقی ساتھیوں کو للکارا۔ کارڈ
بوکھلا کر مڑا اور اس کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر دھک سے

"تم، تم پستول چلانا کیا جانو۔" اس نے بے یقینی کے عا
کہا۔

"کوئی حرکت کر کے دیکھ لو۔" وہ غرائی۔

اس وقت تک انسپکٹر کامران مرزا اور منور علی خان تینوں
بٹ چکے تھے۔ وہ ان کے مقابلے میں حد درجے کمزور ثابت
تھے۔

"مسٹر کارڈون تم ان لوگوں کی مدد سے حکومت پر قبضہ کر



امران مرزا نے پستول اس کی طرف تانتے ہوئے کہا۔ کارڈون نے
اب نہ دیا۔ خونخوار نظروں سے انہیں گھورتا رہا۔

ے مسٹر، اپنے ہاتھ سے ٹیپ ریکارڈر اتار کر آتش دان پر رکھ
انہوں نے اس شخص کو حکم دیا، جس کی کلائی پر ٹیپ ریکارڈر

اس نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔

"لو فرحت، انہیں اپنا نشانہ دکھانے کا موقع مل گیا تمہیں۔
یپ ریکارڈر کو نشانہ بناؤ۔" انسپکٹر کامران مرزا خوش ہو کر بولے۔

"بہت بہتر انکل، یہ لیجیے۔"

"ایک منٹ۔" منور علی خان چیخے۔

"کیوں بھئی، خیر تو ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"پستول کا دھماکا کہیں دوسروں کو ادھر متوجہ نہ کر دے۔"

"پروا نہ کرو۔ کچھ نہیں ہوگا۔" انہوں نے پراسرار انداز میں مسکرا
کہا۔

ساتھ ہی فرحت نے فائر کر دیا اور ٹیپ ریکارڈر کے پرخچے ادھر
ھر بکھر گئے۔ کئی ذرے ان لوگوں میں سے کچھ کے چہروں سے بھی
رائے۔ دھماکے کی آواز پورے کمرے میں گونج کر رہ گئی۔

"کیوں، کیا خیال ہے۔ نشانہ پسند آیا۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

کارڈون نے اب بھی کچھ نہ کہا۔ ان سب پر تو سکتے کا عالم طاری تھا۔

"اگر ہم تم لوگوں کو دشمن خیال کرتے تو ہیں ان دونوں
کا تجربہ تم لوگوں کے کانوں کی لوؤں پر کراتا، لیکن بات دراصل
ہے کہ میں تم لوگوں کو اپنا دشمن خیال نہیں کرتا۔"

"تم — تم کیا چاہتے ہو؟" کارڈون ہکلایا۔

"میں چاہتا ہوں، تم لوگ اپنے ٹھکانے پر جا کر اپنی کار
میں مصروف رہو — کیونکہ یہ حکومت مجھے بھی پسند نہیں آئی
لوگوں کا جینا یہاں محال ہو چکا ہے۔ تم ان لوگوں کے کام
ایک دن ضرور کامیاب ہو جاؤ گے — باقی رہے ہم، ہمیں ہمارے حا
پر چھوڑ دو۔ ہم اپنا معاملہ خود ہی نمٹا لیں گے۔"

"اچھا، مجھے تمہاری تجویز منظور ہے۔" کارڈون نے ہار مان کر کہا

"گویا تم واپس جانے کے لیے تیار ہو، ہمیں گرفتار کرائے بغیر"
وہ بولے۔

"ہاں بالکل۔"

"تو پھر یہاں سے پہلے ہم جائیں گے۔" انہوں نے کہا۔

"مجھے منظور ہے۔"

کارڈون کے الفاظ درمیان میں رہ گئے — اسی وقت کسی نے
دروازہ دھڑدھڑا دیا تھا — شاید فائر کی آواز باہر سن لی گئی تھی۔

"سب لوگ پرسکون انداز میں بیٹھے رہیں — منور علی خان ہوشیار
رہنا، یہ لوگ کوئی شرارت نہ کرنے پائیں — آفتاب، میرا پستول تم سنبھال



انہوں نے دبی آواز میں کہا اور پھر پستول آفتاب کو دے کر
کی طرف مڑے۔ ساتھ ہی انہوں نے جیب میں ایک ہاتھ ڈال
دروازہ کھولنے پر انہیں باہر کئی آدمی کھڑے نظر آئے۔

"فرمائیے، کیا بات ہے؟" وہ بولے۔

"ہم نے، ہم نے اندر دھماکے کی آواز سنی تھی۔"

"نہیں، آپ لوگوں کو وہم ہوا ہوگا۔" انہوں نے کہا۔

"ہم اندر کا حال دیکھنا چاہتے ہیں، تاکہ معلوم ہو، اندر کیا ہو رہا
ان میں سے ایک نے کہا۔

"یہ دیکھیے، اور اپنا راستہ لیجیے۔"

انسپکٹر کامران مرزا نے جیب سے ہاتھ نکالا تو اس میں گلوب
کارڈ تھا — کارڈ پر ان لوگوں کی نظر کیا پڑی، ان کے تو رنگ
۔ وہ کائی کی طرح چھٹ گئے — انہوں نے مسکراتے ہوئے دروازہ
اور پھر ان کی طرف مڑے۔

"تم نے انہیں کیا دکھایا تھا؟"

"وہی چیز جو میں جازم کو بطور تحفہ دے آیا ہوں۔" انہوں نے
کر کہا — "اسی سے تم سمجھ سکتے ہو کہ ہم تمہیں دشمن خیال نہیں
تے۔"

"ہوں خیر، ہم چلے جاتے ہیں۔" کارڈون شکست کھاتے ہوئے
میں بولا۔

"کیا مطلب؟" کارڈون حیران ہو کر بولا۔

"کس بات کا مطلب بتاؤں۔ میں نے تو کوئی مشکل … نہیں نکالا منہ سے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے بُرا سا منہ بنایا۔

"تمہارے پروگرام منظور کرنے یا نہ کرنے سے کیا ہوگا؟" کارڈون نے بھی بُرا سا منہ بنایا۔

"گویا آپ اپنے پروگرام پر عمل کرنے کا تہیہ کر چکے …"

"ہاں۔" اس نے پر زور لہجے میں کہا۔

"لیکن اس طرح آپ بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔" انسپکٹر … مسکرا کر بولے۔

"وہ کیسے؟" کارڈون نے انہیں گھورا۔

"ہم گرفتار ہونے کے بعد آپ کے بارے میں بھی … بتا دیں گے۔ جازم ہمیں بتا چکا ہے کہ آپ حکومت کے خلاف … پارٹی کو روز بروز مضبوط کر رہے ہیں اور یہ کام زیر زمین … ہے۔"

"بس اتنی سی بات؟" کارڈون کا چہرہ مذاق اڑانے … تھا۔

"کیوں، کیا یہ بات اہم نہیں؟" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"قطعاً نہیں۔ تمہارے جرم کے خلاف میرے پاس … موجود ہے۔ یہ ثبوت پولیس کو مل جائے گا۔ لیکن تم …



…ے خلاف کوئی ثبوت نہیں۔ اور پھر ....."

… پھر کے بعد اس نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ کئی سیکنڈ … اس کا قہقہہ رکا تو اس نے کہا:

"میرا نام کارڈون نہیں، یہ ایک فرضی نام ہے۔ میری پارٹی کے … حکومت کے کسی آدمی کو کچھ بھی معلوم نہیں۔ زیادہ سے … ہوٹل لالہ زار اور جازم کے بارے میں انہیں بتا سکو گے، … پولیس کو اطلاع دینے سے پہلے ہوٹل لالہ زار کو آگ لگانے … دوں گا اور جازم میرے ہاں خفیہ اڈے پر پہنچ جائے گا، … مجھے اس بات سے خوف زدہ نہیں کر سکتے۔"

"اور تم ہمیں گرفتار کرا کے صرف اتنا سا فائدہ اٹھانا چاہتے ہو … کی نظروں میں ہیرو بن جاؤ۔" انسپکٹر کامران مرزا بُرا سا منہ … ے۔

"ہاں، بس یہی بات ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"لیکن اس کے لیے بھی تو تمہیں حکومت کے سامنے آنا پڑے …

"تو کیا ہوا۔ حکومت میری بات پر یقین کرے گی، تمہاری پر … میرے پاس ثبوت ہوگا۔ تمہارے الزام کا یہ جواب ہے کہ تم … پر الزام لگا رہے ہو۔ ان حالات میں وہ کون عقل کا … پولیس افسر ہے۔ جو میری بجائے تمہاری بات پر کان دھرے گا۔"

"سوری، اس طرح نہیں۔ کیونکہ تم لوگوں نے ہمیں پولیس کے حوالے کرنے کی کوشش کی تھی۔ ہم تم سب کو باندھ کر اور … دروازہ باہر سے بند کرکے یہاں سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ … ہم ہوٹل کے کاؤنٹر کلرک کو فون کردیں گے اور اسے بتا… کہ اس کمرے میں کچھ لوگ بندھے پڑے ہیں۔"

"لیکن اس طرح میں کئی مشکلات میں گھر جاؤں گا۔ ہوٹل… ہوٹل والے پولیس کی موجودگی میں کمرہ کھولیں، اس صورت میں … پولیس والوں کے بارے میں کیا کہہ سکوں گا؟"

"یہ لوگ یہی گواہی دیں گے کہ انہیں زخمی کرنے … یا آپ کے ساتھی نہیں ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے۔ خیر یوں ہی سہی۔ ویسے اگر … کر لیتے تو اچھا تھا۔ میں نے اب تم لوگوں کی گرفتاری کا خیال … سے نکال دیا ہے۔"

"افسوس اب ہم اعتبار کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔" وہ … اور پھر خود کو انہیں بندھوانا پڑا۔ ان کے ہاتھ پیر کمر کے … ملا کر باندھے گئے۔ باریک ڈوری کی لچھی انسپکٹر کامران مرزا کے … کی جیب میں موجود تھی، ورنہ اس وقت اور مشکل پیش آتی۔

"تم لوگ اب کہاں جاؤ گے؟" کارڈون نے دوستانہ لہجے میں …

"افسوس ہم نہیں بتا سکتے اور نہ جانتے ہی ہیں کہ کہاں جا…



…گا۔"

…ڈون خاموش ہوگیا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک رومال ان کے … ٹھونسا اور ایک ایک رومال منہ کے اوپر باندھا تاکہ وہ شور … سکیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر انسپکٹر کامران مرزا نے مسکرا کر کہا:

"اچھا مسٹر کارڈون، خدا حافظ۔ شاید ہماری ملاقات پھر بھی ہو۔"

… کہتے ہوئے انہوں نے چٹخنی گرادی۔ پانچوں دروازے سے باہر … اندر سے بند کر دیا۔

"… آؤ بھئی چلیں۔"

"ہم کہاں جائیں گے ابا جان، اب تو ہوٹل تبدیل کرتے کرتے بھی … ہیں۔" آفتاب نے بے چارگی کے عالم میں کہا اور وہ مسکرا دیے۔

… لے:

"آج کی رات ہم کسی ہوٹل میں ہی گزاریں گے۔ صبح کوئی اور … پروگرام بنائیں گے، کیونکہ اب ہوٹلوں میں ٹھہرنا مناسب نہیں۔"

اس ہوٹل سے بہت دور ایک ہوٹل میں کمرے حاصل کرنے کے … وہ آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ ہوٹل کے کمرے میں ریڈیو موجود … یہ سوچ کر انسپکٹر کامران مرزا نے ریڈیو آن کر دیا۔ تھوڑی دیر … اس پر اوٹ پٹانگ گانے لگے رہے، پھر خبریں سنائی جانے لگیں۔

… وں میں پہلی خبر یہ تھی۔

"روڈاق کی موت کا بہت سختی سے نوٹس لیا جائے گا اور

اس سلسلے میں کل صدرِ مملکت شہر کا خصوصی دورہ کریں گے
ان کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں
روڈان کی شخصیت اتنی اہم ہوگی۔





# بھاگو

"سنو بھئی، اب ہم شہر میں محفوظ نہیں ہیں۔ ہوٹل فردوس کے کمرے
کارڈون اور اس کے ساتھیوں کے علاوہ ہم دو سرکاری سراغرسانوں کو
زخمی اور بے ہوش حالت میں چھوڑ آئے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا
۔

"اور آپ نے ابھی تک ہوٹل کے کلرک کو فون کرکے ان کے
میں تو بتایا ہی نہیں۔" فرحت چونکی۔

"بتانے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ دونوں سراغرساں ہوش میں آکر
خود ہی کھول دیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"لیکن انکل، کارڈون ان دونوں کو بتائے گا کیا؟"

"یہ اس کا کام ہے۔ کوئی کہانی گھڑے گا۔ جلد ہی پولیس
ہوٹلوں کی تلاشی شروع کردے گی۔ ہوسکتا ہے، وہ اس ہوٹل تک
پہنچ جائے۔ لے دے کے ہمارے پاس گلوب والا ایک کارڈ ہی
جس کی وجہ سے بچنے کی امید کی جاسکتی ہے، لیکن اس سے پہلے

چہروں میں تبدیلی ضروری ہے اور ہم تبدیلی یہاں نہیں کر سکتے۔ یہ کام شہر سے باہر جا کر کرنا ہوگا۔" انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

"لیکن اس صورت میں تو ہم اس ہوٹل میں بھی واپس نہیں آ سکیں گے۔"

"کوئی بات نہیں، ہم کسی اور ہوٹل میں قیام کر لیں گے، ہماری تعداد ہمیں مشکوک بنا دے گی۔" وہ بولے۔

"جی کیا مطلب؟" آصف چونکا۔

"پولیس ہر ہوٹل، ہر سرائے اور اسی قسم کی دوسری جگہ سوال یہ کرے گی کہ یہاں پانچ ایسے غیر ملکی تو نہیں ٹھہرے جن میں دو مرد، دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ اس طرح ہمارے میں وہ آسانی سے معلوم کر لیں گے۔ یوں اس ملک کے باشندوں اور ہم میں نقش و نگار کا کوئی خاص فرق نہیں ہے، لیکن چال ڈھال، لباس میں پھر بھی فرق ہے اور ہم غیر ملکیوں کی حیثیت سے خاص تعداد کی وجہ سے صاف پہچان لیے جائیں گے۔"

"پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟" آفتاب بولا۔

"اگر میری مانو، تو ہم واپس چلتے ہیں۔ ہمارے لیے خطرہ بڑھتا جا رہا ہے جب کہ ہمارا یہاں موجود رہنا کوئی زندگی اور موت کا نہیں۔ ہم یہاں صرف یہی معلوم کرنے آئے تھے کہ روڈان اور چکر چلا رہے ہیں۔ وہ غیر ملکیوں کے ساتھ اس قسم کی زیادتی کیوں ک



قلعے سے نہ بھاگنے کی صورت میں کیا ہوتا ہے۔ یہ باتیں اگر ہم کر سکے تو کیا فرق پڑ جائے گا۔ یوں بھی اب روڈان اور نامی دنیا میں پہنچ چکے ہیں۔ اب ہم یہ باتیں کس طرح معلوم کریں

"اب واپسی بھی آسان نہیں رہی اور اگر آسان بھی ہوتی، تب میں یہ راز جانے بغیر جانا پسند نہ کرتا۔ یہ بھی تو سوچو، ہمارے ہم وطنوں کے ساتھ اس ملک میں نہ جانے کیا ہوتا رہا ہے اور شاید دوسرے غیر کے ساتھ بھی۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"پھر، آخر ہم پولیس کی نظروں سے کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں؟"

"صرف اس طرح کہ پہلے ہم شہر سے باہر جا کر اپنے حلیے تبدیل لیں اور پھر دو پارٹیوں میں تقسیم ہو جائیں۔" انہوں نے تجویز پیش کی۔

"دو پارٹیوں میں، لیکن ابا جان، ہم تو تعداد میں پانچ ہیں۔ ڈھائی ڈھائی کس طرح ہو سکتے ہیں۔" آفتاب بوکھلا کر بولا۔

"آصف اور فرحت میرے ساتھ شہر جائیں گے، تم اپنے انکل کے ساتھ۔" وہ مسکرا کر بولے۔

"اور ہم ٹھہریں گے کہاں؟"

"ہاں، یہ بات سوچنے کی ہے۔ ذہن پر زور دو کہ ہمیں کہاں ٹھہرنا چاہیے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"میں زور دے چکی ہوں انکل۔" فرحت مسکرائی۔

"اتنی جلدی زور دے بھی لیا۔ زور نہ ہوا، مذاق ہو گیا"
نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ہاں تو کیا سوچا ہے تم نے ؟"

"ہم اسی ہوٹل میں دو نئے کمرے حاصل کریں گے، الگ
پہلے ایک پارٹی آ کر یہاں کمرہ حاصل کرے گی، پھر دوسری اِ
طرح ہم ایک دوسرے کے نزدیک بھی رہ سکیں گے اور الگ
فرحت بولی۔

"بھئی واہ، ان حالات میں اس سے اچھی ترکیب تو
نہیں سکتی۔" انسپکٹر کامران مرزا خوش ہو گئے۔

"تو پھر کیا اسی وقت چلنا ہے۔"

"ہاں، کیونکہ جوں ہی وہ دونوں سراغرساں ہوش میں آئے
تلاش شروع ہو جائے گی۔" وہ بولے۔

"تو پھر جلدی چلیے، کہیں وہ ہوش میں آ نہ چکے ہوں۔"

"ٹھیک ہے، چلو۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوٹل سے باہر
ابھی وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ ہی رہے تھے کہ پولیس کی ایک جیپ
کے سامنے آ کر رکی۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر انسپکٹر کامران
ڈرائیور سے کہا:



"پرانے قلعے کی طرف چلنا ہے۔"

"اس طرف جانے کی تو پابندی ہے جناب۔" ڈرائیور نے کہا۔

"بھئی قلعے میں جانے پر پابندی ہے۔ اسے دُور سے دیکھنے پر
پابندی نہیں ہے۔ میں معلوم کر چکا ہوں۔" انہوں نے تیز لہجے میں کہا۔

"جی ہاں، یہ بات تو خیر ٹھیک ہے۔" ڈرائیور مسکرایا۔

"ٹھیک ہے، تو پھر چلو۔"

ٹیکسی چل پڑی۔ کن انکھیوں سے انہوں نے دیکھا کہ پولیس
ہوٹل میں داخل ہو رہی تھی۔ ان کے ذہنوں میں سوال گونج اٹھا۔

"کیا یہ ہمیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں ؟"

لیکن یہ ضروری نہیں تھا۔ پولیس کسی اور کام سے بھی ہوٹل آ
سکتی تھی۔ ابھی انہوں نے سو میٹر فاصلہ ہی طے کیا ہو گا کہ پولیس کی
جیپ کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ انسپکٹر کامران مرزا کو فوراً خطرے کا احساس
ہوا۔ وہ جلدی سے بولے:

"اوہو، ایک کام تو رہ ہی گیا۔ ڈرائیور صاحب یہیں روک لیجیے۔
اب ہم قلعے کی طرف نہیں جا سکیں گے۔ یہ لیجیے اپنا کرایہ۔" انہوں نے
ایک نوٹ ان کی طرف اچھال دیا۔ ڈرائیور نے فوراً بریک لگائے اور وہ
اس قدر پھرتی سے اترے کہ ڈرائیور بھی حیران رہ گیا۔

"کیا مصیبت آ گئی ہے بھئی۔" وہ بڑبڑایا۔

اس نے انہیں ٹیکسی سے اتر کر ایک تنگ سی گلی میں داخل ہوتے

دیکھا — ابھی اس نے ٹیکسی آگے بڑھائی ہی تھی کہ پولیس جیپ اس سے آگے آکر رک گئی — اسے بھی رکنا پڑا۔

"کہاں گئے وہ لوگ؟" پولیس آفیسر نے غرا کر اس سے پوچھا۔

"جی کون لوگ؟" ڈرائیور بوکھلا اٹھا۔

"وہی جو ہوٹل کواکب سے تمہاری ٹیکسی میں سوار ہوئے تھے۔ دو مرد، دو لڑکے اور ایک لڑکی۔"

"جی، وہ — وہ تو ابھی ابھی اتر کر اس گلی داخل ہوئے ہیں۔"

"اوہ، آؤ بھئی جلدی کرو۔"

پولیس کانسٹیبل جیپ سے چھلانگیں لگا کر اترے اور گلی کی طرف بھاگے۔ ڈرائیور نے حیرت اور خوف سے پلکیں جھپکائیں اور ٹیکسی آگے بڑھا دی، پھر ہر لمحے رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

ادھر وہ گلی میں داخل ہوتے ہی بے تحاشا بھاگنے لگے۔ انسپکٹر کامران مرزا سب سے آگے تھے اور فرحت سب سے پیچھے؛ تاہم وہ ساتھ ہی تھے۔ درمیان میں فاصلہ نہیں تھا — بے شمار لوگوں نے انہیں اس طرح بدحواسی کے عالم میں بھاگتے دیکھ کر حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"اس طرح تو ہم پھنس جائیں گے۔" آفتاب نے پریشان ہو کر کہا —

"ہاں، میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔ جوں ہی لوگوں نے دیکھا



پولیس ہمارے پیچھے ہے — وہ اس کی مدد کریں گے۔" انسپکٹر کامران بولے۔

"تو پھر کسی اور گلی میں مڑ کر ہمیں پرسکون انداز میں چلنا شروع کر دینا چاہیے اور پھر گلیاں ہی گلیاں مڑتے جانا چاہیے۔" فرحت نے تجویز پیش کی —

اسی وقت انہیں ایک گلی دائیں طرف مڑتی نظر آئی۔ انہوں نے دیکھا نہ تاؤ، اس گلی میں داخل ہو گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے بھاگتے قدموں کی آواز سنی؛ گویا پولیس والے بھی جیپ سے اتر کر گلی میں داخل ہو چکے تھے —

"اب آئی مصیبت — ہم گلیوں اور سڑکوں سے ناواقف ہیں اور وہ اچھی طرح واقف۔" منور علی خان بڑبڑائے۔

وہ گلی میں تیز تیز قدم اٹھاتے رہے، پھر ایک اور گلی میں مڑ گئے، اور پھر ٹھٹک کر رک گئے۔ انہوں نے بوکھلا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر اچانک ہی انسپکٹر کامران مرزا ایک گھر کا دروازہ دھکیلتے ہوئے اس میں داخل ہو گئے۔ چاروں نے بھی یہی کیا۔ ساتھ ہی انہوں نے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی۔

"کون لوگ ہو بھئی تم؟" ایک آواز ان کے کانوں سے اس وقت ٹکرائی جب وہ چٹخنی لگا کر ابھی مڑے بھی نہیں تھے۔ آواز سنتے ہی انہوں نے اپنے سامنے ایک ادھیڑ عمر آدمی کو دیکھا۔

"ہم مصیبت میں ہیں جناب۔"

"وہ تو خیر میں بھی دیکھ رہا ہوں — مصیبت میں نہ ہوتے تو اس طرح کسی کے گھر میں کیوں گھستے۔ دوسرے میں باہر دوڑتے قدموں کی آواز بھی صاف سن رہا ہوں۔ کہیں تمہارے پیچھے پولیس تو نہیں ہے"

"جی ہاں، یہی بات ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے — اور کہہ بھی کیا سکتے تھے۔

"ہوں، معاملہ کیا ہے؟" اس نے کہا۔

"معاملہ تو بہت لمبا ہے — آپ یہ بتایئے کہ تھوڑی دیر کے لیے پناہ دے سکیں گے یا نہیں۔"

"اس طرح میں اور میرے گھر کے افراد بھی مشکل میں پھنس سکتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"آپ مجھے مسلمان دکھائی دیتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، الحمدللہ میں مسلمان ہوں۔"

"ہم بھی مسلمان ہیں — آپ کے پڑوسی ملک کے رہنے والے ہیں — یہاں آکر حکومت کے کچھ لوگوں کی زیادتیوں کا شکار ہو گئے ہیں۔"

"اوہ، اب تو آپ لوگوں کی مدد کرنا ہی ہوگی، لیکن مشکل یہ ہے کہ میرے گھر میں آپ لوگوں کو چھپانے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔



...ں کا مکان ہے اور یہ صحن ہے۔ اوپر چھت ہے — اندر میری بیوی ...ں بھی موجود ہیں — آپ ہی بتایئے، ان حالات میں میں کیا ... دوسرے اگر پولیس والوں کو شک ہو گیا کہ میں نے آپ لوگوں ...انے کی کوشش کی ہے تو ہم تینوں تو مارے گئے بے موت۔"

"آپ فکر نہ کریں — ہمیں صرف چھت پر جانے کی اجازت دے ...اس کے بعد آپ دروازہ اندر سے کھول کر اطمینان سے اپنے کمرے ...ہیں — دروازہ اندر سے بند نہ ہونے کی صورت میں پولیس ...آپ پر ایک سیکنڈ کے لیے بھی شک نہیں کریں گے اور اگر وہ ...ں محتاط ہوئے اور اندر داخل ہو ہی گئے، تب بھی وہ ہمیں ... پر نہیں پا سکیں گے۔"

"کیوں، چھت پر سے آپ لوگ کہاں چلے جائیں گے؟" اس نے ...کر کہا۔

"ارد گرد کی چھتوں میں سے کسی چھت پر اترنے کی کوشش کر سکتے ... آپ فکر نہ کریں۔"

"ہاں، ساتھ ساتھ کئی مکانوں کی چھتیں موجود تو ہیں۔" اس نے ...ال لہجے میں کہا۔

"بس تو پھر ہم اوپر چلے — اور ہاں، کیا ہم اپنے محسن کا نام ...ا کر سکتے ہیں؟"

"مجھے علی واقدی کہتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"شکریہ" انہوں نے کہا اور زینے کی طرف بڑھ گئے۔ علی وا
انہیں اوپر جاتے دیکھتا رہا۔ پھر وہ دروازے کی طرف بڑھا اور
دی۔

گلی میں دوڑتے قدموں کا شور اب بہت نزدیک آ گیا تھا۔
واقدی جلدی سے پلٹا اور کمرے میں گھس گیا۔ کمرے کا دروا
اس نے کھلا چھوڑ دیا۔ پھر اس نے جانماز بچھایا اور نماز پڑھ

عین اسی وقت دروازہ زور دار آواز سے کھلا اور اس
لوگوں کے اندر داخل ہونے کی آواز سنی۔



# کیا چیز؟

ند لمحے موت کی سی خاموشی طاری رہی۔ آخر انسپکٹر جمشید نے
اور ٹھہری ہوئی آواز میں کہا:

"لیکن پروفیسر صاحب، اس سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا۔ آپ خود
ک ہو جائیں گے اور ہم سب بھی۔ آپ کو کیا ملے گا، جب کہ
پ کو اس سے بہتر تجویز پیش کر سکتا ہوں۔"

"چلو، میں تمہاری تجویز بھی سن لیتا ہوں، لیکن یاد رہے، موت
ل میرے منہ میں ہے اور میں اسے کسی وقت بھی دبا سکتا ہوں۔"

اں، ہم جانتے ہیں۔ میری تجویز یہ ہے کہ آپ کیپسول کو نکال
ر رکھ دیں، ہم آپ کو باعزت شہریوں کی طرح ملک سے فرار
ا موقع دینے کے لیے تیار ہیں۔ آپ اپنے دوست سرخ پنجہ کے
سکتے ہیں۔ وہ آپ کا استقبال پرجوش انداز میں کرے گا۔ ابھی
پ کی وجہ سے ہمارے ملک کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، نہ آپ نے
سان کو ہلاک کیا ہے۔ ان حالات میں اگر آپ خود کو قانون

کے حوالے بھی کرتے، تو بھی آپ کو بہت معمولی سی سزا ملتی ۔
سزا نہ جھیلیں، ملک سے چلے جائیں ۔۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں
آپ سے کوئی غرض نہیں رکھیں گے ۔۔ کیا یہ ایک بہتر صورت
اپنی زندگی دینا بہت مشکل کام ہے ۔۔ جب آپ کے پر
گے تو اس وقت آپ کو ہمیشہ رہنے والی ایک "تکلیف کا سا
پڑے گا، کیونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ
کرنے والا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہتا ہے، وہ جہنم میں
نہیں نکل سکتا اور اس پر وہی کیفیت طاری رہتی ہے جو
کے وقت تھی ۔ یعنی خودکشی کی تکلیف میں وہ ہمیشہ ہمیشہ
رہے گا۔ آپ بھی مسلمان ہیں۔ اس طرح مرنا یعنی خودکشی
فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے۔ آپ زندہ رہنا پسند کرتے ہیں یا
کے لیے جہنم میں جانا۔ ہم تو پھر بھی شہید ہوں گے ۔۔ ا
جنت میں جائیں گے، لہٰذا مرنے کے بعد ہمیں اتنی پروا نہیں
جتنی کہ آپ کو ہونی چاہیے۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید
گئے ۔۔ شیخ صاحب اور خان صاحب نے انہیں تعریفی نظروں
دیکھا۔ انہوں نے موقع اور محل کی مناسبت سے نہایت منا
با اثر تقریر کی تھی ۔۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان الفاظ کا
پر خاطر خواہ اثر ہوا تھا۔
"یہ دھوکا بھی ہو سکتا ہے۔" آخر چند سیکنڈ تک



پروفیسر ہامان نے کہا۔
دھوکا نہیں ہے۔ یہاں شیخ صاحب اور خانصاحب بھی موجود
ان سے پوچھ لیں ۔ کیا اتنے بڑے بڑے اور معزز لوگ
دھوکا کریں گے۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔
کیوں شیخ صاحب اور خان صاحب، آپ دونوں کیا کہتے ہیں؟"
ہامان نے پوچھا۔
انسپکٹر جمشید ایک خود مختار حیثیت کے مالک ہیں۔ یہ تجویز انہوں
ای ہے۔ ہم اس کی مخالفت کا خیال بھی دل میں نہیں لا
آئی جی صاحب بولے۔
اس کے باوجود میں آپ لوگوں پر اس حد تک اعتبار کرنے پر
ں ہوں ۔۔ اس سلسلے میں میری چند شرائط ہیں، اگر آپ لوگ
مان لیں تو معاملہ طے ہو سکتا ہے۔" اس نے پراسرار
ں کہا۔
چلیے، آپ اپنی تجاویز بتائیے۔"
کیپسول میرے منہ میں ہی رہے گا۔"
خطرناک ہو گا ۔۔ آپ کے دانت غیر ارادی طور پر بھی دب
" انسپکٹر جمشید بولے ۔
فکر نہ کریں، میں صرف خطرے کے وقت اسے دانتوں کے
لوں گا، ورنہ گال میں دبائے رکھوں گا۔"

"اچھا خیر، اور فرمائیے۔" انہوں نے کہا۔

"ان حالات میں سرخ پنجہ مجھے قبول نہیں کرے گا۔ ا
میری موجودہ حیثیت سے غرض تھی۔ وہ مجھے صرف آلۂ کار
استعمال کرنا چاہتا تھا اور میں اس ملک اور قوم سے انتقا
اب وہ کیوں مجھے قبول کرنے لگا، لہٰذا میں اس کے پاس
جاؤں گا۔ میں کسی غیر جانب دار ملک میں چلا جاتا ہوں۔
دولت ساتھ لے جاؤں گا اور اپنی زندگی کے باقی ماندہ ا
گزار لوں گا، لیکن آپ لوگوں کو یہ لکھ کر دینا ہوگا کہ مجھے
نہیں کیا جائے گا، لیکن نہیں، بھلا آپ کے لکھے کی کیا
سکتی ہے۔ ہاں ٹھیک ہے، آپ کو صدر مملکت سے لکھوا کر دینا

"چلیے، یہ بھی ہو جائے گا۔"

"تو پھر جائیے، لکھوا کر لے آئیے اور میری پرواز کا
دیجیے۔ میں عام پرواز سے نہیں جاؤں گا۔ مجھے پرائیویٹ
بھیجا جائے اور بین الاقوامی پاسپورٹ بنا کر دیا جائے۔"

"یہ سب بھی ہو جائے گا۔ صبح تک آپ کی پرواز کا
کر دیا جائے گا۔ کسی مسافر طیارے میں ہم خود بھی آپ کو
نہیں کریں گے، کیونکہ اگر لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ مسافروں
شخص ایسا بھی ہے جو دانتوں تلے ایک خوف ناک بم کا
دبائے بیٹھا ہے تو ان میں خوف و ہراس پھیل جائے۔" انسپکٹر



ٹھیک ہے، اب تم لوگ جا سکتے ہو۔ میں آپ لوگوں کی واپسی
کرتا رہوں گا۔ اور ہاں، میں رات کی تاریکی میں ہی سفر
کروں گا۔ پاسپورٹ کے لیے میں اپنی تصویر بھی دیے دیتا
یہ کہہ کر اس نے میز کی دراز میں سے تصویریں نکالیں۔

آپ کون سے ملک جانا پسند کریں گے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔
اس نے ملک کا نام بتا دیا۔ انہوں نے نام نوٹ کر لیا، پھر
بولے۔

ٹھیک ہے، ہم جا رہے ہیں۔" یہ کہہ کر انہوں نے تصویریں

کیا مطلب؟ آپ لوگ جا رہے ہیں۔" پروفیسر ناہان نے چونک

ہاں، ہمیں یہاں سے تو جانا ہی ہوگا۔ آپ کی روانگی کا بندوبست
ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ٹھیک ہے، لیکن میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں۔" وہ بولا۔

کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

تم لوگ یہاں سے نکلنے کے بعد آزاد ہو گے، پھر تم اپنی مرضی
کرو گے۔ تم میری تجربہ گاہ کو بم سے اڑا سکتے ہو۔ مجھے بھوکا
پیاسا رگڑ رگڑ کر مرنے پر مجبور کر سکتے ہو۔ میں بھلا تمہارا

کیا بگاڑ سکوں گا۔ اس وقت تم لوگ میرے قابو میں ہو، میری

ماننے پر مجبور ہو۔ لہذا تم لوگ میری روانگی کی تیاری کے

ضرور جاؤ، لیکن تم میں سے کم از کم ایک آدمی یہاں ضرور

گا۔" اس نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے، ہمیں منظور ہے۔ محمود، تم پروفیسر صاحب

ساتھ اس کمرے میں موجود رہو گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی بہتر۔" محمود بولا۔

"نہیں بھئی، میں ان شیطانوں میں سے کسی کو ساتھ

گا۔ پروفیسر داؤد کو میرے ساتھ چھوڑ دیا جائے۔" پرو

ہنس کر کہا۔

انسپکٹر جمشید نے بے چارگی کے عالم میں پروفیسر داؤد

کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے جمشید، اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

داؤد بولے: "میں یہاں ٹھہر جاتا ہوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ تو اب ہم چلتے ہیں۔ رات کے

پہلے واپس لوٹ آئیں گے۔"

"ٹھیک ہے، ہم انتظار کریں گے۔ آؤ پروفیسر داؤد

کر وقت پاس کرتے ہیں۔" پروفیسر ہامان ہنس کر بولا۔

"لڈو؟" پروفیسر داؤد بوکھلا کر بولے۔



اور وہ باہر نکل آئے۔

ف خدا، کس قدر خوف ناک لمحات تھے۔" فرزانہ نے کپکپا کر

شید، تمہارا جواب نہیں، تم نے اسے حیرت انگیز طریقے سے

ا۔" آئی جی بولے۔

لیکن سر، اب میں پروفیسر داؤد کے لیے پریشان ہوں۔"

کرو، ہم بہت جلد واپس آنے کی کوشش کریں گے۔

لے میں صدر صاحب سے بات کرتا ہوں اور پھر محکمہ پاسپورٹ

رے ہے۔"

وہ اپنے دفتر پہنچے۔ رات کے وقت انہیں دیکھ کر چوکی دار

ہو گیا، لیکن اس غریب کو کیا معلوم تھا کہ انہیں کیا حالات

ہیں۔

آئی جی صاحب اپنے کمرے میں پہنچ کر فون پر مصروف ہو گئے

دوسرے فون پر جت گئے۔ نہ جانے وہ کہاں کہاں فون کرنا

تھے۔

تمام انتظامات مکمل ہونے میں تین گھنٹے لگ گئے۔ آخر وہ

فیسر ہامان کی تجربہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ تجربہ گاہ کے

وازے اس طرح کھلے ملے، جس طرح وہ چھوڑ گئے تھے۔ دونوں پروفیسر

ے میں موجود تھے اور لڈو میں کچھ اس درجے گم تھے، جیسے اس

سے زیادہ دل چسپ کھیل دنیا میں کوئی ہو ہی نہ — ان کے قد
آواز سن کر انہوں نے نظریں اوپر اٹھائیں —

"خبردار، کیپسول میرے منہ میں ہے۔" پروفیسر ہامان چلا

"یہ بات تو ہم پہلے ہی جانتے ہیں پروفیسر صاحب، آپ ک
کرانے کی ضرورت نہیں۔"

"میں نے احتیاطاً بتایا ہے۔" پروفیسر ہامان مسکرایا۔

"کیا سب انتظامات مکمل ہو گئے؟"

"ہاں، بالکل — آپ ٹھیک ایک گھنٹہ بعد پرواز کر جائ
انہوں نے بتایا —

"اوہ، تب تو مجھے تیاری کر لینی چاہیے۔"

"ضرور، آپ اپنی ضروری چیزیں لے لیں۔" انہ
کہا۔

دونوں پروفیسر اٹھ کر کھڑے ہو گئے — پروفیسر ہامان ا
میں سے اپنی ضرورت کی چیزیں نکالنے لگا —

"آپ کو ہماری عدم موجودگی میں ڈر تو نہیں لگا تھا؟" ا
نے مسکرا کر پوچھا۔

"نہیں بھئی، لڈو میں کچھ ایسے گم ہوئے کہ خبر ہی
وہ بولے۔

تھوڑی دیر بعد پروفیسر ہامان ان کے نزدیک آ گئے اور بو



"میں نے سب ضروری چیزیں اس سوٹ کیس میں رکھ لی ہیں —
ان، جواہرات اور چیک بکیں بھی — میں وہاں جا کر اپنا اکاؤنٹ
کر رقم یہاں سے منگوا لوں گا — صدر صاحب کے اجازت نامے
سے آپ بینکوں میں موجود میری رقوم کو منجمد نہیں کرائیں گے۔"

"آپ فکر نہ کریں پروفیسر صاحب، ہم اپنا وعدہ ہر حال میں
ئیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

آخر پروفیسر صاحب کو کار میں بٹھایا گیا — تجربہ گاہ کو تالا لگا کر
انسپکٹر جمشید نے اپنی جیب میں رکھ لی — چند کانسٹیبل تجربہ گاہ کی
ی پر مقرر کر دیے گئے۔

"تو آپ سرخ پنجہ سے رابطہ قائم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے؟"
شید نے پروفیسر ہامان کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں، اب میری حیثیت اس کے لیے صفر ہو کر رہ گئی ہے۔" اس
کہا۔

"اس صورت میں کیا آپ ہمیں یہ نہیں بتائیں گے کہ سرخ پنجہ
ل ہے کون؟"

"یہ تو مجھے خود بھی معلوم نہیں۔" اس نے کہا۔

"اس نوٹ بک میں کیا واقعی کسی بم کا فارمولا موجود ہے؟"

"نہیں، میں ایسا کوئی بم ایجاد نہیں کر سکا۔" اس نے جواب دیا۔

"سرخ پنجہ کس ملک میں رہتا ہے یا آج کل وہ کہاں ہے، یہ

بتا سکتے ہیں آپ ؟"

"نہیں، کیونکہ مجھے معلوم ہی نہیں ہے۔"

"تو آپ دونوں آپس میں رابطہ کس طرح قائم کیا کرتے تھے ؟"

"وہی مجھ سے رابطہ قائم کیا کرتا تھا۔ مجھے اس کا فون نمبر
کچھ معلوم ہی نہیں تھا تو اس سے رابطہ کس طرح قائم کرتا۔"

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے۔ تو کیا وہ آپ کو فون کے ذریعے
مخاطب کرتا تھا۔"

"ہاں، پہلی مرتبہ بھی اس نے فون پر ہی اپنے ساتھ کام کرنے کی
پیشکش کی تھی۔"

"وہ چاہتا کیا ہے، کیا مقصد ہے اس کا ؟"

"میں نہیں جانتا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

.. کار میں خاموشی چھا گئی، پھر ایئر پورٹ آ گیا۔ پروفیسر ہامان کے
لیے جس چھوٹے سے طیارے کا انتظام کیا گیا تھا، وہ تیار تھا۔ پروفیسر
ہامان نے پروفیسر داؤد کو جہاز تک اپنے ساتھ لے جانے کی شرط رکھی
اس نے کہا :

"جونہی میں جہاز کے اندر داخل ہوں گا، یہ لوٹ آئیں گے۔"

"چلیے ہمیں آپ کی یہ شرط بھی منظور ہے۔" انسپکٹر جمشید نے
بے بسی کے عالم میں کہا۔

کیا پائلٹ کو معلوم ہے کہ اس کے ساتھ کون سفر کر رہا



اور اس کے منہ میں کیا ہے۔"

"ہاں، اسے بتا دیا گیا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ اب میں چلتا ہوں۔ اس سرزمین کو چھوڑتے
ہوئے عجیب سا احساس ہو رہا ہے۔ آخر میں یہاں پیدا ہوا تھا۔ سوچا
بھی نہیں تھا کہ کبھی اس طرح بھی یہاں سے نکلنا پڑے گا۔ مجھے
یقین نہیں کہ ہم زندگی میں پھر بھی کبھی مل سکیں گے۔" ان الفاظ کے
ساتھ ہی پروفیسر ہامان پروفیسر داؤد کو ساتھ لیے آگے بڑھ گیا۔ باقی
لوگ ان سے کچھ فاصلے پر چلتے رہے۔ یہاں تک کہ دونوں پروفیسر
جہاز تک پہنچ گئے، پھر انہوں نے دیکھا، دونوں جہاز کی سیڑھی پر چڑھ
رہے تھے اور پھر پروفیسر ہامان نے جہاز میں داخل ہو کر دروازہ بند کر
لیا۔ پروفیسر داؤد مڑے اور نیچے اترنے لگے، یہاں تک کہ وہ ان
کے قریب آ گئے، پھر سیڑھی جہاز سے ہٹا لی گئی اور آخر جہاز رن وے
پر دوڑنے لگا۔ وہ اس وقت تک وہیں کھڑے رہے جب تک
کہ جہاز فضا میں بلند ہو کر ان کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔

"آئیے چلیں۔" انسپکٹر جمشید بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"گویا اس بار کا مجرم ہمیں سو فیصد شکست دے گیا ہے۔" فرزانہ
نے اداس آواز میں کہا۔

"اصل مجرم یہ نہیں، سرخ پنجہ ہے۔" محمود نے منہ بنایا۔

"تو سرخ پنجے کو ہی کون سا ہم نے گرفتار کر لیا۔" فاروق نے

بھی منہ بنایا۔

"بھئی زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں — ایسا بھی ہوتا ہے۔ آؤ چلیں۔ ابھی ہمیں پروفیسر ناماں کی تجربہ گاہ کی تلاشی بھی لینا ہے" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی کیا مطلب، اب تلاشی لے کر کیا کریں گے؟" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ تلاشی کی ضرورت ہے" انہوں نے کہا۔

ایئر پورٹ سے باہر نکل کر آئی جی صاحب اور ڈی آئی جی صاحب تو اپنے گھروں کو رخصت ہو گئے۔ پروفیسر داؤد اور خان رحمان کو انہوں نے تجربہ گاہ پہنچا دیا اور خود ایک بار پھر پروفیسر ناماں کی تجربہ گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ پروفیسر داؤد نے کہا بھی:

"بھئی آپ صبح تلاشی لے لینا جا کر۔"

لیکن انہوں نے اسی وقت تلاشی لینا ضروری خیال کیا۔ تاہم انہوں نے پروفیسر داؤد سے پوچھا:

"آپ کے سامنے پروفیسر ناماں نے ادھر ادھر کچھ کیا تو نہیں تھا؟"

"نہیں، میں اور وہ تمام وقت لڈو کھیلتے رہے۔ اس دوران نہ وہ اٹھ کر کہیں گیا، نہ اس نے کچھ کیا۔"

"بس ٹھیک ہے، ہم صبح تک واپس آ جائیں گے۔ آپ فکر نہ کیجیے گا۔"



"اچھا۔" خان رحمان اور پروفیسر داؤد نے ایک ساتھ کہا۔

چاروں تجربہ گاہ پہنچے۔ کانسٹیبل چوکس کھڑے تھے۔

"ہم اندر کی تلاشی لیں گے۔ باہر سے کوئی شخص بھی اندر داخل نہ ہونے پائے۔" انسپکٹر جمشید نے انہیں ہدایت دی۔

"جی بہتر۔" ایک کانسٹیبل بولا۔

وہ اندر داخل ہوئے۔ انسپکٹر جمشید ان تینوں سے مخاطب ہوئے۔

"چلو بھئی، تلاشی شروع کرو۔"

"لیکن ابا جان، ہمیں تلاش کیا کرنا ہے؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"تلاش، بھئی جو بھی کام کی چیز مل سکے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"ہوں، لیکن ہمیں کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ کونسی چیز کام کی ہے کونسی ناکارہ۔" فاروق نے کہا۔

"زیادہ سوال نہ کرو۔ جو چیز بھی تمہارے خیال میں کام کی ہو، اسے ہی اٹھا کر میرے سامنے پیش کر دو۔"

"جی بہتر — ہم سمجھ گئے۔" انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

"اور ہاں، تینوں الگ الگ رہ کر تلاش کرنا، تاکہ وقت کی بچت ہو سکے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ وقت بچا بچا کر تو ہم نے بے شمار گھنٹے جمع کر رکھے ہیں۔" فاروق شوخ لہجے میں بولا۔

اور انسپکٹر جمشید نے ایک زور دار دھپ اس کے رسید کر دی، لیکن
وہ بلا کی تیزی سے جھک گیا اور یہ دھپ محمود کی کمر پر لگی۔
چاروں الگ الگ رہ کر تلاشی لینے لگے۔ تقریباً ایک گھنٹے
تلاشی کے بعد وہ تینوں انسپکٹر جمشید کے پاس آئے اور محمود بولا:
"ابا جان، میرے خیال میں تو صرف یہ کام کی چیز یہاں مو
ہے۔ باقی سب چیزیں ہمارے کام کی نہیں۔"
"کیا چیز؟" انہوں نے کہا۔ اور پھر محمود نے اپنے دونوں
میں پکڑی چیز ان کے سامنے کر دی۔ یہ ایک سیاہ رنگ کا ڈ
ڈبا دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔
"لیکن اس میں ہے کیا؟"
"معلوم نہیں۔ میں نے کھولنے کی کوشش نہیں کی۔"
"اور تم نے بہت اچھا کیا۔ اس میں کوئی خطرناک مادہ بھی
ہو سکتا ہے۔ خیر اسے میز پر رکھ دو۔ ہاں فاروق، تم بتاؤ۔ تم
اس وقت تک کیا تیر مارا؟"
"میں نے یہاں ایک ٹی وی سیٹ کی قسم کی ایک چیز تلاش
ہے۔ محمود اور فرزانہ نے شاید اس پر اسی لیے توجہ نہیں دی
انہوں نے اسے ٹی وی سیٹ خیال کیا ہوگا، لیکن میرا دعویٰ ہے کہ
ٹی وی سیٹ نہیں، کچھ اور ہے۔"
"اوہ۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔



"واقعی، میں نے تو اسے ٹی وی ہی سمجھا تھا۔" محمود نے تسلیم کیا۔
"اور میں بھی۔" فرزانہ بولی۔
"خیر اسے بھی دیکھیں گے۔ فرزانہ، تم نے کیا تلاش کیا؟"
"چاکلیٹ کا ایک بڑا ڈبا، لیکن میرا خیال ہے کہ وہ چاکلیٹ کا
نہیں، بم ہے، کیونکہ میرے کان اس کی ٹک ٹک کی آواز سن سکتے

ارے باپ رے۔" فاروق بوکھلا اٹھا۔
"اس کا مطلب ہے۔ پروفیسر نامان پہلے ہی یہ جان گیا تھا
ان نے اسے مجرم کی حیثیت سے پہچان لیا ہے۔ اس لیے اس نے
موت کا سامان تیار کر لیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس نے
داؤد کے سامنے کچھ بھی نہیں کیا، تاکہ ہمیں یقین آ جائے کہ
کی نیت میں کوئی فتور نہیں ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے
ل جانا چاہیے، کہیں یہ ڈبا اور وہ ٹی وی سیٹ کی قسم کی
کوئی خطرناک چیزیں نہ ہوں۔" انہوں نے کہا۔
"لیکن ابا جان، یہ چیزیں خود بخود تو پھٹنے والی نہیں ہو سکتیں اور
مقررہ وقت پر پھٹنے کا امکان ہو سکتا ہے، کیونکہ پروفیسر نامان
معلوم نہیں تھا کہ آپ اسے گرفتار کرنے کس وقت آئیں گے۔
وقت اس کی روانگی کا انتظام کرنے میں کامیاب ہو سکیں، لہذا
ں صرف کھولنے اور پرکھنے کی صورت میں پھٹ سکتی ہیں۔"

فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"اوہ ہاں، تم ٹھیک کہتی ہو — خیر تو ہمیں یہاں سے بھاگنے کی
ضرورت نہیں — ہم پروفیسر داؤد کو یہیں بلا لیتے ہیں، تاکہ ان
کے بارے میں یقینی بات معلوم ہو جائے، کیونکہ میں جن چیزوں کی تلا
ین ہوں، وہ ابھی نہیں مل سکی اور جب تک وہ نہ مل جائے
وقت تک میں یہاں سے جانا پسند نہیں کروں گا۔" انہوں نے کہا
پروفیسر داؤد کو فون کر کے صورتِ حال بتائی — وہ جلد ہی خان
کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔

"یار جمشید، تم خود بھی نہیں سوتے اور دوسروں کو بھی نہیں
دیتے — اگر ہمارے بغیر نہیں رہ سکتے تھے تو ساتھ ہی کیوں نہیں
آئے تھے۔"

"بس بھئی غلطی ہو گئی۔" وہ مسکرائے۔

پھر پروفیسر داؤد کو وہ تینوں چیزیں دکھائی گئیں — وہ
آلات ساتھ لائے تھے — تینوں چیزوں کو چیک کرنے میں آدھ
لگا۔ آخر انہوں نے کہا:

"ان تینوں میں خوف ناک موت بند ہے اور اب میں یہ کہ
ہوں کہ پروفیسر نامان بالکل ہی ناکارہ نہیں تھا — وہ خوف ناک
کی ایجادات کرنے کا ماہر تھا — ہو سکتا ہے، وہ ایجادات کر کے
دوسرے ممالک کو خفیہ طور پر فروخت کرتا رہا ہو اور اس نے جان



ان کو بھی ثابت کر رکھا ہو، تاکہ قوم اس سے کسی ایجاد کی کوئی
ہی نہ رکھے۔"

"اوہ، یہ تو آپ بہت خوف ناک خیال ظاہر کر رہے ہیں۔"
نے گھبرا کر کہا۔

"اگر یہ تینوں چیزیں اس نے خود بنائی تھیں، تب پھر اس نے
لے چھوٹے عرصے میں یہی تین چیزیں تو نہیں بنائی ہوں گی۔
رت میں اس کی باقی ایجادات کہاں گئیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"آج تو آپ ہمارے بھی کان کاٹ رہے ہیں انکل۔" محمود
ا۔

"ارے، نہیں تو۔" انہوں نے بوکھلا کر اپنے ہاتھوں کو ٹٹولا اور
ل پڑے۔

"لیکن پروفیسر صاحب، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ چیزیں کسی
وقعے کے لیے اسے سرخ پنجے نے دی ہوں، جس طرح وہ
ں۔"

"ہاں، یہ بھی ہو سکتا ہے۔" وہ بولے۔

"خیر، یہ بتائیے — کیا یہ خود بخود پھٹنے والی چیزیں ہیں۔"

"نہیں، اس طرح تو یہ ایک سال تک پڑی رہیں، تو بھی
پھٹیں گی — ہاں کھولا یا چھیڑا یا پٹخا جائے تو پھٹ پڑیں
اس قدر ہولناک دھماکا ہو گا کہ یہ پوری عمارت تباہ ہو جائے گی۔"

"گویا میں بے فکر ہو کر یہاں کی تلاشی لے سکتا ہوں!"

"ہاں، کیوں نہیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

ایک بار پھر وہ تلاشی میں جٹ گئے۔ محمود، فاروق، فرزانہ بھی ادھر ادھر ہاتھ مار رہے تھے، اگرچہ انہیں یہ نہیں تھا کہ انہیں کیا چیز تلاش کرنی ہے۔ یہ صرف انسپکٹر معلوم تھا، پھر خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی بیٹھے نہ رہ تلاشی میں وہ بھی شریک ہو گئے۔ کچھ دیر بعد پروفیسر داؤد بولے۔

"لیکن بھئی، یہ بھی تو بتاؤ تلاش کیا کرنا ہے؟"

"یہ جانے بغیر تلاش کریں گے تو ذرا لطف رہے گا۔" انسپکٹر مسکرائے۔

"جی ہاں، لطف ضرور رہے گا، لیکن صرف آپ کے لیے، ہمارے لیے تو جھنجلاہٹ اور الجھن باقی رہ جائے گی۔" فاروق جلے کٹے انداز میں کہا اور وہ سب ہنس پڑے۔ اسی وقت انہوں انسپکٹر جمشید کو چونکتے دیکھا۔ وہ ایک الماری کا پٹ کھولے کافی دیر سے الماری میں کچھ کر رہے تھے۔ ان کے چونکنے کی آواز پر وہ الماری کی طرف جھپٹے اور پھر ان کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

---



# تیسرا حصّہ

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

(اقبالؒ)



# الجھن

"ارے، تم کیا کر رہے ہو۔ یہاں پانچ خطرناک آدمی تو نہیں گھسے"
ن آنے والے پولیس والوں میں سے ایک نے کہا، لیکن علی
ہ کیا جواب دیتا، وہ تو نماز پڑھنے لگ گیا تھا۔

"ارے، تم بولتے کیوں نہیں؟"

"یہ شاید عبادت کر رہا ہے۔" ایک دوسرا پولیس والا بولا۔

"اوہ، نہ جانے اس کی عبادت کب ختم ہوگی — تم لوگ یوں
کر پورے مکان میں دیکھ ڈالو، اور ہاں دو آدمی چھت پر بھی پہنچ
یں۔"

"او کے سر۔"

مکان کی تلاشی شروع ہو گئی، دو آدمی زینے کی طرف لپکے۔

"سر، اس کمرے کا دروازہ اندر سے بند ہے۔ اندر کوئی موجود ہے،
ہ دروازہ نہیں کھول رہا۔" ایک کانسٹیبل نے آکر بتایا۔ پولیس افسر
لی کے پاس سے نہیں ہٹا تھا۔

"تب وہ اسی کمرے میں ہی ہو سکتے ہیں۔" وہ بولا "تم... کے پاس ہی کھڑے رہو۔"

اتنے میں علی واقدی نے سلام پھیرا اور اٹھتے ہوئے...

"کیا معاملہ ہے جناب؟"

"چلو، اس کمرے کا دروازہ کھلواؤ۔"

"لیکن اس کمرے میں تو میرے بیوی بچے ہیں اور... ہوں۔ مسلمان عورتیں پردہ کرتی ہیں۔" علی واقدی بولا۔

"ہمیں تلاشی لینی ہے۔ تمہارے گھر کے افراد پردہ کرلیں... تلاشی ضرور لیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔" یہ کہہ کر واقدی دروازے کی طرف...

"بیگم، تم پردہ کرلو۔ خاور تم دروازہ کھول دو۔"

دروازہ کھل گیا۔ اندر ایک لڑکی اور ایک عورت اپنے... کپڑوں میں چھپائے بیٹھی تھیں۔ پولیس افسر نے کمرے کو اچھی... دیکھا بھالا، پھر بولا:

"نہیں وہ یہاں نہیں ہیں۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکل آیا... میں زینے سے بھی دونوں پولیس مین اترتے نظر آئے۔

"چھت پر بھی کوئی نہیں ہے۔"

"تو پھر آؤ، کہیں وہ نکل نہ جائیں۔" اس نے کہا... مکان سے نکل گئے۔



"خدایا، تیرا شکر ہے۔" علی واقدی نے دبی آواز میں کہا اور...ان کا سانس لیا، پھر بولا:

"شاید وہ چھتوں ہی چھتوں کے ذریعے کہیں دور نکل چکے ہوں...ے۔"

...ین اسی وقت اس نے سیڑھیوں پر آواز سنی۔ چونک کر...کی طرف دیکھا، اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس...میں پناہ لینے والے سیڑھیاں اتر کر ان کی طرف آرہے تھے۔

"اوہ، تو آپ لوگ چھت پر ہی تھے؟" اس کے منہ سے...

"جی ہاں۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"لیکن کہاں، چھت پر تو چھپنے کی کوئی بھی جگہ نہیں۔" علی واقدی...ان ہو کر بولا۔

"ہم منڈیر پر انگلیاں جما کر دوسری طرف لٹک گئے تھے۔" وہ...ے۔

"اف خدا اتنا مشکل کام، آپ میں سے کوئی دوسری طرف...جاتا تو؟" علی واقدی نے بوکھلا کر کہا۔

"ہماری زندگی میں ایسے لمحات آتے ہی رہتے ہیں۔ اچھا اب...چلتے ہیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔" یہ کہہ کر وہ دروازے کی...طرف بڑھے ہی تھے کہ علی واقدی کی آواز سنائی دی:

"لیکن ابھی تو باہر چاروں طرف خطرہ ہے۔ کچھ دیر آپ لوگوں
کو یہیں رکنا چاہیے۔" اس نے کہا۔

"ہوں، یہ بھی ٹھیک ہے۔"

اور علی واقدی نے انھیں ایک دوسرے کمرے میں لا کر
دیا اور پھر خود کمرے سے نکل گیا۔

"ابا جان، قلعے جا کر آپ جو کام کرنا چاہتے تھے، وہ یہیں
نہ کر لیا جائے۔" آفتاب نے تجویز پیش کی۔

"بات تو ٹھیک ہے، وہاں روشنی اور پانی کا انتظام بھی
گا۔ تو پھر آؤ، یہیں اپنے حلیے تبدیل کر لیں۔" انسپکٹر کامران
اس کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے وہ کام میں جٹ گئے۔
ٹھیک ڈیڑھ گھنٹے بعد دروازے پر دستک ہوئی اور علی واقدی
آواز سنائی دی۔

"میں نے آپ لوگوں کے لیے کھانے پینے کی کچھ چیزیں
کرائی ہیں۔ دروازہ کھولیے۔"

"کھانے کی ٹرے آپ کے ہاتھ میں تو نہیں ہے۔"
کامران مرزا نے کچھ سوچ کر کہا۔

"جی ہاں، کیوں۔ یہ کس لیے پوچھا آپ نے؟" علی وا
نے حیران ہو کر کہا۔



"اس کی وجہ ہے۔ مہربانی فرما کر پہلے ٹرے نیچے رکھ دیں۔
ڈر ہے کہ یہ کہیں آپ کے ہاتھ سے گر نہ جائے۔"

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔" علی واقدی کے لہجے سے
صاف ٹپک رہی تھی۔

"جب دروازہ کھلے گا، تو سمجھ میں آ جائے گی، فکر نہ کریں۔"

آخر علی واقدی نے ٹرے زمین پر رکھ دی، پھر اس کے بتانے
انھوں نے دروازہ کھول دیا۔

علی واقدی زور سے اچھلا اور اس کی آنکھیں خوف اور دہشت
پھیل گئیں۔ تھوڑی دیر پہلے اس نے جن لوگوں کو کمرے میں
تھا، ان کی جگہ اب اور ہی حلیوں کے لوگ کھڑے تھے۔ ان کی
صورت بالکل تبدیل ہو چکی تھی۔

"ک ک، کیا میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں؟"

"ن ن نہیں۔ ہم خواب نہیں ہیں۔" آفتاب بولا۔

"پھر یہ کیسے ممکن ہے؟"

"آئیے، اندر آ جائیے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ اسی لیے میں
کہا تھا کہ ٹرے نیچے رکھ دیں، ورنہ یہ آپ کے ہاتھوں سے ضرور
جاتی۔"

علی واقدی ٹرے اٹھا کر اندر لے آیا۔ اس بھاگ دوڑ میں
کھانے کا بھی وقت نہیں ملا تھا۔ اب جو کھانے کی خوشبو

ان تک پہنچی — بھوک یک لخت چمک اٹھی۔

انسپکٹر کامران مرزا نے علی واقدی کو گول مول انداز میں
بارے میں بتایا — پھر وہ کھانے کی طرف متوجہ ہوئے۔

دوسرے دن وہ صبح سویرے علی واقدی کے گھر سے
ان کا ارادہ ایک ہوٹل میں دو الگ الگ پارٹیوں کی صور
کمرے حاصل کرنے کا تھا — انسپکٹر کامران مرزا آصف اور فر
ساتھ اور منور علی خان آفتاب کے ساتھ —

گلی سے نکل کر وہ سڑک پر آئے اور اس وقت انہ
آج تو ریاست کے صدر کی سواری سڑکوں پر سے گزرنا
سلسلے میں عوام بڑی سڑک کے دونوں طرف ابھی سے جم
شروع ہو گئے تھے —

"پہلے ہم ہوٹل میں کمرے حاصل کریں گے اور اس
صدر صاحب کا جلوس دیکھیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

اس مرتبہ انہیں جس ہوٹل میں جگہ ملی، اس کا نام
توبان تھا۔ اتفاق سے انہیں ایک ہی منزل پر آمنے سامنے
کمرے دیے گئے تھے — کلرک سے انہوں نے صدر کی سواری کا
معلوم کیا اور اپنے کمروں میں پہنچ گئے — اب وہ خود کو ایک
سے بالکل بے تعلق ظاہر کر رہے تھے۔

ٹھیک دو گھنٹے بعد دونوں پارٹیاں باہر نکلیں اور آ گئے



ں سڑک پر آ گئیں — اب سڑک پر بہت لوگ جمع ہو چکے تھے۔
یں ایک دوسرے سے قدرے فاصلے پر کھڑے ہو کر انتظار
ے گے۔ آخر خدا خدا کر کے انتظار ختم ہوا۔ باڈی گارڈوں کے گھیرے
صدر کی کار ان کے سامنے سے رینگتی ہوئی گزری — کار پر ایک
ا لگایا گیا تھا اور اس پر سفید حروف میں لکھا تھا:

"طان کے قاتل کو کسی صورت نہیں چھوڑا جائے گا۔"

ائی صورت میں یہ جلوس نہایت خاموشی سے گزر گیا۔ انہوں
س قسم کا جلوس پہلی مرتبہ دیکھا تھا — پھر وہ وہاں سے ہٹ
— تقریباً دو گھنٹے تک شہر میں گھومنے پھرنے کے بعد آخر انسپکٹر
ان مرزا نے گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی روکی اور ان دونوں کے
اس میں بیٹھ گئے۔

"پرانے قلعے چلو۔"

"ادھر جانا منع ہے۔" وہ بولا۔

"ہم جانتے ہیں — ہم صرف دور سے قلعے کو دیکھیں گے۔"

"جی بہتر۔"

وہ روانہ ہو گئے — ان کے فوراً بعد منور علی خان نے بھی
ٹیکسی روک لی اور ان کے پیچھے چل پڑے — اگر کوئی
ی کار والا اس معاملے کو دیکھتا تو یہی خیال کرتا، دوسری ٹیکسی پہلی کے
قب میں روانہ ہوئی ہے — آگے پیچھے چلتے وہ قلعے کے پاس اتر

گئے۔ ٹیکسی ڈرائیوروں کو انہوں نے فارغ کر دیا۔

"کیا خیال ہے اباجان، یہ تعاقب کیسا رہا۔" پیچھے سے آفتاب
جھک کر پوچھا۔

"بہت اچھا، ہمیں تعاقب کا ذرا بھی شبہ نہیں ہوا۔" وہ مسکرا
دور دور تک ان کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔

"لیکن اب آپ پھر ادھر کیوں آئے ہیں؟"

"روڈان آخر لوگوں کو یہاں کیوں چھوڑ جاتا تھا۔ یہ بات
یہاں آکر ہی معلوم کر سکتے ہیں۔"

"مجھے تو یہ قلعہ اور وہ جھیل دونوں ہی حد درجے پر
لگتے ہیں۔" فرحت بڑبڑائی۔

"اور مجھے یہ پوری ریاست ہی پراسرار لگتی ہے۔ ایسی ط
تو کہیں دیکھی نہ سنی جو غنڈوں کا ساتھ دیتی ہے۔" آفتاب مسکرا

"خیر یہ تو نہ کہو۔ اب حکومت میں عام طور پر غنڈے
لوگوں کو بھی شامل کیا جانے لگا ہے۔ لیکن یہاں کا معاملہ ذرا
ہے۔ یہاں تو حکومت ہے ہی غنڈوں کے ہاتھ میں۔ صد
دیکھا تھا۔ مجھے تو اس کے چہرے پر کہیں بھی شرافت کے
نظر نہیں آئے۔" آصف بولا۔

"بے شک وہ کوئی شریف آدمی نظر نہیں آرہا تھا، لیکن



چہرے پر میں نے ایک اور چیز بھی نوٹ کی تھی۔ اور میرا خیال
تم اس چیز کو نوٹ نہیں کر سکے ہوگے۔" انسپکٹر کامران مرزا
اسرار انداز میں بولے۔

"اور وہ کیا چیز تھی؟" آصف بے تاب ہو گیا۔

"بے بسی اور بے چارگی۔ یوں لگتا ہے، جیسے اس ریاست کا
ان بالکل مجبور اور بے بس آدمی ہے، جیسے اصل حکمران وہ نہیں،
س کی بجائے کوئی اور ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"آؤ، ذرا اس قلعے کو اندر سے دیکھ لیں۔"

ان کے قدم قلعے کی طرف اٹھنے لگے۔ نہ جانے کیوں ایسے
ان کے دل دھک دھک کرنے لگے۔ جونہی وہ قلعے کے اندر
ل ہوئے، انہیں یوں محسوس ہوا، جیسے اندر کوئی موجود ہو۔ ان کے
قدم رک گئے۔

"ہوشیار، کوئی ہم سے پہلے ہی اندر موجود ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا
منہ پر انگلی رکھتے ہوئے اشاروں میں کہا۔

"تو کیوں نہ ہم قلعے سے باہر نکل کر چھپ جائیں اور دیکھیں کہ
ے کون نکلتا ہے۔" آفتاب نے بہت ہی مدھم آواز منہ سے
الی۔

"پیچھے بزدل ہٹا کرتے ہیں۔ کیوں انکل؟" فرحت نے شرار
انداز میں آنکھیں گھمائیں۔

"خاموش" انہوں نے ایک بار پھر ہونٹوں پر انگلی رکھی ا
پھر ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ آنکھوں میں الجھن لہرانے لگی۔



# ہونٹ سی لو

ان کی آنکھوں کے سامنے ایک عجیب وغریب آلہ موجود تھا۔
نے ایسا آلہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"پروفیسر صاحب، یہ کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"ہوں، میں دیکھتا ہوں" یہ کہہ کر انہوں نے آلہ اٹھا کر میز
لیا اور اسے چیک کرنے میں مصروف ہوگئے، پھر جوں ہی
نے اس کا ایک بٹن دبایا، اس میں نیلے رنگ کا ایک بلب
جلدی جلنے بجھنے لگا۔ ساتھ ہی ہلکی سی ٹوں ٹوں کی آواز ابھرنے
ان کی حیرت میں بلا کا اضافہ ہوگیا۔ اسی وقت پروفیسر داؤد
دوسرا بٹن دبایا۔ نیلا بلب فوراً بجھ گیا۔ آواز بند ہوگئی۔
سرخ بلب روشن ہوگیا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے یہ پیغام رسانی کا کوئی جدید آلہ ہے۔
کے کام کرتا ہے، یعنی لاسلکی" پروفیسر داؤد بڑبڑائے۔ آلے
اور بلب بھی لگے تھے، وہ باری باری انہیں دباتے چلے گئے، لیکن

آلے میں کسی قسم کی آواز نہ ابھری۔ آخر انہوں نے پھر پہلے وال
دبایا اور نیلا بلب پھر جلنے بجھنے لگا۔ ٹوں ٹوں کی آواز شروع
"شاید پروفیسر ہامان اس آلے کو بے کار کر چکا ہے۔"
داؤد بولے۔

"اور میں اسی قسم کی کسی چیز کی تلاش میں تھا۔ میرا خیال
پروفیسر ہامان سرخ پنجے سے ایسے ہی کسی آلے پر بات چیت
ہوگا۔ میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ شاید میں بھی اس آلے
پنجے کو مخاطب کر سکوں، لیکن شاید ہم اس میں کامیاب
وہ بولے۔

"مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں اس آلے کو ساتھ لے
گا اور اس پر غور کروں گا۔ شاید میں اس کے ذریعے پیغام رسا
طریقہ جان جاؤں۔"

"چلیے خیر، اتنا تو ہوا کہ ہم نے اس چیز کو تلاش کر لیا
ہمیں تلاش تھی۔" فرزانہ بولی۔

اسی وقت کمرے میں رکھے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ انسپکٹر
نے فوراً ریسیور اٹھایا اور دوسری طرف کی گفت گو سننے لگے، پھر
رکھتے ہوئے بولے۔

"چلو بھئی گھر چلیں، ہمیں کچھ ضروری کام کرنے ہیں۔"

"جی ضروری کام۔" محمود چونکا۔



"ہاں، بہت ضروری کام۔" انہوں نے پراسرار انداز میں کہا۔

"فون کس کا تھا اباجان؟" فرزانہ بولی۔

"اتنا بھی نہیں معلوم۔" فاروق جھنا کر بولا۔

"کیا نہیں معلوم، کتنا بھی نہیں معلوم۔" فرزانہ کاٹ کھانے
میں بولی۔

"کہ اباجان یہ نہیں بتائیں گے کہ فون کس کا تھا؟"

"ہاں فاروق کا خیال ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

وہ وہاں سے رخصت ہوئے۔ پروفیسر صاحب نے آلہ ساتھ
انہوں نے انہیں تو تجربہ گاہ میں چھوڑا۔ وہاں سے بیگم جمشید
رحمان کے گھرانے کو ساتھ لیا اور روانہ ہوئے، پھر شہناز بیگم
کے بچوں کو ان کے گھر پہنچایا اور خان رحمان سے بولے۔

"تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"کبھی انکار کیا بھی نہیں۔" خان رحمان نے کندھے اچکائے۔

گھر پہنچ کر انسپکٹر جمشید نے انہیں ساتھ لیا اور میک اپ روم
ہوئے بولے۔

"ہمیں ایک سفر درپیش ہے خان رحمان، کل کسی وقت ہمیں
ونا ہے۔"

"اور تم یہ نہیں بتاؤ گے کہ کہاں جانا ہے؟"

"ہاں، ابھی کچھ نہ پوچھو۔ بس مجھے تیاریاں مکمل کرنے دو۔"

انہوں نے کہا۔

پھر انہوں نے سب کا میک اپ کیا۔ تصویریں اتاریں اور
حیران اور پریشان چھوڑ کر گھر سے نکل گئے۔

"یہ یکایک سفر کہاں سے ٹپک پڑا۔" فاروق نے ان کے
کے بعد پریشان ہو کر کہا۔

"تمہاری جان کیوں نکلی جا رہی ہے۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"اور تم کیوں جلی جا رہی ہو۔"

"جلتی ہے میری جوتی۔"

"دھت تیرے کی۔" محمود نے تلملا کر ران پر ہاتھ مارا۔

دوسرے دن شام کے وقت وہ ایک بند جیپ میں روا
ایئرپورٹ پر پہنچے اور ایک جہاز میں سوار ہو گئے۔

"بھئی! اب تو بتا دو کہ یہ جہاز کہاں جا رہا ہے۔" خان
اپنی بڑی بڑی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ یہ مونچھیں بالکل
تھیں جو انسپکٹر جمشید نے بہت مہارت سے ان کے منہ پر لگائی
خود وہ بغیر مونچھوں کے نظر آ رہے تھے۔ ان کی ٹھوڑی میں ایک
پڑ گیا تھا اور ناک پہلے سے لمبا نظر آ رہا تھا۔ کوئی شناسا
کر بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ انسپکٹر جمشید ہیں۔ اسی قسم کی
محمود، فاروق اور فرزانہ کے چہروں پر کی گئی تھیں۔

"اب دو اڑھائی گھنٹے کے بعد تو ہم پہنچ ہی جائیں گے



کروں گا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اور جہاں ہم جا رہے ہیں، وہاں کے ایئرپورٹ پر جگہ کا نام پڑھ
لیں گے۔ لہذا انہیں وہاں بھی کچھ بتانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"
فاروق نے مسمسی صورت بنائی اور وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکے۔

"ویسے ابا جان! میں ایک اندازہ لگا سکتا ہوں۔ سفر کا یہ پروگرام
رات والے فون سے پہلے تو تھا نہیں۔" محمود نے ان کی طرف بغور دیکھا۔

"ہاں، تمہارا خیال ٹھیک ہے۔" انہوں نے جواب دیا۔

"تو وہ فون کس کا تھا! کم از کم یہی بتا دیں۔" محمود نے درخواست کی۔

"ایک دوست کا۔" وہ بولے اور خان رحمان ہنس پڑے۔

"ابا جان، کیا ہم اس ملک جا رہے ہیں۔ جس میں پروفیسر ہامان
کو جانے دیا گیا ہے۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"نہیں۔" انہوں نے کہا۔

"ختم کرو بھئی، اس بار ابا جان ہمیں کچھ نہیں بتائیں گے۔ ہمیں
اپنی عقل کے گھوڑوں کو تکلیف دینا پڑے گی۔" فاروق نے ہاتھ نچایا۔

اور وہ سوچ میں گم ہو گئے، لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔
یہاں تک کہ جہاز ایئرپورٹ پر اتر گیا۔ اسی وقت انہوں نے اس جگہ
کا نام پڑھا، جہاں وہ پہنچے تھے۔ موٹے موٹے سرخ روشن حروف میں
لکھا تھا:

"ریاست ہندا۔"

"ریاست بندا، یہ تو ہماری پڑوسی ریاست ہے، لیکن شاید ہمارے تعلقات اس ریاست سے اچھے نہیں ہیں۔ یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ خوش گوار نہیں ہیں" محمود بڑبڑایا۔

"ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن ہم یہاں کیوں آئے ہیں ابا جان؟"

"ہاں بھئی، اب میں بتا ہی دوں۔ کہیں تم زیادہ ہی الجھن کا شکار نہ ہو جاؤ۔ میں یہاں سرخ پنجے کی تلاش میں ہی آیا ہوں"

"جی، سرخ پنجے کی تلاش میں؟" ان کے منہ سے ایک ساتھ حیرت زدہ آواز میں نکلا۔

"ہاں، میرا اندازہ کہتا ہے، وہ اسی ریاست میں کہیں موجود ہے" وہ بولے۔

"اوہ" انہوں نے پھر ایک ساتھ کہا۔

ایئر پورٹ سے باہر نکل کر وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ دن غروب ہو چلا تھا اور پورا شہر جگمگ کر رہا تھا۔

"ہوٹل ژالید چلو بھئی" انسپکٹر جمشید نے ڈرائیور سے کہا۔

"بہت بہتر" اس نے کہا اور ٹیکسی چلا دی۔

"کیا ہوٹل میں آپ کمرے بھی بک کرا چکے ہیں؟"

"ہاں بھئی، فکر نہ کرو۔ سب انتظام ہو چکا ہے" انہوں نے بتایا۔

ان کی ٹیکسی ہوٹل ژالید کے دروازے پر رکی۔ وہ نیچے اترے ہی



تھے کہ ایک پولیس افسر تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔

"بہت خوب، تو یہ ٹھاٹ ہیں۔ میک اپ کرنے میں تم لوگ بہت ماہر ہو، لیکن میری عقابی نظروں سے تم لوگ بچ نہیں سکتے"

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید تیز لہجے میں بولے۔

"روڈان کے قاتل بچ کر کہاں جا سکتے ہیں" پولیس افسر بولا۔

"روڈان، کون روڈان؟" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"ہوگا کوئی بے چارہ، سر سے گنجا" فاروق نے منہ بنایا۔

"بھئی ارماس، آجاؤ تم بھی دیکھ لو۔ یہ لوگ کیا گل کھلاتے پھر رہے ہیں" پولیس افسر نے دور کھڑے ایک اور پولیس افسر کو آواز دی۔ وہ ان کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ اپنے ساتھی کی آواز سن کر ان کی طرف بڑھا۔

"ہاں بھئی، یہ ہیں وہ جنہوں نے ہمیں ہوٹل کے کمرے میں بے ہوش کیا تھا اور پھر کچھ اور شریف آدمیوں کو بھی باندھ کر چلتے بنے تھے۔ اب یہ بچ کر نہیں جا سکتے" یہ کہتے ہوئے دوسرے نے پستول نکال لیا اور بولا:

"تم لوگوں کو پولیس سٹیشن چلنا ہوگا"

ٹیکسی ڈرائیور پریشانی کے عالم میں کھڑا انہیں باری باری دیکھ رہا تھا۔

"ہم ابھی ابھی اپنے ملک سے یہاں پہنچے ہیں۔ ہوائی اڈے سے

یہ ٹیکسی لے کر سیدھے یہاں آئے ہیں۔ اس ہوٹل میں ہم نے
کمرے بک کروا رکھے ہیں۔ یہ ہمارے ٹکٹ اور کاغذات ملاحظہ
فرمایئے۔" انسپکٹر جمشید نے جیب میں ہاتھ ڈالنا چاہا، لیکن پستول
والے نے گرج کر کہا:

"خبردار، ہاتھ جیب کی طرف نہ لے جانا، ہم خود دیکھ لیں
گے۔"

"ضرور ضرور۔" انسپکٹر جمشید بھنا اٹھے۔

ان کے کاغذات اور ٹکٹ چیک کیے گئے، پھر اس
کہا:

"بھئی جاگو، یہ تو وہ لوگ نظر نہیں آتے۔"

اس نے بھی کاغذات دیکھے، پھر بولا:

"ہوں! ہمیں افسوس ہے جناب ہمیں غلط فہمی ہو گئی تھی۔ آپ
سکتے ہیں۔"

"شکریہ۔" انہوں نے برا سا منہ بنایا۔ عین اسی وقت ایک پولیس
جیپ آ کر رکی اور اس میں سے ایک سب انسپکٹر نے آ کر کہا۔

"سر خیال ہے کہ ان لوگوں کو پرانے قلعے کی طرف جاتے
گیا ہے۔"

"پرانے قلعے کی طرف۔ اوہ آؤ، اور اس جلدی کرو۔"

وہ تیزی سے مڑ گئے۔ انسپکٹر جمشید نے ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا



جیب میں ہاتھ ڈالا اور بولے:

"یہ کیا چکر ہے بھئی، کچھ بتا سکتے ہیں آپ؟"

"روڈان اس حکومت کا ایک بہت خاص آدمی تھا۔ اسے کسی
نے ہلاک کر دیا ہے۔ سنا جا رہا ہے کہ اسے ہلاک کرنے والے
لکی ہیں۔"

"لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ ہر غیر ملکی کو قاتل خیال
انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ بات نہیں، دراصل ان غیر ملکیوں میں دو مرد، دو لڑکے اور
کی شامل ہیں۔ اتفاق سے آپ بھی دو مرد، دو لڑکے اور ایک
ہیں۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ ٹیکسی ڈرائیور پھر بولا:

"اب ان لوگوں کی تلاش میں پولیس جگہ جگہ چھاپے مار رہی ہے۔
اب بھی آج تھوڑی دیر پہلے اس سلسلے میں شہر کی سڑکوں پر
لگا چکے ہیں۔ ان لوگوں کی وجہ سے آپ بھی کہیں مشکل میں
جائیں، کیونکہ آپ کو خاص طور پر ہر مقام اور ہر موڑ پر چیک
ئے گا۔ کیا آپ سیر کی غرض سے آئے ہیں؟"

"یہی سمجھ لیں۔" انسپکٹر جمشید بجھی بجھی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

"تب آپ بہت غلط وقت پر آئے ہیں۔ ابھی ان غیر ملکیوں
سرسری انداز میں ہو رہی ہے، لیکن اگر وہ آج رات تک

گرفتار نہ ہوئے تو پھر ان کی تلاش اس قدر بڑے پیمانے پر
سارے شہر کا جینا حرام ہو جائے گا۔ ہر گھر کو پریشان کیا جا
خاص طور پر ان کے ہم مذہبوں کو ۔۔۔ اور سننے میں آیا ہے کہ
ہیں۔ آپ بھی مسلمان دکھائی دیتے ہیں۔" ڈرائیور بولا۔

"ہاں اور آپ بھی، ٹھیک ہے نا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں، یہاں کی فضا ہمارے لیے مناسب نہیں ۔۔۔ مجبوروں
کسوں کی سی زندگی گزار رہے ہیں ہم ۔۔۔ دوسرے مذہب کے
کچھ پرسکون نہیں ہیں، لیکن ہماری نسبت کم پریشان ہیں۔"

"ہوں، اور یہ پرانا قلعہ کیا شے ہے ۔۔۔ کیا کسی آبادی
انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی نہیں، یہ ایک قلعہ ہی ہے۔ پرانا قلعہ اور پرانی جیل
۔ کی پراسرار ترین چیزیں ہیں۔ ان دونوں جگہوں پر جانے کی پابندی
شاید اسی لیے ان جرائم پیشوں نے ادھر کا رخ کیا ہے کہ وہاں چھپ
گے، لیکن یہ ان کی خوش فہمی ہے ۔۔۔ اچھا جناب، اب مجھے
دیجیے، کہیں کسی پولیس والے کو مجھ پر بھی شک نہ ہو جائے
کہا اور چلتا بنا۔

"یہاں تو آتے ہی پراسرار معاملات شروع ہو گئے۔" فاروق
فکرمند ہو کر کہا۔

"آؤ، سامان رکھ کر پرانے قلعے چلیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔



"اتنی جلدی ابا جان، ہم کل سے سیر کا پروگرام کیوں نہ شروع
کریں۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"ہم یہاں سیر کرنے نہیں، سرخ پنجے کی تلاش میں آئے ہیں،
پہلے ہی بتا چکا ہوں۔" انہوں نے منہ بنایا۔

"لاحول ولا قوۃ، ہم سمجھ رہے تھے کہ سیر کے لیے آئے ہیں۔"
فاروق بولا۔ انسپکٹر دروازے کی طرف چل پڑے۔

"اگر تم پر سیر کا بھوت اتنا ہی سوار ہے تو تم سیر کرنا، ہم
سرخ پنجے کو تلاش کریں گے۔" فرزانہ نے منہ سکوڑا۔

"شکریہ، ایسے آثار کہاں کہ میں سیر کر سکوں۔"

اتنے میں وہ کاؤنٹر تک پہنچ گئے ۔۔۔ ان کے کمرے پہلے ہی بک
تھے، فوراً ہی انہیں چابیاں دے دی گئیں۔ سامان رکھتے ہی وہ باہر
نکل آئے اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔

"پرانا قلعہ چلنا ہے بھئی۔"

"لاحول ولا قوۃ، جسے دیکھو پرانا قلعہ ۔۔۔ ارے میاں ادھر جانے
کی پابندی ہے۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"جہاں تک چل سکتے ہیں، چلیں۔" انہوں نے لاپروائی سے کہا۔

اور ٹیکسی چل پڑی ۔۔۔ ڈرائیور نے انہیں قلعے سے کافی دور اتار
دیا۔ اب وہ پیدل آگے بڑھے ۔۔۔ کچھ ہی آگے بڑھے تھے کہ ایک
پولیس جیپ کھڑی نظر آئی۔ اسے دیکھ کر وہ ٹھٹکے اور پھر پیچھے ہٹنے لگے۔

یہاں تک کہ درختوں کے پاس پہنچ گئے۔ جلد ہی وہ درختوں کی اوٹ میں تھے۔

"عجیب شہر ہے، یہاں تو کوئی ہل جل نہیں ہے۔ اگر ہمیں یہ اطلاع ملی تھی کہ قاتل قلعے کی طرف جاتے دیکھے گئے ہیں، تو یہاں تو اس وقت پولیس ہی پولیس ہونی چاہیے تھی، لیکن ہم یہاں صرف ایک جیپ دیکھ رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"شاید کسی بڑے انعام کے لالچ میں پولیس افسر اپنے اپنے طور پر انہیں گرفتار کرنے کی کوشش میں ہیں۔" فرزانہ نے خیال ظاہر کیا۔

عین اسی وقت جیپ واپس شہر کی طرف جاتی نظر آئی۔

"لو بھئی، یہ تو جا رہے ہیں۔ اب ہم اس قلعے کی سیر کریں گے۔" فرزانہ خوش ہو کر بولی۔

"اور ابھی مجھے سیر کے طعنے دیے جا رہے تھے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"آؤ آگے چلیں۔" جوں ہی جیپ نظروں سے اوجھل ہوئی، انسپکٹر جمشید بولے۔

انہوں نے چاروں طرف احتیاطاً نظریں دوڑائیں۔ دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ آخر آگے بڑھے اور قلعے میں داخل ہو گئے۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ قلعہ کسی زمانے میں بہت شاندار رہا ہوگا، لیکن حکومت کی بے توجہی کی وجہ سے خستہ ہو چکا ہے۔" انہوں



... کی دیواروں اور چھتوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

قلعے کے ایک ایک حصے کا جائزہ لیتے ہوئے آخر وہ ایک اندرونی ... میں پہنچے۔ اس کمرے کو بغور دیکھتے ہی انسپکٹر جمشید چونک اٹھے۔

"عجیب بات ہے۔ قلعے کی سیر پر پابندی عاید ہے۔ پورا قلعہ ... ار سے اٹا ہوا ہے، لیکن یہ کمرہ صاف ستھرا نظر آرہا ہے: البتہ ... وں کے نشانات یہاں ضرور دیکھے جا سکتے ہیں۔"

"جی ہاں، ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے یہ کمرہ کسی کے استعمال ... رہتا ہو۔" فرزانہ نے ان کی تائید کی۔

"تو پھر ضرور کسی جن یا بھوت کے استعمال میں رہتا ہوگا۔" فاروق ... پریشان ہو کر کہا۔

"لیکن یہ جملہ تم نے پریشان ہو کر کیوں کہا؟"

"اس لیے کہ ہم اس وقت ایک آسیب زدہ قلعے میں ہیں۔" ... کانپ کر بولا۔

"بھئی، میرا تو جی چاہتا ہے، اس کمرے میں کچھ دیر آرام کر لیا ...:" انسپکٹر جمشید جیب سے رومال نکالتے ہوئے بولے۔

"کیا کہہ رہے ہیں ابا جان، کپڑوں کا ستیاناس ہو جائے گا۔" ... بوکھلا اٹھا، اسے کپڑوں کا خیال ستائے رکھتا تھا۔

"پروا نہیں، ہوٹل میں جا کر دوسرے پہن لیں گے۔" انسپکٹر جمشید ... اور دیوار کے ساتھ رومال فرش پر بچھا کر اس پر بیٹھ گئے۔

"اب تو مجبوری ہے، ہمیں بھی بیٹھنا ہوگا۔" خان رحمان مسکرائے
پانچوں دیوار سے لگ کر بیٹھ گئے۔ اگرچہ ان پر تھکن
کوئی چیز سوار نہیں تھی، پھر بھی نہ جانے کیوں انسپکٹر جمشید نے
بیٹھنے کا پروگرام بنایا تھا۔ اچانک انہوں نے فرزانہ کا رنگ
دیکھا۔

"مم، مجھے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے اباجان۔ اس، اس کم
شش، شاید ہمارے علاوہ بھی کوئی ہے۔" وہ کانپ کر بولی۔

"یہ۔ یہ جملہ کہیں میں نے تو نہیں کہا،" فرزانہ کی آواز
فاروق بوکھلا کر بولا۔

خان رحمان اور محمود نے جلدی سے انسپکٹر جمشید کی طرف
کی، آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آرہے تھے۔ آخر چند
خاموشی کے بعد انہوں نے کہا:

"فرزانہ کا خیال غلط نہیں ہے۔ اس کمرے میں ہمارے
کوئی ہے۔"

"لیکن جمشید، کمرہ ہمارے سامنے ہے۔ اس میں کوئی الما
کھڑکی۔ نہ کوئی ایسی جگہ، جہاں کوئی چھپ سکے، پھر یہ کس
سکتا ہے کہ یہاں ہمارے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے۔" خان
ہو کر بولے۔

"یہی تو دیکھنا۔ دیکھنا..." ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا



ں پر انگلی رکھتے ہوئے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود
دروازے کی طرف بڑھے۔ جوں ہی انہوں نے دروازہ کھولا،
ل کی نالی انہیں نظر آئی۔ بلا کی سرعت سے انہوں نے پستول
ے مارا۔ ساتھ ہی ان کی ٹھوڑی پر ایک زوردار مکا لگا۔
سر چکراتا محسوس ہوا۔ اتنے شاندار مکے انہوں نے بہت کم
ں گے؛ تاہم انہوں نے سر کو ایک زوردار جھٹکا دے کر اپنے
حال کیے اور دروازے پر موجود شخص کا ہاتھ بلا کی رفتار سے
کی طرف جھٹکا دیا۔

ادیر میں خان رحمان، محمود، فاروق اور فرزانہ بوکھلا کر اٹھ
ئے تھے۔ انہوں نے مدمقابل کو اس جھٹکے کے ساتھ اندر
لیکن یہ دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی تھی کہ اس جھٹکے نے
کام نہیں کیا تھا۔ جھٹکے کے اثر سے نکلتے ہی انسپکٹر جمشید کی
ف ایک مکا آیا۔ اس مکے کو انہوں نے بجلی کی سرعت سے
کر بے کار کیا اور اس کا بازو کلائی سے پکڑ کر خود نیچے
نتیجہ یہ کہ وہ ان کے اوپر سے ہوتا ہوا دوسری طرف
گرا، لیکن دوسرا لمحہ حیران کن تھا۔ گرتے ہی وہ اس تیزی
کر انسپکٹر جمشید کو سنبھلنے کی مہلت نہ مل سکی۔ اس نے ان
انگیں پکڑ کر گھسیٹ لیں۔ وہ بھی دھڑام سے گرے اور ان
ل کے لیے بھی شاید یہ حیران کن ترین لمحہ تھا۔ جب اس کے

سینے پر وہی دونوں پاؤں لگے، جو اس نے پکڑ کر گھسیٹ
وہ الٹ گیا اور انسپکٹر جمشید سیدھے کھڑے نظر آئے؛
الٹتے ہی اس نے اپنی دونوں ٹانگیں استعمال کر ڈالیں۔
انسپکٹر جمشید کی ٹانگوں میں الجھ گئیں اور وہ لڑکھڑا گئے، پھر انہو
اپنے دونوں ہاتھ فرش پر ٹکائے اور ابھی ٹانگوں کو ایک
جھٹکا دیا۔ انہوں نے مقابل کو ہوا میں اچھلتے دیکھا، لیکن
گرنے کی بجائے وہ ان کے عین اوپر گرا۔ دونوں زندہ
ساتھ گرے۔ اب مقابل ان کے اوپر تھا، لیکن دوسرے
نیچے اور انسپکٹر جمشید اوپر نظر آئے۔ انہوں نے بلا کی
دونوں ہاتھ اس کے گلے پر جما دیے۔ فوراً ہی اس کے
کے گلے پر جم گئے۔ اب دونوں ایک دوسرے کا گلا دبا
مقابل کی کوشش یہ بھی تھی کہ وہ نیچے سے نکل کر اوپر آ
اوپر والا شخص گلا زیادہ زور سے دبا سکتا ہے۔ جلد ہی
میں کامیاب ہو گیا اور انسپکٹر جمشید نیچے چلے گئے۔ دونوں کے
دوسرے کے گلے پر ہی رہے۔ ان کے دل زور زور سے
تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں اس قدر تیز رفتار اور
نہیں دیکھی تھی اور ابھی صرف چند سیکنڈ ہوئے تھے۔ چند
انہوں نے اتنے پینترے بدل ڈالے تھے۔ ایسے میں محمود کی
کی طرف اٹھ گئی۔ وہ چونک اٹھا۔ مقابل بھی تنہا نہیں



ساتھی دروازے پر موجود تھے اور انہی کی طرح مبہوت ہو کر اس
ل کو دیکھ رہے تھے؛ گویا انہیں ان کی موجودگی کی پروا نہیں رہ
تھی اور نہ انہیں ان کی۔ فاروق، فرزانہ اور خان رحمان نے
انہیں دیکھ لیا اور ادھر وہ لوگ بھی انہیں دیکھ چکے تھے اور یہ
کا موقع انہیں اس طرح ملا تھا کہ دونوں لڑنے والے اب بس
گھونٹنے میں مصروف تھے۔ کبھی ایک اوپر آ رہا تھا تو کبھی دوسرا۔
کسی ایک کا سانس بھی اکھڑتا نظر نہیں آ رہا تھا؛ حالانکہ تقریباً
منٹ گزر چلا تھا۔ نصف منٹ تک سانس روکنا ایک عام آدمی کے
مشکل ہے۔ اچانک فرزانہ نے سوچا، کہیں دروازے پر موجود
اچانک اپنے ساتھی کی مدد کے لیے نہ بڑھ آئیں، لہذا وہ بلند
میں چلا اٹھی۔

"خبردار، تم لوگ دروازے پر ہی موجود رہو گے۔ ایک انچ بھی
بڑھے تو میں گولی مار دوں گی۔" یہ جملہ کہنے سے پہلے ہی وہ
پر پڑا پستول اٹھا چکی تھی۔

دروازے پر موجود لوگوں نے حیرت بھرے انداز میں اس کی طرف
پھر اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ انسپکٹر جمشید کے مقابل کو
ایک جھٹکا سا لگا اور انسپکٹر جمشید کے گلے پر سے ہاتھ ہٹ گئے۔
وقت انسپکٹر جمشید نیچے تھے۔ انہوں نے مقابل کے چہرے پر مسکراہٹ
دیکھی۔ اس مسکراہٹ کو انہوں نے حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔

"کیا بات ہے دوست، کیا تھک گئے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نہیں، اس پیاری سی بچّی کی آواز سننے کے بعد میں آپ
نہیں لڑ سکتا۔"

"ارے، یہ میں کیا سُن رہا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بوکھلا کر بولے
کیونکہ ان کے کانوں سے انسپکٹر کامران مرزا کی آواز ٹکرائی تھی۔

"یہ، یہ ہم کیا سُن اور دیکھ رہے ہیں۔" محمود نے بوکھلائی
آواز میں کہا۔

"یا تو ہمارے کان بج رہے ہیں یا پھر آنکھیں دھوکا کھا
آفتاب بولا۔

"یا پھر ہم سب کے سب ایک ہی خواب کے مزے لے
ہیں۔" فاروق منمنایا۔

"یا پھر یہ قلعہ واقعی آسیب زدہ ہے اور اس قلعے کے آ
ہمیں اٹھا کر ایک جگہ لے آئے ہیں، تاکہ ہمیں آپس میں لڑا کر
اندوز ہوں۔" فرزانہ بولی۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہمارے کان دھوکا کھا رہے ہوں
آنکھیں بج رہی ہوں۔" آصف مسکرایا۔

"لاحول ولا قوۃ، ان سب نے مل کر میرے لیے تو کچھ چھوڑا
نہیں، اب میں کیا کہوں۔" فرحت تلملا کر بولی۔

"تم یہ کہو کہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ بات صرف اتنی سی



واقعی یہاں موجود ہیں۔" منور علی خان ہنسے۔

"ارے، یہ آواز تو میرے شکاری دوست کی ہے۔" خان رحمان

اس وقت تک انسپکٹر جمشید اور کامران مرزا اٹھ کر کھڑے ہو چکے تھے۔
پھر کیا تھا، وہ دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔ ان کی
محمود آصف کی طرف لپکا۔ آفتاب فاروق کی طرف جھپٹا اور
فرحت کو گلے سے لگا لیا۔ خان رحمان منور علی خان کی طرف

"یہ سب تو ہیں جاسوس۔ ساتھ تو میرا اور آپ کا عجیب ہے۔
شکاری دوسرا فوجی۔ وہ بھی ریٹائرڈ۔" خان رحمان ہنس کر بولے۔

"تو کیا ہوا، شکاری اگر جانوروں کا شکار کرتا ہے تو فوجی آدمیوں
کرتا ہے؛ گویا ایک فوجی بھی شکاری سے کم نہیں ہوتا۔" منور علی
مسکرائے۔

اور دونوں گرم جوشی سے ایک دوسرے سے لپٹ گئے، پھر سب
کے ساتھ گلے ملے۔ ہاتھ ملائے گئے۔

"یوں لگتا ہے، جیسے آج عید کا دن ہے اور ہم ابھی ابھی عید
پڑھ کر فارغ ہوئے ہیں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن یہ عید ذرا عجیب سی ہے، سویاں نہیں مل سکیں گی۔"
بول اٹھا۔

"اس سے پہلے کہ یہ لوگ اپنی مہابھارت شروع کریں، ہمیں
آپس کے حالات جان لینا چاہییں۔ اوہ ہاں، اب سمجھا۔ تو ساحل
آپ ہی کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔" انسپکٹر جمشید چونک کر بولے۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ لیکن اس میں میرا کوئی قصور نہیں
مجھے جان سے مار ڈالنے کی تیاری کر چکے تھے۔" انسپکٹر کامران مرزا

"یوں مزا نہیں آئے گا۔ آپ بھی تفصیل سے سنائیں اور
بھی۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے، کسی طرح مزا آئے گا تو سہی۔ میں تو
گیا تھا، اس کم بخت مزے کو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اب جھولیاں بھر لینا۔" آفتاب بولا۔

"خدا کے لیے اس وقت تک کے لیے ہونٹ سی لو، جب
کہانیوں کا تبادلہ نہ ہو جائے۔" فرزانہ نے ہاتھ جوڑے۔

"لو بھئی، یہ تو ابھی سے ہاتھ جوڑنے لگی۔" فاروق ہنسا۔

"آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔" آفتاب بولا۔

"شاید بہت دنوں تک تیاری کرتے رہے ہو۔ ملاقات کے
پر جملوں کے تبادلوں کی۔" محمود جل کر بولا۔

"قسم لے لو، جو ایک دن، یا ایک گھنٹے کے لیے بھی تیاری
ہو۔" آفتاب نے فوراً کہا۔

"شکریہ، مجھے قسم لینے کا ایسا کوئی شوق نہیں۔" محمود



لا۔

"پھر اس وقت تو میرے پاس اور کچھ بھی نہیں۔" آفتاب نے

"دھت تیرے کی، محمود تم بھی ان کی پلیٹ میں آ گئے۔" فرزانہ
بنا کر کہا۔

"ایک محمود کیا، ہماری پلیٹ میں تو اچھے اچھے، بلکہ بڑے بڑے
گئے ہیں۔" فاروق بولا۔

"ابا جان اور انکلز، یہ آپ لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔" فرزانہ نے
انہیں خبر دار کیا۔

"ہو گا، ہمیں کیا۔" خان رحمان نے کندھے اچکائے۔ انہیں عج
دلچسپی محسوس ہو رہی تھی اس گفت گو میں۔

"یار محمود، کہیں تم نے اپنا تکیہ کلام فرزانہ کو ادھار تو نہیں
دیا۔"

"نہیں، اس وقت یہ اڑا کر لے گئی ہے۔" محمود بے چارگی
عالم میں بولا۔

"دیکھا، سب بہہ گئے نا باتوں کے طوفان میں۔" انسپکٹر کامران
نے ہنس کر کہا۔

"یہ بھی تو دیکھیں کہ ملاقات کتنے عرصے بعد ہوئی ہے۔" آفتاب
کہا۔

"ہاں، دیکھ رہا ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اچھا تو پھر تم یوں کرو کہ برابر والے کمرے میں چلے جاؤ، تم وہاں بات چیت کرو، ہم یہاں۔"

"لیکن یہ کمرہ بہت صاف ستھرا ہے۔ دوسرے کمرے نامناسب ہیں۔" فاروق نے اعتراض کیا۔

"اچھا تو ہم دوسرے کمرے میں چلے جاتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بے چارگی کے عالم میں بولے۔

"ضرور، بھلا ہم کیا اعتراض کر سکتے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

وہ جھلا کر اٹھے، لیکن خان رحمان اور منور علی خان ٹس سے مس بھی نہ ہوئے۔

"کیوں بھئی، کیا تم دونوں ہمارے ساتھ نہیں چلو گے۔" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"نہیں بھئی، ہمیں ان کی باتوں میں لطف آ رہا ہے۔" منور علی خان نے کہا۔

اور وہ مسکراتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔ کمرے میں یک لخت خاموشی چھا گئی۔

"چلو بھئی، اب کرو آزادانہ باتیں۔" منور علی خان بولے۔

"جی، جی اب کیا باتیں کریں۔" فاروق نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔



"کیوں، کیا ہوا؟"

"دراصل باتوں کا دھارا تو اب رک گیا ہے۔ ہم بھی یہی سننا چاہتے ہیں کہ ہم لوگ اس شہر میں اکٹھے کیسے ہو گئے۔" محمود بولا۔

"لاحول ولا قوۃ، پھر ان دونوں کو باہر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی، ٹھہرو، میں ابھی بلاتا ہوں انہیں۔" خان رحمان بولے۔

"جی نہیں، ہم بھی ان کے پاس چلتے ہیں۔"

وہ اٹھ کر باہر نکلے۔ دوسرے کمرے میں دونوں موجود تھے۔ ابھی انہوں نے واقعات شروع بھی نہیں کیے تھے کہ قدموں کی آواز سنائی دی۔

"کیوں، اب کیا ہوا؟"

"سوری، ہم یہ واقعات سنے بغیر نہیں رہ سکتے۔" فاروق نے مردہ آواز میں کہا۔

"لیکن تم خاموش بھی تو نہیں رہ سکتے۔"

"وعدہ رہا۔ جب تک آپ دونوں واقعات ختم نہیں کریں گے، ہم اپنی زبان نہیں کھولیں گے۔" آفتاب نے کہا۔

"تمہارے وعدے کا کیا اعتبار۔" انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

"تو بھائی فاروق سے وعدہ لے لیجیے۔" آفتاب مسمسی صورت بنا کر بولا۔

"اس کے وعدے کا اعتبار مجھے نہیں۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے
بولے۔

"بھئی، میں ان دونوں کی ضمانت دیتا ہوں۔" آخر خان رحمان
نے کہا۔

اور وہ پھر اسی کمرے میں آکر بیٹھ گئے۔ پہلے انسپکٹر کامران مرزا نے
یہاں آنے کے واقعات بتائے اور اس وقت قلعے تک پہنچنے کے ا
میں بتا کر خاموش ہوگئے۔

"اب تو ہمیں بھی اس جھیل کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوگیا ہے۔"
ان کے خاموش ہونے پر خان رحمان بولے۔

"اور کیا ہم اس وقت اسی کمرے میں موجود ہیں۔" انسپکٹر
بولے۔

"ہاں، یہ وہی کمرہ ہے۔" منور علی خان نے کہا۔

"بہت خوب۔ اور اب میں سناتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
انہوں نے شروع سے آخر تک کے تمام واقعات سنا ڈالے۔

"لیکن آپ لوگ یہاں کس طرح پہنچ گئے؟" انسپکٹر کامران مرزا
نے حیران ہو کر پوچھا۔

"پروفیسر ہامان کو جلاوطن کرنے کی تیاری کے ساتھ ہی میں نے
اس کے بتائے ہوئے ملک میں موجود اپنے ایک سراغرساں دوست کو
فون کر دیا تھا۔ وہ فوراً ایئرپورٹ پہنچ گیا۔ جب پروفیسر ہامان اترا تو



اس نے نگرانی شروع کر دی۔ پروفیسر ہامان ایئرپورٹ سے باہر نہیں
آیا تھا۔ اندر ہی رہ کر اس نے ریاست بندا کا ٹکٹ حاصل کر لیا
اور یہاں کے لیے سوار ہو گیا۔ میرے دوست نے اسے اپنی آنکھوں
سے اس جہاز پر سوار ہوتے دیکھا تھا اور پھر مجھے فون کیا تھا،
میں اس کے سوا کر بھی کیا سکتا تھا کہ یہاں کا سفر اختیار کروں۔"
انسپکٹر جمشید نے بتایا۔

"اوہ، تو یہ بات تھی۔" محمود نے طویل سانس چھوڑا۔

"اور اس کا مطلب ہے، سرخ پنجہ اسی ریاست میں موجود ہے۔
ورنہ پروفیسر ہامان ادھر کا رخ ہرگز نہ کرتا۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"بالکل، اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"اور اب ہمیں ایک تو یہ معلوم کرنا ہے کہ روڈان اور ناٹی
غیر ملکی لوگوں کو گھیر کر یہاں کیوں لاتے تھے۔ دوسرے یہ کہ پروفیسر
داؤد کی تجوری سے جو خط چرایا گیا، اس میں کیا تھا۔ خط جو انہیں
ان کے دوست ڈاکٹر ٹام یگ نے بھیجا تھا اور تیسرے یہ کہ یہ سرخ
پنجہ کیا بلا ہے۔ کیا کر رہا ہے ساری دنیا میں۔ اس کا نام کبھی
کسی ملک میں سننے میں آتا ہے، کبھی کسی ......"

انسپکٹر کامران مرزا کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اسی
وقت انہوں نے کمرے کا دروازہ یک دم بند ہونے کی آواز سنی

تھی اور ساتھ ہی کمرے میں گھپ اندھیرا ہو گیا۔ اس سے [illegible]
چاند کی کسی قدر روشنی میں وہ ایک دوسرے کو دیکھ [illegible]
تھے۔





# بات چیت کی ٹانگ

"ارے [illegible] یہ دروازہ کس نے بند کر دیا؟" آصف چونک کر بولا۔
"کم از کم پولیس والوں نے تو بند کیا نہیں ہوگا، کیوں کہ [illegible] والے تو دروازہ کھلوایا کرتے ہیں۔" خان رحمان بولے۔
انسپکٹر کامران مرزا نے اٹھ کر دروازے کے پٹ کھول کر [illegible]۔ لیکن وہ ہلے بھی نہیں۔
"کون ہے باہر، دروازہ کس نے بند کیا ہے؟"
"ہم نے۔ قلعے کی سیر پر پابندی عاید ہے، پھر تم کون [illegible] ہو اندر داخل ہونے والے۔" آواز آئی۔
"تو ہمیں پولیس کے حوالے کر دیں نا۔ دروازہ کیوں بند کیا ہے؟" [illegible] کامران مرزا نے منہ بنایا۔
"دروازہ اس لیے بند کیا ہے کہ تم لوگ فرار نہ ہو سکو۔ پولیس [illegible] اب اطلاع دینے جا رہے ہیں۔" باہر سے آواز آئی۔
"گویا آپ خود جا کر پولیس کو اطلاع دیں گے۔ اس طرح تو

بھئی بہت دیر لگ جائے گی اور بند کمرے میں ہمارے دل بری
گھبرائیں گے۔ مہربانی فرما کر فون کرکے پولیس کو بلوا لیں۔"

"یہاں فون کا انتظام کہاں — ہاں، جوں ہی کوئی فر
آیا، پولیس کو اطلاع دے دی جائے گی۔ فکر نہ کریں۔"

"بہت اچھا، اب نہیں کریں گے فکر۔" انہوں نے کہا
مڑے —

"ہو سکتا ہے، یہ شخص قلعے کا محافظ ہو۔ اس کے ساتھ
لوگ بھی ہوں — خیر دیکھا جائے گا۔" انسپکٹر جمشید نے خیال
اسی وقت ایک زور دار گڑگڑاہٹ کی آواز گونجی، بالکل
معلوم ہوا جیسے بادل گرجے ہوں۔

"شش، شاید بارش آنے والی ہے۔" آصف نے بوکھلا
دیکھا، لیکن ان کے سروں پر تو اونچی چھت تھی۔

"ابھی ابھی تو ہم قلعے میں داخل ہوئے ہیں۔ اس وقت
باہر بارش کے امکانات نہیں تھے۔" فرحت نے حیران ہو کر

"تو پھر یہ مصنوعی بارش ہو گی۔" فاروق نے خیال

"لو، اور سنو بے پر کی۔" محمود نے منہ بنایا۔

"ارے، یہ کیا؟" انہوں نے منور علی خان کی آواز سنی
وقت سب کے منہ دروازے کی طرف تھے اور وہ کمرے کے
میں کھڑے تھے۔ منور علی خان کی آواز سن کر چونک اٹھے۔



مڑ کر دیکھا تو وہ دروازے کے سامنے والی دیوار کی طرف حیرت
آنکھیں پھاڑے کھڑے تھے۔ وہ بھی ایک دم پلٹے اور پھر ان
کی آنکھیں حیرت زدہ انداز میں پھیلتی چلی گئیں۔

دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہو چکا تھا اور اس دروازے
لال سی روشنی کمرے میں آنے لگی تھی۔

"یا اللہ رحم، یہ کیا؟" فرزانہ کے منہ سے نکلا — آگے بڑھ کر
دروازے کے ساتھ سیڑھیاں نیچے جاتی نظر آئیں۔

"اتنا بھی نہیں معلوم، یہ کسی تہہ خانے کا دروازہ ہے۔ پہلے
فرار کا راستہ بند کیا گیا، پھر یہ دروازہ کھولا گیا۔ مطلب یہ
ہمیں تہہ خانے میں جانے پر ذہنی طور پر تیار کیا جا رہا ہے۔
چاہتے ہیں کہ ہم اپنے پیروں سے چل کر اندر پہنچ جائیں۔
اٹھا کر نہ لے جانا پڑے۔ خیر، ہم ان کی امید پوری
کریں گے۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"دشمنوں کی امیدیں پوری کرنے کا تو آپ کو شوق ہے
" فاروق نے منہ بنایا۔

"بھئی، اب ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تم ہی بتا دو، ہم کیا کریں۔"

"صبر۔" آفتاب بول اٹھا اور سب مسکرا دیے۔

"صبر کرنے سے بھی کام نہیں چلے گا۔ آخر ہم کب تک صبر

کریں گے، کب تک بھوکے پیاسے یہاں بیٹھے رہیں گے، وہ تو
اندر سے بند کر چکے ہیں۔ ہم کمرے کا مضبوط دروازہ کھول نہیں
کیونکہ یہ کسی عام کمرے کا دروازہ نہیں، ایک قلعے کے کمرے
دروازہ ہے۔" انہوں نے کہا۔

"گویا ہم اس تہہ خانے میں جانے پر مجبور ہیں۔" محمود نے
اچکائے۔

"ہاں بھئی، ہمیں جانا ہی ہوگا۔"

"تو پھر چلیے۔ ایک تو یہ دشمن کہیں کے، ہمیں
پر تلے رہتے ہیں۔" فاروق نے سرد آہ بھری۔

"بھئی کمرے کو ٹھنڈا تو نہ کرو۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"کوٹ پہن کر آنا چاہیے تھا تمہیں۔" فاروق بولا۔

"اس سے پہلے کہ ان لوگوں کی زبانی جنگ ہو، میں
خانے میں داخل ہو جاتا ہوں، تاکہ کم از کم میرے کان تو
رہیں۔" آصف بولا۔

"اور کیا، تہہ خانے میں جا کر جسم چاہے گولیوں سے
جائے، کان محفوظ رہنے چاہئیں۔ مرنے کے بعد سننے کے کام
آئیں گے۔" فاروق نے شوخ لہجے میں کہا۔

"تمہاری باتیں بھی تو کان چھلنی کیے دے رہی ہیں
بھنّا کر بولی۔



"اور مصیبت یہ ہے کہ چھلنیوں کی ہمیں ضرورت نہیں پڑتی۔" فرزانہ
ی سے کہا۔

"توبہ ہے ان سب سے۔" محمود نے پاؤں پٹخے۔

"تو تم بڑی پارٹی میں شامل ہونے کا خواب دیکھ رہے ہو۔
تمہارا یہ خواب دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔" فاروق نے گویا
ای۔

"بھئی، اب خواب بھی دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ اور
چیزیں ہیں جو دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔" آفتاب نے منہ

"بھئی، ہم نے مانا، تمہارا مل بیٹھنا بہت دنوں بعد ہوا ہے اور
سیل رواں تمہیں بہائے لیے جا رہا ہے اور تم تنکوں کی طرح
ں بہے چلے جا رہے ہو، لیکن اگر ہم اس کے ساتھ ساتھ کام
یں تو کیا حرج ہے۔ ہمارے سامنے سب سے اہم کام پروفیسر
حاصل کرنا ہے۔ دوسرا اہم کام سرخ پنجے کا سراغ
اور اس سے نبٹنا ہے۔ یہ کام ہم کر لیں، پھر تم جتنی جی چاہے
ڑا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے نرم اور میٹھی آواز میں کہا۔

"بھئی، یہ بھی ایک ہی رہی۔" آفتاب نے کندھے اچکائے۔

"کیا مطلب، یہ ایک ہی کس طرح رہی۔" منور علی خان

"اس طرح کہ یہ باتیں معلوم کرنے اور مہم سے نمٹنے کے
اکٹھے بیٹھنے ہی کون دے گا، پھر تو اپنے اپنے شہروں کو
کی سوجھے گی۔" آفتاب نے جواب دیا۔

"اچھا چلو، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں اس مرتبہ
خوب موقع دیا جائے گا۔"

"اس خوب موقع کی بھی وضاحت کر دیں۔" فاروق
کہا۔

"خوب موقع کا مطلب یہاں یہ ہے کہ خوب باتیں ک
موقع دیا جائے گا، یعنی دو چار دن۔" انسپکٹر جمشید نے وضا

"پکا وعدہ۔" فاروق بولا۔

"بھئی، پکا وعدہ تو نہیں کر سکتا۔" انہوں نے
عالم میں کہا۔

"جی وہ کیوں۔" انہوں نے حیران ہو کر ایک ساتھ ک

"کیا خبر ہمیں اس تہ خانے سے زندہ سلامت
نصیب ہو کہ نہیں۔"

"اس صورت میں ہم آپ سے کوئی گلہ نہیں کر
فاروق نے فوراً کہا۔

"عجیب احمق ہو۔ اس صورت میں تم گلہ کرنے کے
رہ جاؤ گے۔" محمود نے جھلا کر کہا۔



"اگر میں عجیب احمق ہوں، تو پھر تم غریب احمق ہو گے۔" فاروق
ی تیز لہجے میں کہا۔

"دھت تیرے کی۔ ہو چکی ان کی بات چیت بند۔" محمود نے ران
ارا۔

"بھئی جمشید، میرا خیال ہے کہ انہیں خوب جی بھر کر باتیں ہی کر
ہم تہ خانے میں بعد میں چلے جائیں گے۔" خان رحمان نے
گی کے عالم میں مسکراتے ہوئے کہا اور انہیں ہنسی آ گئی۔

"یا پھر ایک صورت اور ہے۔" منور علی خان بولے۔

"جلدی بتائیے۔" انسپکٹر جمشید بوکھلا کر بولے۔

"لیکن ابا جان، اس میں بوکھلانے کی کیا بات ہے۔" فرزانہ نے
ہو کر کہا۔

"بوکھلانے کی بات یہ ہے کہ ان کے بولنے سے پہلے کہیں تم
پنی بات چیت کی ٹانگ نہ اڑا دو اور وہ بھول نہ جائیں۔"

"بات چیت کی ٹانگ۔ وہ تو خیر اڑ بھی گئی۔" فاروق مسکرایا۔

"خیر، آپ فکر نہ کریں۔ میری یادداشت اتنی کمزور نہیں۔ ہاں
و کہہ رہا تھا، ایک اور صورت یہ ہے کہ ہم چاروں تہ خانے
کرتے ہیں اور انہیں بات چیت کرنے کے لیے یہاں چھوڑ
یں۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ اگر ہم پھنس گئے
ی مدد کر سکیں گے۔" منور علی خان نے کہا۔

"بات تو معقول ہے — کیوں بھئی، تم لوگوں کو منظور ہے:" انسپکٹر

مران مرزا مسکرائے۔

"جی نہیں، آپ لوگوں کے جاتے ہی ہمارے دل گھبرا

لیں گے بند کمرے میں — اگر کمرہ کھلا ہوتا تو بات اور تھی

نے جلدی سے کہا —

"تو پھر چلو، سبھی چلتے ہیں — اب میں ایک لفظ سننا

نہیں کروں گا، جب تک نیچے نہیں پہنچ جاتے۔" انسپکٹر جمشید

لہجے میں بولے۔

"جی بہت بہتر۔" فاروق سہم کر بولا۔

"ایک کی بجائے تین لفظ بول گیا فاروق۔" فرزانہ نے

انہیں احساس دلایا۔

انسپکٹر جمشید نے فاروق اور فرزانہ کو کھا جانے والی نظروں

گھورا اور آگے بڑھے — انسپکٹر کامران مرزا نے بھی ان کا ساتھ

منور علی خان اور خان رحمان ان کے پیچھے چلے۔

"تو اس کمرے میں روڈان غیر ملکیوں کو اس لیے چھوڑ

انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ابا جان، شاید آپ بھول گئے — روڈان یا ناٹی نے

بتایا تھا، غیر ملکیوں کو اس طرح یہاں چھوڑنا دراصل ایک

ہے؛ گویا وہ پہلے امتحان لیتے ہیں اور پھر دروازہ بند کر دیا جا



پہلے اگر کچھ لوگ نکل جاتے ہیں تو انہیں جانے دیا جاتا

صرف جرأت مند لوگ جاتے ہوں گے۔ بزدل اور کمزور

ان کی باتوں میں آ کر سہم جاتے ہوں گے۔" آفتاب بولا۔

ہوں، ایسی ہی بات نظر آتی ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا سوچ

میں بولے، پھر چونک کر بولے:

میں نے اپنے پیچھے ابھی ابھی آفتاب کی آواز سنی ہے؛ گویا

ہمارے پیچھے آ رہے ہیں۔"

اور کیا کرتے انکل — کمرے میں کیا جھک مارتے۔" محمود بولا۔

میں انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کے پاؤں زمین سے ٹکرا

اور پھر ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا:

ے۔"

خانے میں ارے، یہ ارے تو کچھ عجیب سا ہے۔" فاروق

عجیب ارے یہاں آئے گا بھی کہاں سے — دروازہ تو بند

۔" آفتاب نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

پھر خان رحمان اور منور علی خان کے پیچھے وہ بھی زمین

اور پھر ان کے منہ سے بھی 'ارے' نکل گیا۔

کی آنکھوں کے سامنے کوئی تہ خانہ نہیں، ایک سرنگ

ایک بہت کشادہ اور بڑی سرنگ — بڑی اور پختہ، جو

بالکل گول تھی اور پوری گولائی میں سیمنٹ کیا گیا تھا۔

"یہ — یہ تو ایسا لگتا ہے، جیسے ہم کسی بہت لمبے اندھ
کھڑے ہوں۔" فاروق نے کپکپاتی آواز میں کہا اور دو
بغیر نہ رہ سکے —

○

سرنگ میں تاریکی نہیں تھی۔ چھت پر ننھے منے
کے بلب لگے تھے — ان کی روشنی پوری سرنگ کو منو
زینے سے دس قدم دور سرنگ کی گولائی میں ایک دروازہ
تھا۔ دروازہ بند تھا۔

"اب اگر یہ دروازہ نہ کھلا تو یہ سرنگ ہمارے لیے
مقبرے کا کام دے گی۔" آفتاب بولا۔

"گمنام مقبرہ کہو، کسی کو کیا پتا چلے گا کہ ہم یہاں
پڑے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"بھئی خوف ناک باتیں نہ کرو، سرنگ کا ماحول ہی
ناک نہیں ہے۔" خان رحمان نے جھرجھری لی۔

"حیرت ہے انکل، آپ کے منہ سے ایسے الفاظ پہلی مر
ہیں۔" محمود بولا۔



"بھئی، بیوی بچوں سے اس قدر دور ایک گمنام جگہ مرنا ذرا خوف
اک سی بات ہی لگتی ہے — یوں میں مرنے سے نہیں ڈرتا — مرنا تو
ایک دن پڑے گا ہی۔" انہوں نے کہا۔

"آؤ، اب ذرا اس دروازے کی طرف بھی چل کر دیکھیں۔" انسپکٹر
کامران مرزا بولے۔

"جی ہاں، دروازہ بے چارہ بھی کیا سوچتا ہوگا کہ عجیب بے مروت
لوگ ہیں، مجھے پوچھ ہی نہیں رہے۔" فاروق نے کہا۔

"اگر یہ بلب بجھ جائیں تو کس قدر گھٹا ٹوپ اندھیرا ہو جائے گا سرنگ
میں۔" آصف نے کانپ کر کہا۔

"گھٹا ٹوپ سے بھی دو ہاتھ آگے۔" فرحت بولی۔

"فکر نہ کرو، ہم اپنی باتوں کی شمع جلائے رکھیں گے۔" فاروق
نے کہا۔

"ویری گڈ، یہ ہوئی نا بات۔" خان رحمان خوش ہو کر بولے۔

آخر وہ دروازے کی طرف بڑھے — یہ فولاد کا تھا اور بلب کی
روشنی میں چمک رہا تھا۔ جوں ہی وہ اس کے نزدیک پہنچے، دروازہ
آپ ہی آپ کھل گیا اور وہ اچھل پڑے۔ دروازے کے دوسری طرف
ایک روبوٹ کھڑا تھا:

"السلام علیکم۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"یہ کیا ہوتا ہے؟" مشینی آدمی بولا۔

"مم، میرا مطلب ہے، گڈ مارننگ۔"

"مارننگ، اپنا اپنا اسلحہ میرے حوالے کر دو۔ اسی صورت میں تم دروازے کے دوسری طرف جا سکتے ہو، ورنہ دروازے کے ادھر سسک سسک کر مر جاؤ گے۔"

"اوہ، سسک سسک کر مرنے کی نسبت تو یہی بہتر ہے کہ ہم اپنے ہتھیار آپ کے حوالے کر دیں، یہ لیجیے۔" انسپکٹر جمشید نے پہل کی اور اپنا پستول اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے پستول لیا اور اسے مٹھی میں دبا دیا۔ کڑکڑ کڑ کی آواز آئی اور پھر اس نے پستول پھینک دیا۔ وہ تڑ مڑ گیا تھا۔ پستول کا یہ انجام دیکھ کر وہ لرز اٹھے۔ یہ مشینی آدمی انہیں بھی اسی طرح توڑ مروڑ سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے، آپ دروازے پر پاؤں رکھتے ہوئے گزر جائیں۔ آپ کے پاس کوئی اور ہتھیار تو نہیں ہے؟"

"نہیں۔" وہ بولے۔

"تو پھر گزر جائیے۔" اس نے کہا۔

انسپکٹر جمشید گزر گئے۔ ان کے بعد انسپکٹر کامران مرزا نے اپنا پستول اس کے حوالے کیا اور وہ بھی گزر گئے۔ اسی طرح ان سب کی باری آئی۔ محمود گزرنے لگا تو یک دم روبوٹ کی آنکھوں میں سرخ روشنی نظر آنے لگی۔ اس نے غرا کر کہا:

"ٹھہرو، تمہارے پاس کوئی ہتھیار رہ گیا ہے۔"



"آپ میری تلاشی لے لیں۔"

"تلاشی لینے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے پاس کوئی ہتھیار موجود ہے۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" محمود بولا۔

"وہ کیا؟"

"تم نے پہلے گزرنے والوں سے تو آپ کہہ کر بات کی تھی اور اب میں گزرنے والوں کو تم کہہ کر مخاطب کر رہے ہو، یہ کہاں کا انصاف ہے۔"

"تم چھوٹے ہو، پہلے گزرنے والے بڑے تھے۔" روبوٹ نے کہا۔

"اوہ، تو یہ بات ہے۔ اچھا خیر، یہ لیجیے، میں بھی اپنا ہتھیار نکالے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ جھکا اور جوتے کی ایڑی میں سے چاقو نکال کر دے دیا۔

"دیکھا، میں نہ کہتا تھا۔ چلو اب گزر جاؤ۔" یہ کہہ کر روبوٹ نے چاقو کو بھی ہاتھ میں دبا کر توڑ مروڑ دینا چاہا۔ لیکن چونکہ چاقو بہت چھوٹا تھا، اس لیے وہ اس کی پکڑ میں نہ آ سکا اور اس نے جھنجلا کر چاقو اسی طرح پھینک دیا۔ محمود کے بعد فرزانہ گزری، لیکن دروازے میں الجھ کر اوندھے منہ گری۔

"اوہو بھئی، ذرا سنبھل کر۔" روبوٹ بوکھلا اٹھا۔ اتنی دیر میں فرزانہ اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھ چکی تھی۔

"تمہیں چوٹ تو نہیں آئی فرزانہ۔" فرحت نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں، آئی تو ہے تھوڑی بہت — خیر کوئی بات نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

اتنے میں باقی لوگ بھی دروازہ عبور کر آئے۔

"ہاں مسٹر روبوٹ، اب کیا حکم ہے؟" فاروق نے اس کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

روبوٹ نے کوئی جواب نہ دیا، نہ ان کی طرف مڑ کر دیکھا، ساکت کھڑا رہا — دروازہ اب بند ہو چکا تھا۔

"آپ سنتے نہیں، میں نے کیا پوچھا ہے؟" فاروق پہلے کی نسبت تیز آواز میں بولا، لیکن وہ اب بھی ٹس سے مس نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید اس کی طرف بڑھے اور دروازے کی طرف قدم بڑھایا، فوراً ہی روبوٹ کی آنکھوں میں سرخ روشنی نمودار ہوئی اور اس نے کہا:

"اجازت نامہ دکھائیے۔"

"کیا مطلب، کیسا اجازت نامہ؟" وہ حیران ہو کر بولے۔

"باہر جانے کا اجازت نامہ، جو باس کی طرف سے ملتا ہے۔"

"لیکن ہم تو ابھی ابھی اندر داخل ہوئے ہیں۔"

"ایک بار داخل ہونے کے بعد کوئی اس وقت تک یہاں سے باہر نہیں جا سکتا، جب تک کہ اس کے پاس باس کا اجازت نامہ نہ ہو۔"

"انسپکٹر جمشید، ٹھہریے۔ شاید میں اسے اجازت نامہ دکھا سکتا ہوں۔" انسپکٹر



زا کو اچانک گلوب والے کارڈ کا خیال آیا۔

ب وہ دروازے کے قریب آئے اور جیب سے کارڈ نکال کر کے سامنے کر دیا۔

ٹھیک ہے، آپ جا سکتے ہیں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی اوپر اٹھ گیا۔

کیا خیال ہے — میں باہر کا جائزہ نہ لے آؤں جا کر — آیا ہے یا کھل چکا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

کیا فائدہ، اب تو ہمیں اندر جانا ہی ہے۔" انسپکٹر جمشید

ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے — اچھا تو مسٹر روبوٹ، میں نے باہر جانے تبدیل کر دیا ہے۔" یہ کہہ کر وہ مڑے اور اپنے ساتھیوں پہنچ گئے — روبوٹ منہ سے کچھ نہ بولا، نہ وہ اس کی طرف رہا تھا —

"کیوں نہ ہم کوئی چیز اس پر پھینک کر دیکھیں — آصف نے

روبوٹ یک لخت اس کی طرف گھوم گیا — اس کی آنکھیں شعلوں دہک اٹھیں۔

"ایسی بات سوچنا بھی نہ — میرے پاس ایٹمی پستول موجود ہے۔"

اور وہ سرنگ میں چلنے لگے —

"محمود، یہ لو۔" فرزانہ نے دبی آواز میں کہا اور اپنی
کے سامنے کھول دی۔

انہوں نے دیکھا، اس کی ہتھیلی پر محمود کا چاقو چمک

"بھئی واہ یہ کام کیا ہے تم نے۔" محمود خوش ہو کر

"میں نے گر کر چوٹ یوں ہی تو نہیں کھائی تھی۔"

"اور میں یہی سمجھا تھا کہ تم نے چوٹ یوں ہی کھائی
جلدی سے بولا۔

"تمہارے سمجھنے کی کیا بات ہے۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"اب کم از کم اس سرنگ میں تو انگارے نہ چباؤ۔"
بُرا سا منہ بنایا۔

"انگارے چباتی ہے میری جوتی۔" فرزانہ نے پاؤں پٹخے

"کیوں بھئی، سرنگ میں انگارے چبانے میں کیا حرج
انسپکٹر کامران مرزا ہنس کر بولے۔

"جی۔ وہ۔ کہیں سرنگ میں آگ نہ لگ جائے۔"
ہکلا کر بولا اور وہ بے ساختہ مسکرا دیے۔

"آخر یہ سرنگ ہمیں کہاں لے جا رہی ہے۔ اس کا خاتمہ
ہوتا نظر ہی نہیں آ رہا۔" آصف نے اکتا کر کہا۔

"یہ بے چاری ہمیں کہاں لے جائے گی۔ ہم ہی اسے
لے جائیں گے۔" آفتاب بولا۔



"لیجیے، اب یہ اس سرنگ کو کہیں لے جانے کا پروگرام بنا رہے
ہیں۔" فاروق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اچھا نہیں لے جاتے، تم یہ شوق پورا کر لو۔"

"میرا خیال ہے، یہ سرنگ ہمیں سرخ پنجے کے ہیڈ کوارٹر تک
لے جائے گی۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"بھلا اس سرنگ کا سرخ پنجے سے کیا تعلق — یہ تو روڈان
جیسے لوگوں کا ہیڈ کوارٹر معلوم ہوتا ہے — یعنی اس ریاست کی حکومت
کا۔" محمود بولا۔

"حکومت کو اس قسم کا ہیڈ کوارٹر تیار کرانے کی کیا ضرورت
تھی۔" آصف بول پڑا۔

"اگر اس جگہ کا تعلق حکومت سے نہیں ہے تو پھر روڈان یہاں
غیر ملکیوں کو کیوں چھوڑ جاتا تھا۔" فرحت نے کہا۔

فرحت کی اس بات کا آصف یا کسی اور کے پاس کوئی جواب
نہیں تھا۔

"خیر، جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب چکر کیا ہے۔ سرنگ
کس نے بنوائی — ارے ہاں، ہم اس جھیل کو تو بھول ہی گئے۔"

"اب ہم اسے بھولنے کے علاوہ کر بھی کیا سکتے ہیں — اب تو ہم
سرنگ میں ہیں۔" آفتاب نے کہا۔

"یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حکومت نے جھیل اور قلعے کی سیر

پر پابندی کیوں عاید کر رکھی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

پھر سب سوچ میں گم ہو گئے اور سرنگ میں چلتے رہے۔ سرنگ کی لمبائی انہیں حیرت میں ڈال رہی تھی ___ زمین کے نیچے یہ سرنگ پوشیدہ طور پر نہ جانے کس طرح بنوائی گئی ہو گی اور پھر ان کے کانوں میں ہلکے ہلکے شور کی آوازیں آنے لگیں ___

"شاید ہم نزدیک پہنچ گئے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

ان میں تجسس کی لہر دوڑ گئی ___ قدم اور تیزی سے اٹھنے لگے آخر انہیں سرنگ میں ایک بالکل ویسا ہی دروازہ نظر آیا، جیسا ز[illegible] کے پاس نظر آیا تھا، یعنی روبوٹ والا دروازہ ___ یہ دروازہ کھلا تھا۔ اس کے دوسری طرف دو روبوٹ کھڑے تھے ___ جوں ہی وہ دروازے کے نزدیک پہنچے، ان میں سے ایک نے کہا:

"اپنے نام بتایئے۔"

وہ حیران رہ گئے ___ انہوں نے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچا تھا کہ ان سے نام بھی پوچھے جائیں گے ___ پھر فوراً ہی انسپکٹر جمشید بولے:

"میرا نام عامر خان ہے۔"

"اور میں جابر علی ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے فوراً کہا۔

پھر ان سب نے جلدی جلدی اپنے فرضی نام بتا دیے ___ روبوٹ یہ نام ایک نوٹ بک میں لکھتا چلا گیا ___ آخر بولا:



...ک ہے، آپ لوگ پارک نمبر انیس میں چلے جایئے۔ ہر پارک ...لگے ہوئے ہیں ___ نمبر پڑھتے ہوئے چلے جائیں ___ آپ کو ... نہیں ہو گی ___ میں پارک نمبر انیس کے انچارج کو فون کیے ...ں۔" یہ کہہ کر اس نے پاس ہی رکھے ایک آلے کا ایک بٹن

... پروفیسر 19، دس نئے کارکن آپ کو دیے جا رہے ہیں۔ ... آپ انہیں پا کر بہت خوش ہوں گے ___ مجھے یہ بہت ... اور دیانت دار دکھائی دیتے ہیں اور ذہین بھی ___ روڈان کی ... وجہ سے کارکنوں کی آمد کا سلسلہ ذرا رک گیا ہے۔ اب روڈان ... ایک اور آدمی کو دی گئی ہے، لیکن ان کے بھیجنے کے ... اس کی طرف سے اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ شاید وہ ... اپنا بھول گیا ہو گا ___ خیر کوئی بات نہیں، اس کی اطلاع بھی ... جائے گی اور آپ کو مطلوبہ تعداد جلد پوری کر دی جائے

...کریہ مسٹر ڈنکی ___" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "انہیں بھیج دیجیے، ... پریشان تھا۔ اب میں اپنا کام بڑھا سکوں گا۔"

...گڈ۔" روبوٹ نے کہا اور انہیں جانے کا اشارہ کیا۔

...تت، تو کیا ہمیں یہاں کام کرنا پڑے گا؟" منور علی خان

"ہر آدمی کو کام کرنا پڑتا ہے — انسان نے اگرچہ اب
کو بھی بنا ڈالا ہے، لیکن پھر بھی جو کام انسان کر سکتا ہے
نہیں کر سکتے — یہ ایک بہت بڑی فیکٹری ہے — اتنی بڑی
بھر میں اس سے بڑی کوئی فیکٹری نہیں ہوگی۔" روبوٹ
دیا —

"اور یہاں کیا تیار ہوتا ہے؟"

"اسلحہ — جدید ترین اسلحہ — یہ اسلحہ تیسری عالم گیر
استعمال ہوگا۔ تیسری عالم گیر جنگ اب کوئی دن کی بات
اس قدر تیز رفتاری سے اس جنگ کی تیاریاں مکمل کر
آپ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا، پھر
نے سوال کیا —

"کیا اس منصوبے کا بنانے والا پوری دنیا سے

"نہیں، ان کے ساتھی ملک بھی، تو ان کی مدد کر
وہ ان کا ساتھ دیں گے — فتح صرف ہماری ہوگی — یہ
بڑا منصوبہ ہے — اتنا بڑا کہ عقل انسانی میں آ ہی نہیں سکتا
تفصیلات نہیں بتا سکتا — خود مجھے بھی معلوم نہیں تو بتا
ہوں — اور یہیں ہی کیا، یہاں کام کرنے والوں میں سے
تفصیلات نہیں بتائی جاتیں — بس ان سے دن رات کام



یں صرف آٹھ گھنٹے کام کرنے دیا جاتا ہے۔ سولہ گھنٹے تک
کام لیا جاتا ہے۔ یہ سولہ گھنٹے بھی ہمیں کم معلوم ہوتے
اب آپ اس فیکٹری کے ملازم ہیں — اسی کے لیے جئیں
کے لیے مریں گے — آسمان دیکھنے کا خیال دل سے نکال
واپسی مشکل ہے — بیرونی دنیا سے اب آپ کا تعلق ختم
ہے۔"

روبوٹ کے الفاظ حد درجے سنسنی خیز تھے — ان سب کی سمجھ میں
بخوبی آ چکی تھی کہ روڈان اور ناٹی لوگوں کو گھیر کر پہاڑ
ان کمرے میں کیوں پہنچایا کرتے تھے اور یہ بھی کہ وہ
لا کیوں چھوڑ جاتے تھے — صرف اس لیے کہ ذرا بھی جرأت مند
زمین دوز فیکٹری میں نہ پہنچ سکیں؛ گویا انہوں نے یہاں
ل لوگ جمع کیے تھے، جو ذرا بھی سر نہ اٹھا سکیں۔

"یہاں پہنچنے والے کچھ لوگ کام سے انکار بھی تو کر دیتے
؟"

"بہت کم ایسا ہوتا ہے؛ تاہم جو لوگ کام سے انکار کرتے
نے ان کے لیے یہاں برنر لگا رکھے ہیں۔" اس نے کہا۔

"کیا چیز، برنر؟" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"ہاں، برنر — بجلی کے بہت بڑے بڑے برنر — ان میں آدمی
میں دھواں بن کر اڑ جاتا ہے۔ ان کے اندر بجلی کے اتنے

بڑے ہیٹر لگائے گئے ہیں کہ جہنم کی گرمی محسوس ہوتی ہے۔
یوں جل اٹھتا ہے، جیسے خشک لکڑیاں۔"

"اوہ۔" وہ بھونچکے رہ گئے۔

"ان بزرگوں کو دیکھ کر سبھی خوشی خوشی کام کرنے کو
جاتے ہیں۔ بس اب آپ جائیے۔ اتنے سوال کوئی بھی
نہیں کرتا۔"

اور وہ آگے بڑھ گئے۔ ہارک بہت بڑے بڑے ہا
گیا تھا۔ زمین کے نیچے یوں لگتا تھا جیسے ایک چھوٹی سی
ہو۔ یہاں دکانیں بھی تھیں، بازار بھی تھے، رہائش کے
بھی تھے، سبھی کچھ تھا، اگر نہیں تھیں تو دو چیزیں۔
روشنی اور چہروں پر مسکراہٹ۔ یہ دونوں چیزیں اس طرح
تھیں، جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

"اس مرتبہ ہم کہاں پھنس گئے ہیں۔" خان رحمان گھبرا

"گھبرانے سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ خدا کے لیے حوصلہ
انسپکٹر جمشید فکر مندانہ لہجے میں بولے، پھر چونک اٹھے اور
کی طرف دیکھتے ہوئے دبی آواز میں بولے:

"ہمیں ایک دوسرے کو اصل ناموں سے نہیں پکارنا
یا تو نام لیں ہی نہ، یا پھر فرضی نام۔"

"لیکن فرضی نام تو ہمیں ایک دوسرے کے یاد کرنا



"یہ بھی ہو جائے گا؛ فی الحال تو نام لے کر پکارنے کی ضرورت
ی نہیں۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ لوگ کھانے پینے کی چیزیں
اں کس طرح پہنچاتے ہیں۔" منور علی خان نے زبان کھولی۔

"بھئی، پوری حکومت ان کے ساتھ ہے۔ رات کو کسی وقت
طور پر یہاں ضرورت کی سب چیزیں پہنچا دی جاتی ہوں گی۔
ں کی طرف لوگوں کا آنا جانا پہلے ہی بند ہے۔ رات کو تو کون
کا رخ کرتا ہوگا۔ یوں بھی قلعے کو آسیب زدہ مشہور کر دیا
ا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوں، ضرور یہی بات ہے۔"

اسی وقت وہ ہال نمبر ۱۹ کے سامنے پہنچ گئے۔ یہ بڑے
ے گیراجوں نما ہال تھے۔ ان کے اندر جدید ترین مشینیں لگی ہوئی
یں۔ ان مشینوں پر لوگ کام کر رہے تھے۔ ہر کوئی اپنے کام
مصروف تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے اس دنیا اور دنیا والوں
کوئی غرض نہ ہو۔ بس اپنے کام کے علاوہ انہیں اور کچھ نہ سوجھتا
و۔

ہارک نمبر ۱۹ کے سامنے پہنچ کر انہوں نے اندر دیکھا۔ فوراً ہی
یک آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"سیدھے چلے آؤ، میں پروفیسر ۱۹ آپ سے مخاطب ہوں۔"

وہ مشینوں کے درمیان چلتے اندرونی حصے میں پہنچے۔ یہاں ایک
کرسی پر ایک ادھیڑ عمر اور سفید بالوں والا آدمی آنکھوں پر عینک لگا
بیٹھا تھا۔

"میرے پاس اکتالیس آدمی پہلے سے کام کر رہے ہیں، لہٰذا
تمہارے نمبر ۴۲ سے شروع ہوں گے یعنی بیالیس سے اکیاون تک
اب اپنے نمبر تم خود ہی پسند کر لو۔ نمبر ایک ادھر آؤ۔"

"یس سر۔"

"ان لوگوں کو کام سمجھا دو۔"

"جی بہتر۔ آؤ بھئی میرے ساتھ۔" اس نے کہا اور وہ
اس کے ساتھ چل پڑے۔

"ہماری پارک میں آٹومیٹک رائفلیں تیار ہوتی ہیں۔ ہر مشین الگ
الگ پرزے تیار کرتی ہے۔ پھر آخری مشین کے ذریعے ان پرزوں کو
آپس میں جوڑ دیا جاتا ہے اور رائفل تیار ہو جاتی ہے۔ تم نئے ہو
اس لیے مشین نمبر ایک پر لگا دیتا ہوں۔ تمہیں کچھ بھی نہیں کرنا ہوگا
مشینوں میں خام مال ڈال کر تیار شدہ مال آخری مشین تک پہنچانا
ہوگا۔ اس پوری فیکٹری میں ہر کام اسی طرح مشینی طور پر ہوتا
ہے۔ ہمیں نہیں معلوم، ان رائفلوں میں استعمال ہونے والا گولا
بارود یا جو چیز بھی ان میں استعمال کی جائے گی، وہ کہاں تیار ہوتی
ہے۔ ظاہر ہے، جہاں وہ تیار ہو رہی ہو گی، وہاں کے لوگوں کو



نہیں ہو گا کہ رائفلیں کہاں تیار ہوتی ہیں۔ اس طرح سب بے
[illegible]ہیں کام کرتے ہیں۔ جوں ہی کوئی کچھ معلوم کرنے کی کوشش
[illegible]ہے، اس کی شامت آ لیتی ہے۔ روبوٹوں کو فوراً معلوم
[illegible]ہے۔ وہ پوری فیکٹری کی آوازیں اور بات چیت ٹیپ کرتے
[illegible]ہیں۔ ہر روز کام ختم ہونے کے بعد یہ ٹیپ باس کو بھیجی جاتی
[illegible]والے بغور سنتے ہیں اور جس آدمی پر انہیں شک ہوتا ہے
[illegible]پنے سامنے بلوا لیتے ہیں، پھر اگر وہ غلط آدمی ثابت ہو جائے
[illegible] برنر میں ڈال دیا جاتا ہے۔ لہٰذا میں یہی کہوں گا کہ
[illegible]رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ دھواں بن کر اڑ جاؤ۔"

"ہم۔ ہمیں۔ ڈ ڈ۔ ڈرائیے تو نہ۔" فاروق نے کانپ

"ڈرانا میرا فرض ہے۔" اس نے منہ بنایا۔

"جی، کیا کہا؟ ڈرانا میرا فرض ہے۔" آفتاب حیران ہو کر

"ہاں، تاکہ تم لوگ کوئی غلطی نہ کر بیٹھو۔ ہمیں پہلے ہی
[illegible]کام کرنے والے بہت مشکل سے میسر آتے ہیں۔" اس نے کہا۔
پھر انہیں مشین پر کام سمجھایا گیا۔ کام مشکل نہیں تھا، بہت
[illegible]تھا، بس آدمی کا مشین پر موجود ہونا ضروری تھا، کیوں کہ
[illegible]ال مشین اپنے اندر خود نہیں ڈال سکتی تھی اور نہ اٹھا کر

آخری مشین تک پہنچا سکتی تھی — چند منٹ کی کوشش کے بعد وہ سمجھ گئے اور کام شروع کر دیا — نمبر ایک ان کے پاس ہٹ گیا — اور دوسرے کارکنوں کی نگرانی کرنے لگا — اس کام صرف نگرانی کرنا اور نئے آنے والوں کو سمجھانا تھا۔

ان کے دل اندر ہی اندر بیٹھے جا رہے تھے۔ آنکھوں آنکھوں میں وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے :

"اب کیا ہو گا — اب کیا ہو گا ؟"

ان کی آنکھوں میں یہ سوال پڑھ کر انسپکٹر جمشید اور کامران مرزا نے انہیں آنکھوں کے ذریعے ہی جواب دیا۔

"فکر نہ کرو — اللہ بہتر کرنے والا ہے — وہی ہمارا بنائے گا، فی الحال پوری تندہی سے کام جاری رکھو۔"

رات کے ٹھیک آٹھ بجے گانگ بجا — یہ کام ختم کر اعلان تھا — سب نے مشینیں بند کر دیں — اب وہ ایک میں انچارج کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی بھی سب سے آخر میں کھڑے ہو گئے — انچارج سب کے ہا کوئی چیز رکھ رہا تھا۔ ان کی باری آئی تو کاغذ کے تین تین ان کے ہاتھوں میں رکھ دیے گئے۔

"یہ تمہاری مزدوری ہے — یہ اس دنیا کے نوٹ ہیں۔ نوٹوں سے تم کھانے پینے کی چیزیں اور ضرورت کی دوسری چیزیں



ہو — بچت بھی کر سکتے ہو — یہ بچت تمہارے کل کام آ سکتی ہے۔ نمبر ایک، تم ان دسوں کو ایک کمرہ دے دو۔"

"جی بہتر، آؤ بھئی۔"

اور وہ نمبر ایک کے ساتھ کمرہ دیکھنے چل پڑے۔

# سیاہ فام

کمرہ کافی کشادہ اور ہوا دار تھا۔ نمبر ایک انہیں کمرہ دکھا کر
لگا تو انسپکٹر کامران مرزا بول پڑے۔

"ذرا سُنیے جناب"

"اب کیا ہے؟" اس نے منہ بنایا۔

"دیکھیے، ہم بالکل نئے ہیں — کیا ہم ادھر ادھر ہر طرف آ
سکتے نہیں"

"ہاں ضرور، لیکن کسی بھی بارک میں داخل نہیں ہو سکتے
سوائے اپنی بارک کے — اپنی بارک میں بھی صرف اور صرف کام
اوقات میں داخل ہوں گے — ان اوقات کے علاوہ تم سوؤ
پھرو، کھاؤ پیو، کوئی اعتراض نہیں — ہاں، کوئی غلط کام نہیں
سکتے" اس نے بتایا —

"غلط کام سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"یہ کہ کوئی توڑ پھوڑ — دنگا فساد — روبوٹوں سے چھیڑ چھاڑ



نے کہا۔

"یہاں کل کتنے روبوٹ ہیں؟"

"پتا نہیں، میں نے کبھی گنے نہیں — اور نہ ہی یہ سوال کسی
پوچھا ہے" اس نے کہا۔

"کیا آپ بھی ہماری طرح ہی یہاں تک پہنچے ہیں"

"ہاں" اس مرتبہ اس کے لہجے میں سرد آہ نمایاں ہوگئی —

"یہ سرد آہ ریکارڈ ہوگئی ہوگی" محمود نے اسے خبردار کیا۔

"ہاں، لیکن اس پر کوئی پابندی نہیں" اس نے اداس انداز
سکرا کر کہا۔

"اور کیا ہر بارک کا انچارج ہی اسی طرح آیا ہوا ہے؟"

"نہیں، انچارج سب کے سب ان کے اپنے آدمی ہیں —
یک دن یہاں کام کرتے ہیں، دوسرے دن باہر چلے جاتے
، اس دن ان کی جگہ کوئی اور یہاں موجود ہوتا ہے؛ گویا
دن یہ اوپر گزارتے ہیں، ایک دن نیچے — اس طرح یہ سورج
وشنی تو دیکھ لیتے ہیں — باقی تو ترس گئے ہیں"

"ہوں، اور یہاں کل کتنی بارکیں ہیں"

"مجھے یہ بھی معلوم نہیں — نہ جانے کتنی ہوں گی — تم گن

"آپ کو یہاں آئے کتنا عرصہ گزر گیا ہے؟"

"تقریباً ڈیڑھ سال۔" اس نے کہا۔

"اور یہ انچارج لوگ باہر کس طرح جاتے ہیں؟"

"مجھے کیا معلوم۔" اس نے بپتا کر کہا۔

"اب آپ کو شاید غصہ آنے لگا ہے۔ بہتر ہے، آپ ... لے جائیں۔" انسپکٹر جمشید ڈرے ڈرے لہجے میں بولے۔

"غصہ اس لیے آیا ہے کہ تم لوگوں نے میرے بیوی بچوں ... دلا دی ہے۔ میں انہیں بھلانے کی کتنی کوشش کرتا ہوں ... کہتے وقت اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے اور پھر وہ ... باہر چلا گیا۔

ان کے دل بھی بھر آئے۔ ظاہر ہے، اس جگہ پھنسے ہوئے ... لوگ اپنے عزیزوں سے بچھڑے ہوئے تھے اور ان کے بے ... تھے۔ اب تو وہ بھی ان میں شامل ہو چکے تھے۔

"کس قدر ظلم ہے!" محمود کے منہ سے دکھ بھرے لہجے میں ...

"حیرت ہے، ان لاپتا لوگوں کے بارے میں ہماری حکومت ... دوسری حکومتوں نے حکومت بندا سے کیوں نہیں پوچھا۔" منور ... بولے۔

"پوچھا تو خیر ضرور ہوگا، لیکن جب حکومت ہی یہ ... کر رہی ہو تو پھر وہ ان کے بارے میں کیا بتا سکتی ہے ... کہہ دیتی ہوگی کہ ان کی تلاش کی جا رہی ہے، یا تلاش کی ...



... ہیں، لیکن ان کا کوئی سراغ نہیں مل رہا۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ... چند ملکوں کی ملی بھگت ہے۔ یہ ممالک مل کر پوری دنیا ... خلاف تیسری عالم گیر جنگ چھیڑنے کا پروگرام بنا چکے ہیں اور انہوں ... طور پر یہ فیکٹری قائم کی ہے، تاکہ دھڑا دھڑ ایٹمی اسلحہ تیار ... اور دنیا کو پتا بھی نہ چل سکے۔ اس سلسلے میں پہلا کام انہوں ... کہ ریاست بندا کی سابقہ حکومت کو ناکام بنایا، پھر اپنی مرضی کا ... حکمران بنایا اور اب وہ حکمران ان کی انگلیوں پر ناچ رہا ہے۔ کیوں ... ان مرزا صاحب آپ کا کیا خیال ہے؟" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر ... خاموش ہو گئے۔

"بالکل یہی بات ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری دنیا تیسری ... جنگ کی آگ میں جلنے کے لیے تیار ہے۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ سرخ پنجہ کون ہے، کہاں ہے، اس نے ... اڑانے کا منصوبہ کیوں بنایا تھا۔ اس خط میں کیا تھا، جو پروفیسر ... کو ان کے دوست ڈاکٹر ٹام بیگ نے لکھا تھا۔ ڈاکٹر ٹام بیگ کا تعلق ... بجران سے ہے۔ اس جگہ بھی چھ ماہ پہلے سرخ پنجہ کا نام سننے ... آیا تھا اور پھر اس کی حکومت کا تختہ الٹ گیا تھا۔ کیا ان واقعات ... تعلق ان لوگوں کے منصوبے سے ہے۔ ہم بلاوجہ ہی اس معاملے ... الجھ گئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"سرخ پنجہ کا نشان پانچ خون آلود انگلیاں ہیں، جب کہ اس تنظیم کا

نشان گھومتی ہوئی گلوب ہے۔ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ
دونوں الگ الگ معاملے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"یوں بھی ان لوگوں کا ایجادات اڑانے سے کوئی تعلق نظر
آتا۔" محمود نے کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔ ارے، ہم ایک بات تو بھول ہی
فرزانہ نے بری طرح چونک کر کہا اور پھر اس کا رنگ سفید پڑ گیا۔

"کیا بھول گئے اور یہ تمہارے رنگ کو کیا ہو گیا۔" فاروق
سے بولا۔

"ہمیں بتایا گیا تھا کہ یہاں ہونے والی گفت گو کا ایک
لفظ ٹیپ کیا جاتا ہے اور باس اس ٹیپ کو غور سے سنتا ہے
کیا ہماری گفت گو ٹیپ نہیں ہو چکی ہوگی۔"

"ہاں واقعی۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"ہم سے بڑی بھاری غلطی ہوئی، لیکن اب کیا کیا جا سکتا
انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔ کیوں نہ اب ذرا ہم بازار ہو آئیں،
کھانے پینے کا بھی تو بندوبست کرنا چاہیے۔" انسپکٹر کامران مرزا
اور وہ باہر نکل کھڑے ہوئے۔ گھوم پھر کر انہیں معلوم
دکاندار حضرات بھی انہی کی طرح اغوا کر کے یہاں بھیجے گئے تھے!
تک انہیں صرف ایک سو آدمیوں کے بارے میں معلوم ہو سکا



وہ حکومت یا اس تنظیم کے ہی آدمی تھے۔ دوسرے لفظوں میں اس
ے نظام کو ایک سو آدمیوں اور چند روبوٹوں نے کنٹرول کیا ہوا
ا پھر اس باس نے جو ہر روز ٹیپ سنتا تھا۔ انہوں نے گھومتے
ے سوچا، اب انہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ باس کہاں بیٹھتا ہے اور
وں کو کس کس طرح ختم کیا جا سکتا ہے۔ ایک بار یہ باتیں معلوم
ائیں پھر وہ ہاتھ پیر ہلانے کی کوشش کر سکتے تھے۔ کھانے
ے بعد بھی وہ گھومتے ہوئے بہت دور نکل گئے اور پھر چکر
ے ہوئے واپس چل پڑے۔ لیکن انہیں باس کے ٹھکانے کے
ے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ ایک بڑا سا بند کمرہ ضرور نظر آیا تھا۔
ن اس کے دروازے پر ایک سیاہ فام کھڑا نظر آیا تھا۔

"ہو نہ ہو، باس کا کمرہ یہی ہے، کیونکہ اندرونی حصے میں اور
ی بھی اور کوئی روبوٹ نظر نہیں آیا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے اشاروں
کہا۔

"ہاں، آپ کا خیال ٹھیک ہے۔"

آخر وہ واپس پلٹ آئے۔ کمرے میں چارپائیوں قسم کی کوئی چیز
تھی: البتہ فرش پر ایک گدا ضرور بچھا تھا۔ وہ اسی پر لیٹ

"ایک بات کی طرف ہم نے توجہ نہیں دی۔" فرحت نے سوچ
گم لہجے میں کہا۔

"چلو تم تو دے چکی ہو، بتا دو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے، ہم زمین کے نیچے ہیں۔ آخر ہمیں ہوا کہ
سے مل رہی ہے، ہم نے ابھی تک ذرا بھی گھٹن محسوس نہیں ک

"یہ بات بھی غور طلب ہے ۔ آخر انہوں نے ہوا کا بندو
کیسے کیا ہے ؟"

"ہم نے بند کمرے کے پاس ایک اور کمرہ بھی دیکھا تھا جو
نہیں تھا اور اس میں عجیب و غریب قسم کی مشینیں لگی ہوئی تھ
کیا خبر وہ ہوا کا نظام بحال رکھنے کی مشینیں ہوں۔" فرزانہ بولی۔

"ہو سکتا ہے یہی بات ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ یہاں
نہیں ہے، اگر گھٹن ہوتی تو ہمارا کیا حال ہوتا۔" محمود بولا۔

"بس حال کیا ہوتا، گھٹ گھٹ کر مر جاتے۔" آفتاب نے م
کر کہا۔

"گھٹ گھٹ کر مریں ہمارے دشمن۔" فاروق نے بڑی الجھن
کے انداز میں کہا۔

پھر نہ جانے کب باتیں کرتے ان کی آنکھ لگ گئی۔ صبح ا
ہوئے تو سوچنے لگے کہ نہائیں کہاں ۔ نمبر ایک غسل خانوں کا
میں بتانا بھول گیا تھا۔ آخر کمرے سے باہر نکل کر ایک شخص
پوچھا۔ اس نے بتایا کہ غسل خانے کس طرف ہیں۔ ضروریات سے
ہونے اور ناشتا کرنے کے بعد وہ گانگ بجنے کے انتظار میں ا



یں آ کر بیٹھ گئے۔ عین اسی وقت ایک کالے بھجنگ آدمی کی
ت نظر آئی ۔ اس کا قد و قامت دیکھ کر انہیں پسینہ آ گیا ۔
ں نے اپنی زندگی میں اتنا لمبا چوڑا اور مضبوط جسم والا آدمی پہلے
نہیں دیکھا تھا۔

"تم دس ہو نا ؟" اس نے بھونڈے انداز میں کہا۔

"گن کر دیکھ لو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تمیز سے بات کرو۔ میں باس کا باڈی گارڈ ہوں۔"

"تو تمہارے باس کو باڈی گارڈ کی بھی ضرورت ہے۔" آفتاب
لدی سے کہا۔

"ہاں، چلو تمہیں باس نے بلایا ہے۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"کیوں، ہم سے اسے کیا کام آ پڑا ؟" محمود بولا۔

"تم چلتے ہو یا سبق سکھاؤں۔" اس نے دونوں ہاتھوں کو مکوں
رت میں لاتے ہوئے کہا۔

"چلو جناب چلو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے اور وہ اس کے پیچھے
ے سے نکل کھڑے ہوئے۔ بازاروں میں سے گزرتے ہوئے انہوں نے
کی نظریں اپنے اوپر محسوس کیں۔ ان سب کی آنکھوں میں خوف
کر وہ جان گئے کہ اس کالے بھجنگ کے ساتھ جانا مصیبت سے خالی
، لیکن وہ کر بھی کیا سکتے تھے ۔ ہتھیار ان کے پاس تھے نہیں،
ان کے پیچھے چلتے رہے ۔ آخر اسی بند کمرے کے سامنے پہنچ کر

وہ رک گیا اور بولا:

"یہ باس کا کمرہ ہے۔ باس یہاں ایک دن میں صرف دو گھنٹے کے لیے آتے ہیں۔ انہیں آئے ایک گھنٹہ ہو چکا ہے۔ چوبیس گھنٹے کی ٹیپ شدہ گفت گو کے خاص خاص حصے روبوٹ الگ کر لیتے ہیں اور یہ گفت گو زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹے میں سن لیتے ہیں۔ [illegible] تک کی خاص خاص گفت گو سننے کے بعد اس نے مجھے تم لوگوں کو بلا کر لانے کا حکم دیا تھا۔ اب یہاں تمہیں اس وقت تک انتظار کرنا ہوگا، جب تک کہ وہ تمہیں اندر نہ بلالیں۔ میں انہیں تمہاری آمد کی اطلاع نہیں دے سکتا، سمجھ گئے تم۔" یہاں تک [illegible] خاموش ہو گیا۔

"بہت اچھی طرح۔ آج تک ہمیں اتنی اچھی طرح کسی [illegible] بھی نہیں سمجھایا ہوگا۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"کیا تم میرا مذاق اڑا رہے ہو؟" کالے آدمی نے کہا۔

"نہیں، مذاق بھی بھلا کوئی اڑانے کی چیز ہے۔ اور بہت سی چیزیں ہیں اڑانے کے لیے۔" آفتاب نے فوراً کہا۔ کالے آدمی [illegible] اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا پھر بولا:

"مثلاً اور کون کون سی چیزیں ہیں، ذرا میں بھی تو سنوں۔"

"گنتے رہیے، پتنگ، ہوائی جہاز، بے پر کی اڑانا، چٹکیوں [illegible] اڑانا ——— اور ———" آفتاب جلدی جلدی کہتا چلا جا رہا تھا



[illegible] آدمی نے گھبرا کر کہا:

"بس بس، ٹھہر جاؤ۔ میں سمجھ گیا کہ تم مذاق کے علاوہ اور بھی بہت کچھ اڑا سکتے ہو۔"

عین اسی وقت دروازے کے اوپر لگا نیلا بلب جلنے بجھنے لگا۔

"باس، تم لوگوں کو اندر بلا رہے ہیں۔ دروازہ کھول کر اندر چلے جاؤ۔"

"شکریہ، تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔"

"مجھے نمبر زیرو کہتے ہیں، ویسے میرا دوسرا نام کالو ہے۔"

"واقعی، زیرو ہی لگتے بھی ہیں۔" فاروق بولا۔

"اندر جاؤ، واپسی پر تمہیں بتاؤں گا کہ میں زیرو کس طرح لگتا ہوں۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

اور وہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئے۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ انہوں نے دیکھا، یہ ایک بڑا کمرہ تھا۔ اس میں ایک بڑی سی میز کے پیچھے ایک کرسی پر سفید فام آدمی بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں پر عینک تھی۔ آنکھیں نیلی، سر کے بال سرخ تھے، چہرہ لمبوترا سا تھا اور ٹھوڑی نوکدار [illegible] میز پر فون کی قسم کے بے شمار آلات رکھے تھے۔ ایک بوتل رکھی ہوئی تھی، جس میں نیلے رنگ کا سیال مادہ تھا۔

"تم لوگوں نے رات اپنے کمرے میں جو باتیں کیں، وہ میں نے سنی

ہیں۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم لوگ کون ہو؟ وہ چہرے...
ہنسی لاتے ہوئے بولا۔

"ہم انسان ہیں جناب۔" فاروق بولا۔

"یہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ اپنے ملک کا نام بتاؤ ا...
وہاں جو کچھ کرتے ہو اس کی تفصیل بتاؤ۔ تمہارے ناموں کی فہر...
اس وقت میرے سامنے میز پر موجود ہے۔" اس نے گونج دار...
میں کہا۔

"شکریہ جناب کہ ہمیں آپ نے اس قابل سمجھا۔" یہ کہ...
انسپکٹر کامران مرزا نے اپنے ملک کا نام بتایا اور خاموش ہو گئے...

"تم نے یہ نہیں بتایا، کیا کرنے آئے ہو؟" اس نے انہیں گھ...

"مختلف کام، مثلاً میں ایک ریٹائرڈ فوجی ہوں اور ریٹائرمنٹ...
کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ میرے پاس کچھ زمینیں ہیں۔ ان...
کاشت ہوتی ہے اور یہ شکاری ہیں۔ ان کا کام ہے، جنگلوں...
شکار کرنا۔" خان رحمان نے روانی کے عالم میں تعارف کرایا۔

دراصل انہوں نے یہ سوچا تھا کہ انسپکٹر کامران مرزا اور انسپکٹر جمشید...
جھوٹ کا سہارا لینا پڑے، لیکن وہ نہیں جانتے تھے، ان...
طرح کتنی زبردست غلطی ہو جائے گی۔

"کیا کہا شکاری؟" باس چونکا۔

انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا بوکھلا گئے۔ ادھر باس ک...



...شدید الجھن کے آثار تھے، پھر اس نے ان کی طرف بغور دیکھتے ہوئے

"کہیں تم وہ تو نہیں، جنہوں نے روڈان اور ناٹی کو ختم کیا ہے۔"
اس کی آواز کمرے میں گونج کر رہ گئی۔ ان کے دل دھک دھک
...نے لگے، لیکن جواب دینے میں دیر کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس لیے
...جمشید بولے۔

"ہم نے روڈان نامی کسی آدمی کو نہیں دیکھا نہ ناٹی کو۔"

"ٹھہرو بھئی، ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔" اس نے کہا اور میز پر
...ایک آلے کا بٹن دباتے ہوئے بولا:

"ہیلو، پروفیسر بول رہا ہوں۔ ان دونوں افسروں کو میرے
...بھیج دیا جائے، جلدی کرو۔"

"اوکے سر۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"اچھا تو تم فوجی اور شکاری ہو۔ یہاں کس لیے آئے تھے؟"

"سیر کے لیے۔"

"لیکن سیر کے لیے آنے والے اس قسم کی باتیں نہیں کرتے، جس
...کی تم نے رات کی ہیں۔" اس نے کہا۔

"تو پھر فوجی اور شکاری لوگ کس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔"
...ب نے معصومانہ لہجے میں پوچھا۔

"خاموش رہو، بڑوں کو بات کرنے دو۔ ہاں بھئی، تم لوگ

کیا کہتے ہو۔" وہ غرایا۔

"شاید یہاں آنے کے بعد ہر شخص شروع میں ایسی باتیں
کرتا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے بے خوفی سے کہا۔

"نہیں، جب انہیں یہ بتا دیا جاتا ہے کہ یہاں انسانوں کو
دھواں بنا کر اڑا دینے والے برنر بھی لگے ہوئے ہیں تو کوئی اف
نہیں مارتا۔ تم پہلے ہو، جنھوں نے اس قسم کی باتیں کی ہیں۔"

"یہ سن کر خوشی ہوئی۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"ابھی اور خوشی ہوگی، جب میں تمہاری مرمت کانگو سے کرواؤں
گا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"کانگو، کون کانگو — ہم تو کسی کانگو کو نہیں جانتے۔" مح
حیران ہو کر بولا۔

"وہی کانگو جو تمہیں یہاں تک لے آیا ہے اور جو میرا اشا
ملنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کا کہنا ہے، کسی انسان کی مر
کیے اسے بہت عرصہ ہو گیا ہے — ٹھہرو، ذرا میں باقی ماندہ ٹیپ بھ
سن لوں۔"

وہ خاموش ہو گئے۔ اس نے میز کے دوسری طرف رکھ
ٹیپ ریکارڈر کا سوئچ آن کر دیا۔ آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ان
دو آدمیوں کی گفتگو پر باس کی بھنویں تن گئیں — ان میں سے
ایک کہہ رہا تھا:



"میں تو اس زندگی سے تنگ آ گیا ہوں — اب چاہے کچھ ہو
صبح سے یہاں کام نہیں کروں گا۔"

"بے وقوف نہ بنو — ہم کر ہی کیا سکتے ہیں — کیا زندہ جل جانا
ہو۔"

"ہاں، جل مروں گا — روز روز مرنے سے یہ کہیں بہتر ہے، آدمی
ر مر جائے۔"

"چپ رہو، تمہاری آواز ریکارڈ ہوتی جا رہی ہے۔"

"ہوتی رہے، میں کہہ چکا ہوں، میں تنگ آ گیا ہوں۔"

باس نے ٹیپ ریکارڈ بند کر دیا اور ایک بٹن دبا دیا — فوراً ہی
اندر داخل ہوا۔

"بارک نمبر ۳۰ کے نمبر ۱۱ کو لے آؤ۔"

"یس سر۔" اس نے کہا، سر کو خم کیا اور باہر نکل گیا۔

ان کے دل دھک دھک کرنے لگے — ابھی چند منٹ بھی نہیں
ہوں گے کہ کانگو ایک شخص کو لے کر اندر داخل ہوا اور پھر
ل گیا۔ اس شخص کا رنگ ہلدی کی طرح زرد تھا۔

"میں نے تمہاری باتیں سنی ہیں، تو تم برنر میں گر کر مر جانا چاہتے
اری یہ خواہش پوری کی جائے گی۔"

"م، میں ....."

"ہاں ہاں، کہہ دو یہ جھوٹ ہے۔ تم تو رات خواب میں یہ باتیں

کر رہے تھے۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"نہیں، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں روز روز نہیں مر سکتا

ہی بار مر جانا چاہتا ہوں اور جب برنر میں جلنا ہی ہے تو پھر میں

ٹھکانے لگا کر کیوں نہ مروں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ باس

طرف جھپٹا۔ اور یہ کچھ اس قدر تیزی سے ہوا کہ وہ سوچ بھی نہ

کہ ایسا ہو جائے گا۔ وہ شخص سیدھا باس کی طرف گیا۔ ادھر

پورے سکون اور اطمینان سے اپنی کرسی پر بیٹھا رہا۔ اس نے ہلنے

ذرا بھی کوشش نہ کی، پھر جوں ہی اس شخص کا جسم میز تک

کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی اور وہ ہوا میں اڑتا ہوا ان کی

آیا۔ انسپکٹر جمشید نے دونوں ہاتھ فوری طور پر بلند کیے اور اسے

کر آرام سے نیچے چھوڑ دیا۔ انہوں نے دیکھا، وہ مکمل طور پر بے

ہو چکا تھا۔

"بے وقوف کہیں کا۔ کیا ان حالات میں میں یہاں اپنی حفا

کے بغیر بیٹھ سکتا ہوں۔ میرے ارد گرد ایٹمی لہریں موجود ہیں، جو میری

کر رہی ہیں۔ توپ کا گولہ بھی مجھ سے نہیں ٹکرا سکتا۔ وہ اسی

رفتار سے واپس جائے گا، جس رفتار سے میری طرف آئے گا۔" اس

نفرت زدہ انداز میں کہا، پھر کانگو کو بلانے کے لیے بٹن دبایا۔ اس

آتے ہی اس نے کہا:

"کانگو اسے لے جاؤ اور قید خانے میں ڈال دو۔ کل صبح اسے



منے برنر میں ڈالا جائے گا، لیکن اس وقت اسے ہوش میں ہونا

ہے۔"

"یس سر، اس کے تو فرشتے بھی ہوش میں ہوں گے۔" کانگو نے

دانتوں کی نمائش کی اور وہ لرز اٹھے۔

کانگو نے اسے ہلکے پھلکے تنکے کی طرح اٹھایا اور کمرے سے نکل

جلد ہی دروازہ ایک بار پھر کھلا اور دو پولیس افسر اندر داخل ہوئے۔

"ہمارے لیے کیا حکم ہے سر؟"

"ان لوگوں کو غور سے دیکھو، ان میں سے روڈان کا قاتل کون

اس نے کہا۔

پولیس افسر ان کی طرف گھوم گئے اور بغور ایک ایک کو دیکھنے

آخر ان میں سے ایک نے کہا:

"ان میں تو وہ نہیں ہے۔"

"تو پھر ہو سکتا ہے، یہ لوگ میک اپ میں ہوں۔" یہ کہہ کر اس

بٹن دبایا اور کانگو کے آتے ہی بولا:

"کوڈم کو بلاؤ۔"

"یس سر۔" اس نے کہا اور باہر نکل گیا۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" انسپکٹر جمشید سرسری لہجے میں

"کونسی بات؟" باس نے انہیں گھورا۔

" اور جگہوں پر تو حفاظتی انتظامات روبوٹوں نے سنبھال
ہیں — آپ نے اپنے دروازے پر کسی روبوٹ کو کیوں نہیں
" سوال اچھا ہے — اس کا جواب یہ ہے کہ مجھے
زیادہ اعتماد ہے۔ روبوٹوں کی مشینری میں کوئی خرابی واقع
ہے اور وہ بے کار ہو سکتے ہیں — لیکن کانگو مرنے سے
بے کار نہیں ہو سکتا۔"

" اوہ، تو یہ بات ہے۔"

" ہاں، وہ میرے لیے جان تک دے سکتا ہے۔"

اسی وقت ایک اور شخص اندر داخل ہوا۔ اس
باریک سی مونچھیں تھیں۔

" کوڈم، ان لوگوں کو دیکھو، یہ میک اپ میں تو نہیں ہیں۔"

کوڈم کی نظریں فوراً ان کی طرف گھوم گئیں اور پھر اس
کر کہا :

" یس باس، یہ لوگ سو فی صد میک اپ میں ہیں۔"

" ویری گڈ، میرا بھی یہی خیال تھا، تو پھر ان کا میک اپ

" بہت بہتر سر۔" اس نے کہا اور ان کی طرف بڑھا۔ اس
ہاتھ میں ایک چھوٹا سا تھیلا تھا۔ اس نے تھیلے میں سے بوتلیں نکال
فرش پر رکھنا شروع کیں۔

" اس کی ضرورت نہیں — ہم واقعی میک اپ میں ہیں اور



اور ناٹی کو ہلاک کرنے کا ذمے دار ہوں، لیکن اس میں قصور
تھا — وہ دونوں مجھے جھیل میں دھکا دے دینا چاہتے تھے۔"
کامران مرزا بول اٹھے۔

" بہت خوب، تم نے تسلیم کر لیا، یہ اچھی بات ہے، لیکن اب
تمہارے اصل چہرے ضرور دیکھوں گا۔"

" تو پھر ہم اپنا میک اپ خود اتار دیتے ہیں۔ مسٹر کوڈم کو
کی ضرورت نہیں۔"

" شاید تم کوڈم کی بوتلیں دیکھ کر گھبرا گئے — ہے بھی گھبرانے
ات — میک اپ اترواتے ہوئے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ چلو خیر،
اپنا میک اپ خود ختم کر دو۔"

اور انسپکٹر کامران مرزا نے سب سے پہلے اپنا میک اپ اتار دیا۔
ہی ان کا اصل چہرہ نظر آیا دونوں پولیس افسر زور سے چلّا اٹھے۔

" وہ یہی تھا۔"

" لو بھئی، تم قاتل ثابت ہو گئے۔"

" میں خود ہی تسلیم کر چکا ہوں۔" وہ بولے۔ اتنی دیر میں دوسرے
میک اپ کے بندھن سے آزاد ہو چکے تھے۔

" تب تمہیں بھی برنر میں گرنا ہوگا۔" یہ کہہ کر اس نے پھر بٹن
اور کانگو اندر داخل ہوا۔

" کانگو، کل ایک کو نہیں، دو آدمیوں کو برنر میں ڈالا جائے گا۔

روڈان کے قاتل کو بھی اس شخص کے ساتھ قید خانے میں ڈال دو۔"

"او کے سر" اس نے کہا اور انسپکٹر کامران مرزا کی طرف بڑھا۔

وہ بوکھلا اٹھے۔ واقعات اس قدر تیزی سے پیش آئے تھے، انہیں سوچنے سمجھنے کی ذرا بھی مہلت نہیں ملی تھی۔ اب جو انہوں نے باس کا حکم سنا اور کانگو کو انسپکٹر کامران مرزا کی طرف بڑھتے دیکھا، سب کی سٹی گم ہو گئی۔ انسپکٹر جمشید تک پریشان نظر آئے؛ تاہم انسپکٹر کامران مرزا پرسکون انداز میں کھڑے کانگو کو اپنی طرف آتے دیکھتے رہے اور پھر جوں ہی کانگو انہیں اٹھانے کے لیے جھکا، ان کا فولادی مکا اس قدر قوت سے اس کی ٹھوڑی پر لگا کہ وہ دوسری طرف الٹ گیا۔





# بڑا باس

چند سیکنڈ کے لیے کمرے میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔ باس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے کانگو کی طرف دیکھا، پھر انسپکٹر کامران مرزا کی طرف، پھر پُرسکون آواز میں بولا:

"کانگو! تمہارا مکا کھا کر نہ اٹھنا میرے لیے حیرت انگیز ہے۔"

کانگو نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انسپکٹر کامران مرزا کی طرف دیکھتا رہا۔ باس کی آواز پھر گونجی:

"کانگو۔ تم خاموش ہو۔ کچھ بولو گے نہیں۔"

"نہیں باس۔ اب میں خاموش ہی ہو جانا چاہتا ہوں۔ ایٹمی پستول نکال کر مجھ پر ایک شعاع مار دیجیے۔ میں اب جینا نہیں چاہتا، اس قدر شاندار مکا کھانے کے بعد اب جی کر کیا کروں۔" کانگو نے جذبات سے خالی آواز میں کہا۔

"ٹھیک ہے کانگو۔ میں تمہیں اتنا کم طاقت ور نہیں سمجھتا تھا۔ میں تمہاری خواہش ضرور پوری کروں گا۔ لیکن اس وقت نہیں،

پہلے تم اس شخص کا انجام دیکھو گے — پھر میں تمہیں اس
رخصت کروں گا۔"

"شکریہ باس!" کانگو بولا۔

انہوں نے بوکھلا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا — شاید
سوچ رہے تھے کہ کہیں کانگو کا دماغ تو اپنی جگہ سے نہیں ہل گیا
وہ اپنے منہ سے موت طلب کر رہا تھا اور موت ملنے کی خبر
خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔

"برز میں جلنا اب اس شخص کا مقدر بن چکا ہے اور
ساتھیوں میں سے کسی نے دخل دینے کی کوشش کی تو
کے ساتھ جلے گا۔" یہ کہہ کر باس نے ایک بٹن دبا دیا۔

"ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہاں مہمانوں کے ساتھ یہ سلوک ہو
ورنہ کبھی ادھر نہ آتے۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ اس
چونک کر فاروق کی طرف دیکھا، پھر خلافِ توقع مسکرا کر بولا:

"مہمان — تم اپنے آپ کو مہمان سمجھ رہے ہو — تم تو یہاں
غلام ہو۔"

"میں یہاں کی نہیں — پوری ریاست کی بات کر رہا ہوں
فاروق نے کہا۔

"... پوری ریاست کا نظام بھی اس وقت بڑے باس کے ہاتھ
ہے —" اس نے اکڑ کر کہا۔



"بڑا باس — تو کیا آپ کے علاوہ بھی کوئی باس ہے۔"

"ہاں — یہ پوری تنظیم انہی کے اشاروں پر ناچ رہی ہے —
بہت عظیم دماغ کے مالک ہیں — اس منصوبے میں شریک ملکوں
انہیں بہت سوچ سمجھ کر چنا تھا اس کام کے لیے — بلکہ یہ تجویز
انہوں نے پیش کی تھی — اور منصوبے میں شریک ملکوں میں سے
ملک کے سامنے رکھی تھی — پھر اس ملک نے اپنے ساتھ اس
میں چند اور بڑے ملکوں کو شامل کر لیا — اس کے بعد تمام
اختیارات بڑے باس کو سونپ دیے گئے — اور انہوں نے منصوبے
عمل شروع کر دیا — تم لوگ دیکھ ہی رہے ہو، اب کس قدر تیزی
کام ہو رہا ہے۔"

"ہم سمجھ گئے — تب بڑا باس ضرور سرخ پنجہ ہے۔"

"سرخ پنجہ — تم — تم کون ہو؟" باس کے لہجے میں بلا کی حیرت
آئی — اس کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے اس قدر پھیلیں کر انہیں
محسوس ہونے لگا کہ ابھی باہر گر پڑیں گی۔

"ہم، ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ انسان ہیں۔" آفتاب نے
سے کہا۔

"تمہیں سُرخ پنجہ کے بارے میں کس طرح معلوم ہے۔"

"اخبارات کے ذریعے۔" فاروق نے کہا۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک روبوٹ اندر داخل ہوتے ہوئے

بولا:

"یس سر! میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"آؤ موبُو۔ تم کانگو کو دیکھ رہے ہو۔ یہ کس طرح گرا پڑا ہے۔"

"یس سر! دیکھ رہا ہوں۔" اس نے سر کو خم کرتے ہوئے کہا۔

"اس کا یہ حال اس شخص نے کیا ہے۔" باس نے انسپکٹر کامران مرزا کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ!" روبوٹ نے بھی ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں چاہتا ہوں، تم کانگو کا انتقام لے لو۔ لیکن اس حد تک نہیں کہ یہ جان سے مر جائے۔ موت تو اسے برنر کی ہی سے

"او کے سر! آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔" اس نے کہا اور جھومتا انسپکٹر کامران مرزا کی طرف بڑھا۔ وہ بوکھلا گئے۔

"مسٹر باس۔ یہ ظلم ہے۔ آدمی سے آدمی کو لڑاؤ۔ کانگو سے کیا کوئی سورما نہیں آپ کے پاس۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نہیں! جب کانگو نے ہی مایوس کر دیا ہے تو کسی اور کا کیا بھروسہ۔"

"آپ کو تو کانگو پر روبوٹ کی نسبت زیادہ اعتماد تھا۔"

"ہاں، اور میں غلطی پر تھا۔ کانگو میں اتنا دم خم کہاں جتنا ایک روبوٹ میں ہو سکتا ہے۔"

اتنے میں روبوٹ انسپکٹر کامران مرزا کے نزدیک پہنچ چکا تھا



نے دونوں ہاتھ اس طرح پھیلا رکھے تھے کہ جیسے ان میں انہیں ے گا۔ انسپکٹر کامران مرزا پریشان نظروں سے اسے تے رہے۔ مصیبت یہ تھی کہ وہ اس پر خود حملہ نہیں کر تے تھے۔ اپنے ہی ہاتھ پیر ٹوٹتے۔ اور پھر یونہی روبوٹ نے ں دبوچ لینے کے لیے دونوں بازو آپس میں ملائے۔ وہ یک دم بیٹھ گئے اور کنی کترا کر اس کی کمر پر آ گئے۔ پھر دور ہٹتے گئے۔

روبوٹ بھی بلا کی پھرتی سے ان کی طرف گھوما۔ اس کی پھرتی انہیں چکرا دیا۔ اب روبوٹ پھر ان کی طرف بڑھا، اس مرتبہ اس رفتار پہلے سے بہت تیز تھی۔ نزدیک پہنچتے ہی اس نے ٹ پڑنے کی کوشش کی، لیکن انسپکٹر کامران مرزا اسے پھر جھکائی ے گئے۔ ایک بار بھی وہ اس کے قابو میں آ جاتے، پھر بچنا ل تھا۔

"یوں کام نہیں چلے گا موبُو۔ اس پر چھلانگ لگاؤ چھلانگ۔ س کچھ زیادہ ہی تیز طرار لگتا ہے اور طاقتور بھی۔ دیکھتے نہیں، اس ایک ہی مکے نے کانگو کا کیا حال کر دیا ہے۔"

"باس! میں بار بار یہ الفاظ نہیں سن سکتا، ایٹمی پستول کی ع میرے جسم کے آر پار کر دیجیے۔" کانگو تڑپ کر بولا۔ وہ ابھی تک یں سکا تھا۔

"میں کہہ چکا ہوں کانگو۔ تمہاری خواہش ضرور پوری کی جائے گی۔
لیکن اس مقابلے کے بعد۔" باس نے کہا اور کانگو بُرا سا منہ بنا کر
رہ گیا۔

اتنے میں روبوٹ ان پر چھلانگ لگا چکا تھا۔ ادھر انسپکٹر جمشید
نے چھلانگ لگائی، ادھر انسپکٹر کامران مرزا نے ترچھی چھلانگ لگائی
اور اس کے پاس سے گزرتے ہوئے دوسری طرف جا پہنچے۔ لیکن
پھر ان کے اوپر کے سانس اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے۔ روبوٹ
اس مرتبہ انہیں دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ان کی
انہیں کمرے کے ایک کونے میں لے آئی تھی۔ اور روبوٹ ان
ان کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔ فاصلہ اتنا کم رہ گیا تھا کہ جھکائی
دے کر نکل جانا بہت مشکل نظر آ رہا تھا۔

"بہت خوب موبو۔ یہ ہوئی نا بات۔ بس اب اس کی
ہڈیاں توڑ ڈالو۔" باس نے خوش ہو کر کہا۔

ان کے دل زور زور سے دھڑکنے لگے۔ ایسے میں انسپکٹر
جمشید کو نہ جانے کیا سوجھی۔ وہ غیر محسوس طور پر پہلے ہی کانگو کی
طرف کھسکتے رہے تھے اور اس وقت کانگو کے بالکل قریب تھے۔
بجلی کی سرعت سے جھکے اور کانگو کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ یہ
نظارہ باس اور دوسروں سے پوشیدہ کیسے رہ سکتا تھا، باس کی آنکھیں اُبل
پڑیں۔ اس قدر دیو قامت آدمی کو۔ جو دوسروں کو ہلکے پھلکے کھلونوں کی



طرح اٹھا لیتا تھا، انسپکٹر جمشید نے اتنی آسانی سے اٹھا لیا تھا۔
نظر دیکھ کر اس کی آنکھیں اُبل نہ پڑتیں تو کیا ہوتا۔ لیکن اس کی
آنکھوں کو ابھی اور اُبلنا تھا۔ دوسرے ہی لمحے انسپکٹر جمشید نے کانگو
کو موبو پر دے مارا۔

ایک زور دار دھماکے کی آواز گونجی۔ کانگو موبو سے ٹکرا گیا تھا،
دونوں دھڑام سے گرے۔ کانگو کی چیخ بہت بھیانک تھی۔ وہ روبوٹ
کے نیچے دب گیا تھا اور اس کی ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آوازیں انہوں
نے صاف سُنی تھیں۔ اتنی دیر میں انسپکٹر کامران مرزا کونے سے نکل
کر کمرے کے عین درمیان میں آ کھڑے ہوئے تھے۔ روبوٹ بھی
اُٹھ کھڑا ہوا۔ کانگو تڑپتا رہ گیا۔

"مم۔ میں نے کہا تھا نا باس۔ ایٹمی شعاع میرے جسم میں اُتار
دو" اس نے بمشکل کہا۔

ادھر روبوٹ اب پھر حملے کے لیے پر تول رہا تھا۔ اس
نے ایک لمبی چھلانگ لگائی، انہوں نے دوسری طرف چھلانگ لگائی
اس مرتبہ چھلانگ لگاتے وقت انہوں نے ایک بات کا خاص خیال
رکھا تھا، لیکن روبوٹ اس طرف دھیان نہ دے سکا۔ اس نے پھر
اندھا دھند چھلانگ لگائی۔ انسپکٹر کامران مرزا پہلے سے تیار
تھے۔ یک دم فرش پر گر پڑے اور ساتھ ہی چلائے:

"سب کے سب فرش پر لیٹ جاؤ۔"

اور عین اس وقت روبوٹ سیدھا باس کی طرف گیا تھا۔۔۔ باس سے تو وہ کیا ٹکراتا۔۔۔ کیونکہ لہروں نے اس کا راستہ روک ل تھا۔۔۔ البتہ لہروں سے پوری قوت سے جو ٹکرایا تو انہوں نے ا اسی قوت سے اسے اچھال پھینکا۔۔۔ اس وقت تک بلا کی تیزی کا کام لیتے ہوئے وہ سب خود کو نیچے گرا چکے تھے۔۔۔ روبوٹ ا کے سروں پر سے ہوتا ہوا سامنے والی دیوار سے ٹکرایا۔۔۔ ایک خوفناک دھماکا ہوا۔۔۔ اور روبوٹ دیوار توڑتا ہوا کمرے سے جا گرا۔۔۔

○

ایک ہولناک خاموشی نے ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔۔۔ یہ خاموشی کتنی ہی دیر تک طاری رہی۔۔۔ روبوٹ گرنے کے بعد ا نہیں سکا تھا۔۔۔ شاید اس کے کچھ کل پرزے ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔۔۔ گویا روبوٹ مر گیا تھا۔۔۔ یا مرمت کے بغیر اٹھنے کے قابل نہیں تھا۔۔۔ باس اس طرح ساکت بیٹھا تھا جیسے اس نے کسی عجوبہ فلم کا حیرت ناک ترین منظر دیکھا ہو۔۔۔ اس کی آنکھیں بالکل ساکت تھیں۔۔۔ پلکیں جھپکانا تک یاد نہیں رہ گیا تھا اسے۔۔۔ آخر فاروق کی آواز سب کے کانوں سے ٹکرائی:



"بے چارے روبوٹ کی مرہم پٹی کا بندوبست کیجیے۔"

روبوٹ کی مرہم پٹی کا خیال دلچسپ اور پُرلطف تھا، کوئی اور ...ع ہوتا تو وہ فاروق کی بات سن کر قہقہہ ضرور لگاتے، لیکن یہ ...ات اس قدر سنگین تھے کہ وہ صرف مسکرا سکے۔ وہ سب یہ سوچ ...ے تھے کہ باس کا اگلا قدم کیا ہوگا۔۔۔ کیا وہ کسی اور روبوٹ کو ...ئے گا۔ ایسے میں انہوں نے کانگو کی آواز سنی:

"...س۔۔۔ میں۔۔۔ میں مر رہا ہوں باس۔۔۔ آپ میرے جسم میں ایٹمی ...اغ نہ اتار سکے۔۔۔ افسوس۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی کانگو کی گردن ڈھلک گئی۔۔۔

"حیرت انگیز۔۔۔ بہت ہی حیرت انگیز۔۔۔ میں نے ایسی لڑائی ... زندگی میں آج تک نہیں دیکھی۔۔۔ اگر تم لوگ دشمن نہ ہوتے تو ... تمہیں انعام سے ضرور نوازتا اور اس منصوبے کی تکمیل میں تم ... مدد لیتا اور بہت بڑے بڑے عہدوں سے نوازتا۔" آخر کافی ... بعد اس نے منہ کھولا۔

"ہمیں بڑے بڑے عہدوں کا کوئی لالچ نہیں۔" انسپکٹر جمشید ...ائے۔۔۔

"ابھی تک مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا کہ تم نے کانگو کو ...یا تھا۔" اس نے کہا۔

"حالانکہ یہ سب کچھ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔"

"ہاں! میں چاہوں تو باری باری دوسرے روبوٹ بُلا کر تم… مقابلے پر کھڑے کر سکتا ہوں۔ لیکن نہیں۔ اس کی ضرورت… نہیں۔ تم لوگ اگرچہ روڈان کے قاتل ہو، لیکن پھر بھی اس… بہادر اور دلیر ہو کہ برنر میں جلا کر مجھے افسوس ہو گا۔ کیوں… تمہارے ذہنوں کو بدلنے کی کوشش کریں۔ شاید تم لوگ ہمارے… کام کرنے پر آمادہ ہو جاؤ۔ میں اس سلسلے میں بڑے باس… بات کروں گا۔ وہ ذہنوں کو تبدیل کرنے کا ماہر ہے۔ اس… کہیں تم یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ تمہارے دماغوں میں اور دماغ فٹ… کر دے گا۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ بس وہ تمہارے خیالات… بدل دے گا۔ اور تم اس تنظیم کے وفادار بن جاؤ گے۔"

"ہمارا خیال ہے۔ ایسا نہیں ہو سکے گا۔"

"اور مجھے یقین ہے کہ ایسا ضرور ہو گا۔ میں آج ہی۔"

اُس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت فون کی گھنٹی… ایک گھنٹی بجی تھی۔ اور کمرے میں ایک مدھم اور کھُردری سی آواز… گونجی تھی:

"ہیلو پروفیسر شلبان۔ کیا حال ہے۔"

پروفیسر شلبان کے نام نے انہیں اُچھل پڑنے پر مجبور کر دیا۔ ان کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیل گئیں۔ پروفیسر شلبان… تو پروفیسر ہامان کا دوست تھا۔ ایجاد کے بارے میں ان کے سوال…



…جواب دیتے ہوئے پروفیسر ہامان نے انہیں بتایا تھا کہ ایجاد… کے بارے میں اس نے صرف اپنے دوست پروفیسر شلبان اور… دلیر دارا کو بتا رکھا ہے۔ اور اب وہ اس پروفیسر شلبان کا… کمرے میں گونجتا سُن رہے تھے۔ وہ فوراً اس گفتگو کی طرف متوجہ… ہو گئے۔ جو ان کے درمیان ہو رہی تھی۔ انہوں نے سُنا۔ پروفیسر شلبان کہہ رہا تھا:

"یس باس۔ سب ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"روڈان کی جگہ نئے آدمی نے کام شروع کر دیا ہے۔ وہ کل سے… آدمی بھجوانا شروع کر دے گا۔"

"تت۔ تو۔ کیا۔ تو کیا اُس نے کل آدمی نہیں بھجوائے تھے۔"

…فیسر شلبان ہکلایا۔

"نہیں تو۔ کیا کل بھی کچھ لوگ آئے ہیں۔"

"ہمیں کل کمرے میں کسی کی موجودگی کی خبر لگی تھی۔ جیسا… عام طور پر خود بخود لگ جاتی ہے۔ چنانچہ ہم نے کمرے… دروازہ بند کرا دیا اور سرنگ کا دروازہ کھول دیا۔ چنانچہ… مرد اور چھ چھوٹی عمر کے بچے یہاں پہنچ گئے۔ لیکن میرا… ہے۔ وہ عام لوگ نہیں ہیں۔ یہاں ایک عجیب واقعہ رُونما… ہے۔"

"کیسا واقعہ؟" دوسری طرف سے حیران ہو کر کہا گیا۔

اور پروفیسر شلجان نے ساری تفصیل سُنا دی ۔۔ اس کے
خاموش ہونے کے بعد بھی کئی سیکنڈ تک بڑا باس خاموش رہا۔
آخر اس کی آواز گونجی :
" میں ان لوگوں کو دیکھنا پسند کروں گا ۔۔ انہیں رات کے
وقت میرے پاس بھیج دیجیے ۔۔ ان سے ملاقات کرنے کے بعد
اگر میں نے مناسب سمجھا تو میں انہیں واپس بھجوا دوں گا ۔۔ ورنہ اپنے
رکھ لوں گا ۔"
" او کے باس ۔۔ ایسا ہی ہوگا ۔" پروفیسر نے کہا اور پھر آواز
بند ہوگئی تو اس نے ایک بٹن دبایا ۔۔ پھر ایک اور بٹن دبایا۔
منٹ بعد ہی دو روبوٹ اندر داخل ہوئے ۔۔
" انہیں بڑے باس تک پہنچانا ہے ۔۔ یہ خطرناک لوگ ہیں ۔۔
رات کی تاریکی میں انہیں لے جایا جائے گا ۔۔ اور پوری احتیاط کی
گی ۔"
" یس سر ، لیکن ۔۔۔ سر ۔۔ موبو کو کیا ہوا ۔"
" موبو ان لوگوں کے ہاتھوں ذرا ٹوٹ پھوٹ گیا ہے ۔۔ فکر
کرو ۔۔ اس کی مرمت کر لی جائے گی ۔"
" چلو بھئی ۔۔ ایک روبوٹ نے کہا ۔
انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں
میں فیصلہ کیا کہ بڑے باس سے ملاقات کر ہی لی جائے ۔۔ پھر
دیکھیں گے کہ کیا کیا جا سکتا ہے ۔۔



# تھوڑی سی لہریں

رات ہونے تک دونوں روبوٹ انہیں اپنی نگرانی میں لیے رہے
رات کے وقت وہ انہیں لے کر سرنگ کے اندرونی دروازے
آئے ۔۔ یہاں اب بھی دو روبوٹ کھڑے تھے ۔۔ انہوں نے سوالیہ
وں سے ان کی طرف دیکھا :
" باس کے حکم سے انہیں بڑے باس تک پہنچانا ہے ۔"
اور انہوں نے راستہ دے دیا ۔۔ وہ سرنگ میں چلتے رہے ۔۔
بیرونی دروازے پر آئے ۔۔ یہاں بھی ابھی روبوٹ موجود تھا ۔۔ اس
بھی انہیں راستہ دے دیا ۔ گویا اس زمین دوز فیکٹری میں دروازوں
روبوٹوں کے علاوہ بھی کچھ روبوٹ تھے ۔۔ ان میں سے ایک تو
الال ۔ بیکار ہوگیا تھا ۔۔ دو ان کے ساتھ تھے ۔۔ اور بھی نہ جانے کتنے
ہوں گے ، یہی سوچ کر آفتاب بول اُٹھا :
" کیوں روبوٹ ۔ برادران ! تمہارے اور کتنے بھائی بند یہاں
ہیں ۔"

"کیا مطلب ؟"

"دو تو تم ہو ہمارے ساتھ۔ تین دونوں دروازوں پر ہیں۔ ...
مُوبُو بے کار ہو گیا۔ اور کتنے روبوٹ کام کرتے ہیں۔"

"بس اتنے ہی ہیں۔" ایک روبوٹ نے کہا۔

"تم شاید بھول گئے۔ ہمیں ان لوگوں سے ہوشیار
رہنا ہے۔"

"اوہ ہاں۔" دوسرا جلدی سے بولا۔

سیڑھیاں چڑھ کر وہ قلعے کے اسی کمرے میں آئے۔ ...
دروازہ خود بخود کھل گیا تھا، کمرے کا دروازہ انہیں کھلا ہی ملا۔ ...
کمرے سے نکل کر روبوٹ قلعے کے پچھلے حصے میں آ گئے۔ یہاں ...
جھاڑیوں میں ایک ویگن اور ایک کار چھپی ہوئی تھیں۔ انہیں ویگن ...
بٹھایا گیا اور پھر وہ چل پڑے۔

شہر اس وقت سائیں سائیں کر رہا تھا۔ کوئی بھی شخص آتا ...
نظر نہیں آ رہا تھا۔ نہ ہی کوئی پولیس والے گشت کرتے نظر ...
شاید اس حکومت نے رات کے وقت آمد و رفت بالکل بند کر رکھی ...
کاروباری مراکز، ہوٹل وغیرہ بھی سب بند تھے۔ لہذا شہر کی سڑکوں ...
پر آزادانہ ان کی ویگن تیرتی رہی۔ آخر ایک بلند و بالا عمارت ...
سامنے رک گئی۔ انہوں نے دیکھا، عمارت کی پیشانی پر "امن ...
لکھا تھا۔



"یہ شہر کی سب سے بڑی عمارت ہے۔ کوئی پرندہ بھی اس
...رت میں پر نہیں مار سکتا، کوئی نہیں جانتا۔ اس عمارت میں کون
...ہتا ہے۔ سابقہ حکومت کا صدر اس عمارت میں رہتا تھا۔ لیکن
...وہ صدر یہاں نہیں رہتا۔ اسے ایک اور عمارت دے دی گئی
...۔ جو اس عمارت کے پاسنگ بھی نہیں۔" ایک روبوٹ نے
...یں بتایا۔

"اس لیے کہ یہ عمارت بڑے باس کو دی گئی ہے۔ کیوں یہی
...ت ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہاں!"

"آخر انہیں یہ بات بتانے کی کیا ضرورت تھی۔" دوسرے روبوٹ
...ے منہ بنا کر کہا۔

"اوہ سوری!" اس نے جلدی سے کہا۔

عمارت کا دروازہ بند تھا۔ جونہی انہوں نے اس پر قدم رکھے،
...ہیں جلترنگ سے بجے اور چند منٹ بعد دروازہ کھل گیا اور کانگو کی
...کل و صورت والے ایک آدمی کا چہرہ نظر آیا:

"چھوٹے باس کی طرف سے بڑے باس کے لیے۔" ایک روبوٹ
...لا۔

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ انتظار گاہ میں ٹھہرو۔ میں انہیں لے
...تا ہوں۔"

اور وہ اس کے ساتھ اندر داخل ہوئے، عمارت کسی محل
کم نہیں تھی — بلکہ محلوں میں بھی وہ ٹھاٹھ باٹ نہ ہوں گے
انہیں یہاں نظر آئے — ایک بہت موٹے قالین پر چلتے
عمارت کے برآمدے تک پہنچے اور پھر بجلی کے ذریعے چلنے وال
سیڑھیوں پر سوار ہو کر ایک کمرے کے دروازے تک پہنچے
سیاہ فام نے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر باادب لہجے
کہا:

"چھوٹے باس کی طرف سے دس آدمی بھیجے گئے ہیں
میں سے چار مرد اور چھ بڑی عمر کے بچے ہیں۔"

"ٹھیک ہے — انہیں اندر بھیج دو، تم خود باہر ہی رہو۔"
وہی مدھم اور کھردری سی آواز آئی۔

ساتھ ہی دروازہ کھل گیا — ان کے دل دھڑک اٹھے —
بڑے باس کو دیکھنے والے تھے جو اس پورے منصوبے کا بنانے
والا تھا — اس نے چند ملکوں کو اس منصوبے پر عمل پیرا ہونے
آمادہ کیا تھا — لیکن منصوبہ دراصل کیا تھا — یہ تو ابھی تک انہیں
معلوم نہیں تھا، بس وہ صرف اتنا جانتے تھے کہ یہ لوگ تیسری عالمی
جنگ کی بڑے پیمانے پر تیاریاں کر رہے تھے — لیکن اصل میں
منصوبہ کیا تھا یا اس کی تفصیلات کیا تھیں، یہ ان کے فرشتوں کو
بھی معلوم نہیں تھا —



آخر انہوں نے قدم اٹھائے اور کمرے میں داخل ہوئے — لیکن
کمرے میں باس نام کی کوئی چیز نہیں تھی — ایک میز کے گرد
ید رنگ کا دھواں سا ضرور پھیلا تھا — میز کے سامنے کچھ کرسیاں
ی تھیں —

"تشریف رکھیے۔" دھوئیں میں سے آواز آئی۔

"آپ — آپ کہاں ہیں اور کہاں سے بول رہے ہیں؟" فاروق
اٹھا۔

"میں یہیں ہوں — اسی کمرے میں — میز کے دوسری طرف تمہیں
رسی نظر آ رہی ہے — اس پر بیٹھا ہوں۔"

"لیکن آپ ہمیں نظر کیوں نہیں آ رہے۔" آفتاب نے حیران
کر کہا —

"اس لیے کہ میرے جسم میں سے اس وقت ایسی لہریں گزر
ی ہیں جنہوں نے میرے جسم کو تمہاری نظروں سے اوجھل کر دیا
— بے فکر رہو، میں نے کوئی سلیمانی ٹوپی نہیں پہن رکھی۔" آواز
لکی سی ہنسی شامل تھی۔

"مہربانی فرما کر ایسی تھوڑی سی لہریں ہمیں بھی دے دیں۔"
وق نے التجا کی اور ان حالات میں بھی وہ مسکرائے بغیر نہ
سکے —

"تو تم روڈوان اور اس کے ساتھی کے قاتل ہو اور تم نے

ایک روبوٹ کو بھی توڑ پھوڑ دیا ہے۔ اس کے لہجے میں بے لی
تھی۔

"سنا تو ہے ہم نے بھی۔" محمود نے منہ بنایا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ تم لوگ واپس اسی زمین دوز دُنیا میں جا
چھوٹا باس تم سے تمہارے شایانِ شان کام لے گا۔ میں اس
بات کرتا ہوں۔ مناسب ہوا تو میں تم لوگوں سے اہم کام
کے بارے میں غور کروں گا۔"

"کیا مطلب۔ ہم واپس جائیں۔" انسپکٹر جمشید حیران ہو
بولے۔

"ہاں بھئی۔ میں تمہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ جو کچھ تم لوگوں
بارے میں سنا تھا۔ تم لوگ ویسے نظر تو نہیں آئے۔ خیر
ہو جائے گا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے سیاہ فام کو بلایا اور
کے بارے میں ہدایت دی، واپس مڑتے ہوئے فاروق بول اٹھا

"ویسے جناب۔ یہ انصاف نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟" باس کی چونکی ہوئی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی

"آپ نے تو ہمیں دیکھ لیا اور خود کو ہمیں دکھایا ہی نہیں
ہم بھی تو آپ کو دیکھنے کے خواہش مند تھے۔" فاروق بولا۔ وہ
دل ہی دل میں مسکرا دیے۔



"مناسب سمجھا تو میں اپنے آپ کو دکھا دوں گا۔ لیکن یہ صرف
ں صورت میں ہو گا، اگر تم لوگوں نے اس تنظیم کے لیے کام
پسند کیا۔"

"شاید۔ وہ وقت آ جائے۔"

اور وہ سیاہ فام کے ساتھ باہر نکل آئے۔ اس نے انہیں
اٹ کے حوالے کیا، وہ انہیں وین میں لے کر پرانے قلعے
ف روانہ ہوئے۔ حالات حد درجہ تیزی سے پیش آئے تھے۔
انہیں ابھی تک سوچنے سمجھنے کے لیے موقع تک نہیں ملا تھا،
ں جب تک وین قلعے تک پہنچتی وہ سوچ کے گھوڑوں کو آزاد
سکتے تھے، چنانچہ انہوں نے گھوڑے پوری رفتار پر چھوڑ دیے
آخر قلعہ آنے تک وہ ایک نتیجے پر پہنچ چکے تھے۔ اور وہ نتیجہ
تھا کہ اگر وہ دوبارہ زمین دوز فیکٹری ایریے میں پہنچ گئے تو پھر
اید کبھی باہر نہ نکل سکیں۔ چنانچہ انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ
وہ نیچے جا کر غلام نہیں بنیں گے۔ آخر وین رُکی اور ایک
اٹ نے وین کا پچھلا دروازہ کھول کر انہیں نیچے اُترنے کے
کہا۔

وہ ڈرے ڈرے انداز میں نیچے اُتر آئے۔

"ہم پہلے انہیں نیچے پہنچائیں گے، پھر اوپر آ کر وین کو اس
جگہ کھڑی کریں گے۔" ایک روبوٹ نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ ان لوگوں کا دھیان رکھنا ضروری ہے۔
ہے، یہ لوگ خطرناک ہیں۔"

"چلو۔۔۔ ہمارے آگے آگے چلو۔"

انہوں نے چند قدم اٹھائے اور پھر یک لخت مخالف
میں مڑ کر دوڑ لگا دی:

"یہ تم کیا کر رہے ہو؟" ایک روبوٹ چیخا۔

"ہم نیچے نہیں جائیں گے۔۔۔ یہی ہمارا فیصلہ ہے۔۔۔ اپنے
چھوٹے باس کو بتا دینا۔" انسپکٹر کامران مرزا چلائے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، ہم تمہیں ساتھ لے کر جائیں گے۔"

اس کے ساتھ ہی دونوں روبوٹوں نے ان کے پیچھے دوڑ
دی۔۔۔ یہ دیکھ کر ان کی سٹی گم ہو گئی کہ ان کی رفتار بھی
کم نہیں تھی۔

"بھاگو۔۔۔ یہ روبوٹ سست رفتار نہیں ہیں۔" انسپکٹر جمشید
بوکھلا کر بولے۔

انہیں دراصل یہ خطرہ تھا کہ اگر ان کا ایک ساتھی بھی کس
روبوٹ کے ہتھے چڑھ گیا تو پھر ان سبھی کو ان کے ساتھ
پڑ جائے گا۔۔۔ انہوں نے دیکھا۔۔۔ انسپکٹر کامران مرزا کا رُخ شہر
طرف نہیں تھا۔۔۔ انسپکٹر جمشید فوراً سمجھ گئے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔
چنانچہ انہوں نے بھی اپنا رُخ اسی طرف کر لیا:



"آپ لوگ اس طرف کیوں جا رہے ہیں۔" خان رحمان چلائے۔

"خان رحمان۔۔۔ یہ سوال کرنے کا وقت نہیں۔۔۔ بس سر پر
رکھ کر بھاگو۔۔۔ کسی بھی روبوٹ کو اپنے نزدیک نہ پہنچنے دینا۔"
ں نے بلند آواز میں کہا، پھر کچھ سوچ کر بولے:

"سب سے پیچھے کون ہے؟"

"میں۔" منور علی خان بولے۔

"کیا آپ کی رفتار کچھ کم ہے۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ بچوں
بت۔"

"نہیں۔۔۔ میں ان کی حفاظت کے خیال سے ان کے پیچھے ہوں۔"
ں نے فوراً کہا۔

"ویری گڈ۔۔۔ یہ ٹھیک رہے گا۔۔۔ بہرحال آپ ہمیں اپنی خیریت
طلاع دیتے رہیے گا۔"

"بہت اچھا۔"

اب روبوٹ بے تحاشا ان کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔۔۔ اچانک
روبوٹ نے چلا کر کہا:

"سنو! اگر تم نے یہ دوڑ بند نہ کی تو ہم دوسرا طریقہ اختیار
پر مجبور ہو جائیں گے۔"

انسپکٹر کامران مرزا یہ سن کر فکر مند ہو گئے۔۔۔ پھر انہوں
لند آواز میں کہا:

"اور دوسرا طریقہ کیا ہے؟"

"ہمارے پاس ایٹمی پستول موجود ہیں۔ ان پستولوں کے مرکز میں آنے کی دیر ہے کہ تم سب چُر مُر ہو جاؤ گے۔"

"ارے باپ رے۔ تو پہلے کیوں نہیں بتایا تھا کہ تمہارے پاس ایٹمی پستول بھی ہیں۔ ہم بھاگنے کی جرأت بھی نہ کرتے، لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔ اب تو ہم بھاگ نکلے ہیں۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"تو کیا ہوا۔ تم اب بھی رُک جاؤ۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔" دوسرا روبوٹ بولا۔

"بھئی بات دراصل یہ ہے کہ ہم جب ایک بار بھاگ کھڑے ہوں تو ذرا مشکل سے ہی رک سکتے ہیں۔ اب جب تک ہمارے سامنے کوئی رکاوٹ نہ آجائے۔ رُک نہیں سکیں گے۔ یا تو آپ دونوں زیادہ زیادہ تیز رفتاری کا مظاہرہ کریں اور ہمارے آگے آ کر ہمارا راستہ روک لیں۔ یا پھر کسی پہاڑ یا دریا کو ہمارے آگے آ جانے دیں۔ پھر ہم خود بخود رُک جائیں گے۔" آفتاب بولا۔

"بھئی واہ! کتنی زبردست ترکیب ہے۔" فرحت خوش ہو کر بولی۔

"اور مزے کی بات یہ کہ زبردست ترکیب دشمن کو بتا رہی ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔" آصف نے منہ بنایا۔

"تمہاری اس لاحول سے یہ روبوٹ نہیں بھاگنے کے۔" یہ بولا



بھوت ہیں میاں۔" محمود ہنسا۔

"باتوں میں مصروف ہو کر تم لوگوں کی رفتار کم ہو جائے گی۔ بس بھاگنے سے کام رکھو۔" فرزانہ جل بھن کر بولی۔

"اچھا مسٹر بھاگنے۔ اب ہم صرف تم سے کام رکھیں گے۔" فاروق بولا۔

"تم لوگ یوں نہیں مانو گے۔ میں پستول نکال رہا ہوں۔" روبوٹ نے گرج کر کہا۔

"ارے باپ رے۔ اب ہم کیا کریں۔" محمود گڑبڑا گیا۔

"بھاگتے رہو۔ یہ ہم پر پستول استعمال نہیں کر سکتے۔" انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بولے۔

"کیوں استعمال نہیں کر سکتے۔" دوسرے روبوٹ نے بُرا مان کر کہا۔

"اس لیے کہ تم لوگوں کو یہ ذمے داری سونپی گئی تھی کہ ہمیں بڑے باس سے ملا لائیں۔ اس کا مطلب ہے، ہم لوگوں کو زندہ سلامت حالت میں واپس پہنچانا تمہارے لیے بہت ضروری ہے۔ پھر بڑے باس تو ہمیں اپنی تنظیم میں شامل کرنے کے بارے میں غور کر رہے ہیں۔"

"اوہ!" دونوں روبوٹوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹالبو۔ یہ لوگ بھاگ کر جائیں گے بھی کہاں۔"

آخر کو یہی تھکیں گے ۔ ہم تو تھکیں گے نہیں ۔ جب یہ تھک کر
چور ہو جائیں گے تو پھر ہم انہیں پکڑ کر لے چلیں گے ۔ آگے
یوں بھی جھیل ہے ۔ اس جھیل کے پاس پہنچتے ہی ان کا راستہ
رُک جائے گا ۔ پھر یہ لوگ کہاں جائیں گے ۔"

"کیا کہا ۔ آگے جھیل ہے ۔" فرزانہ بوکھلا کر بولی ۔

"ہاں ! تمہارا اگلا ساتھی تمہیں غلط سمت میں لے آیا ۔"

ٹابو ہنسا ۔

"انکل ۔ آپ سُن رہے ہیں ۔" محمود بولا ۔

"ہاں بھئی ۔ واقعی مجھ سے غلطی ہو چکی ہے ۔" انسپکٹر جمشید
کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی ۔

"تب پھر ۔ دائیں طرف مڑ چلیے نا ۔" فاروق نے کہا ۔

"نہیں ۔ اب جو ہو گا ۔ دیکھا جائے گا ۔" انسپکٹر جمشید
سے بولے ۔

وہ پندرہ منٹ تک مسلسل دوڑتے رہے ، پھر انہوں نے
جھیل کے پانی کی آواز سنی ؛

"لیجیے ۔ جھیل آ گئی ۔ اب جو ہو گا ، دیکھ لیجیے گا ۔" فاروق
نے منہ بنایا ۔

"ہاں دیکھ لیں گے ۔ تم لوگوں کو اگر موقع ملے تو درختوں پر
چڑھنے کی کوشش کرنا ۔ ہم روبوٹوں کا مقابلہ کریں گے ۔"



"ان کے پاس ایٹمی پستول ہیں ۔ آپ لوگ کس طرح مقابلہ
کریں گے ۔"

"دیکھا جائے گا ۔"

اب جھیل کا کنارا ان کے سامنے تھا ، ان کے دوڑتے قدم
رک گئے ۔ وہ روبوٹوں کی طرف مڑے ، ایسے میں انسپکٹر جمشید
سے بولے ۔

"محمود ۔ اپنا چاقو مجھے دے دو ۔"

"جی چاقو ۔" محمود حیرت زدہ لہجے میں بولا ۔

"ہاں بھئی چاقو ۔ وقت نہ ضائع کرو ۔" انہوں نے جھلا کر کہا ۔

محمود فوراً جھکا اور چاقو نکال کر انہیں دے دیا ۔

"کیا آپ ایٹمی پستول کا وار اس چاقو سے روکیں گے ۔" فرزانہ
نے بوکھلا کر کہا ۔

"نہیں ۔ لیکن شاید یہ کچھ کام آ ہی جائے ۔" انہوں نے
مسکرا کر کہا ۔

اتنے میں دونوں روبوٹ بھی ان کے قریب پہنچ گئے ۔

"اب کیا پروگرام ہے ۔" ایک روبوٹ نے ہنس کر کہا ۔

"مقابلہ ۔ ہم سے مقابلہ کرو ۔ ہمیں شکست دو اور اپنے باس
کے پاس لے جاؤ ۔"

"ٹھیک ہے ۔ ہم مقابلہ کریں گے ، ہم جانتے ہیں کہ تم نے

مُوبُو کو توڑ پھوڑ دیا تھا۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہو سکے گا۔"

"کیوں! ایسا کیوں نہیں ہو سکے گا یہاں۔" فاروق نے

سے پوچھا۔

"اس لیے کہ اب ہم ہوشیار ہیں، مُوبُو کو تم لوگوں کا

اندازہ نہیں تھا۔ ہم تمہارے بارے میں بہت کچھ جان گئے

دوسرے یہ کہ یہاں پاس بھی نہیں ہے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ تم اب ہوشیار ہو۔" آفتاب

ہو کر بولا۔

"سنبھلو۔ ہم آ رہے ہیں۔"

انہوں نے ایک ساتھ ان سب پر چھلانگ لگائی۔ وہ

کر اِدھر اُدھر بھاگے۔ اور پھر انہوں نے ایک دائرے

صورت اختیار کر لی۔ روبوٹ دائرے کے اندر آ گئے۔

"میں نے تم لوگوں سے کہا تھا کہ موقع ملتے ہی درختوں

چڑھنے کی کوشش کرنا۔" انسپکٹر جمشید نے محمود وغیرہ سے کہا۔

"لیکن ابّا جان! ہم درختوں پر چڑھ کر کیا کریں گے۔

رہ کر ہم آپ کی مدد تو کر سکیں گے۔"

"نہیں، تم چوٹ کھا جاؤ گے۔" وہ غرائے۔

"جی بہت بہتر۔ ہم اوپر چڑھ جاتے ہیں۔" محمود سہم

پھر ان سے بولا:



"آؤ بھئی اوپر چڑھیں۔"

اتنی دیر میں روبوٹ دوسری مرتبہ چھلانگیں لگا چکے تھے۔

ان نے پھر اِدھر اُدھر کو جا کر اپنی جانیں بچائیں۔ یہ ایک ہولناک

ت تھی۔ ان میں سے کوئی بھی کسی وقت روبوٹوں کی زد میں

سکتا تھا اور زد میں آنے کی دیر تھی کہ اس کا کچومر نکل جاتا۔

روبوٹوں نے محمود وغیرہ کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ وہ

ں بڑھ بڑھ کر ان چاروں پر حملے کر رہے تھے۔ لہذا وہ چھ

چھ الگ الگ درختوں پر چڑھنے لگے۔

ایک بار جو بچنے کے لیے انسپکٹر جمشید نے چھلانگ لگائی تو

ں جھیل کے کنارے پر گرے اور اس کے اندر اُلٹتے اُلٹتے بچے۔

رے یہ منظر دیکھنے والوں کی چیخیں نکل گئیں۔

"کیا بدتمیزی ہے۔ پُرسکون رہو۔" انسپکٹر جمشید جھلّا کر

لے۔

عین اسی وقت انسپکٹر کامران مرزا بھی کنارے کے عین اوپر

ے اور جھیل میں گرتے گرتے بچے۔ منور علی خان اور خان رحمان

ز کنارے سے دُور تھے۔ وہ یہ محسوس کر چکے تھے کہ روبوٹ ان

طرف کم ہی توجہ دے رہے ہیں۔ ان کا اصل نشانہ تو دراصل

سپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا بن رہے ہیں۔ اب جو انہوں نے

وں کو عین کنارے پر دیکھا تو دونوں روبوٹ ہنسے اور ایک نے

بلند آواز میں کہا:

"خوب۔۔ اب بچ کر کہاں جاؤ گے۔۔ یا تو ہمارے ہاتھ لگو
گے یا پھر جھیل میں گرو گے۔"

"آؤ۔۔ دیکھا جائے گا۔" انسپکٹر جمشید نے گویا انہیں للکارا۔

دونوں نے ایک ساتھ ان پر چھلانگیں لگائیں۔ درمیانی فاصلہ
اس قدر کم تھا کہ روبوٹ سیدھے ان پر ہی گر سکتے تھے اور وہ اِدھر
اُدھر نہیں کھسک سکتے تھے۔ یہی دیکھ کر روبوٹوں نے سوچے سمجھے
بغیر ان پر چھلانگیں لگا دیں اور پھر درختوں پر موجود نئی پود ان
منور علی خان اور خان رحمان نے ایک حیرت ناک منظر دیکھا۔

دونوں روبوٹ ان کے اوپر گرنے کی بجائے سیدھے جھیل کی
طرف جا رہے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے ایک زوردار چھپاکا ہوا۔ ان
انہوں نے روبوٹوں کو پانی کی تہہ میں جاتے دیکھا۔ انسپکٹر جمشید اور
انسپکٹر کامران مرزا دراصل اسی خیال کے تحت قلعے سے جھیل کی
طرف آئے تھے۔ کیونکہ ان دونوں سے نجات کی انہیں صرف ایک
صورت نظر آئی تھی کہ انہیں جھیل کی طرف کھینچ لایا جائے اور کسی طرح
جھیل میں پھینک دیا جائے۔ ورنہ تو وہ انہیں شکست دے
سکتے تھے اور خود ان کے ہاتھوں زخمی ہو جاتے یا ہلاک ہو جاتے۔

جس وقت دونوں روبوٹوں نے چھلانگ لگائی۔ اس سے صرف ایک
سیکنڈ پہلے سوچے سمجھے پروگرام کے تحت انہوں نے خود کو



گرا کر کروٹیں لے لی تھیں اور بس۔ اس سے زیادہ انہیں کچھ
نہیں کرنا پڑا تھا۔ روبوٹ اگر جھیل میں نہ گرتے، تب بھی وہ زمین
پر ہی گرتے۔ وہ پھر بھی بچ جاتے۔

"لیجیے۔ کیا فائدہ ہوا درختوں پر چڑھنے کا۔" اوپر سے فاروق
کی آواز سنائی دی۔

"اور کیا۔ اب پھر نیچے اترو۔" آفتاب نے منہ بنا کر کہا۔

"بھئی اب ہمیں کیا معلوم تھا کہ معاملہ اتنی جلدی نبٹ جائے
گا۔ اب زیادہ سیخ پا ہونے کی ضرورت نہیں۔ نیچے آ جاؤ۔"
انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اور پھر وہ نیچے اُتر آئے۔ فرزانہ نے تو اوپر سے ہی چھلانگ
لگا دی۔ پھر سب جھیل کے کنارے پر جمع ہو گئے اور چاند کی روشنی
میں جھیل کی تہہ میں دیکھنے کی کوشش کرنے لگے۔ روبوٹ انہیں
تہہ میں چپکے ہوئے سے نظر آئے۔ اچانک وہی عجیب و غریب
آواز گونجی۔ جو انسپکٹر کامران مرزا پہلے ہی سن چکے تھے۔ یہ وہی
کروڑوں بلبلوں کا شور تھا۔ انہوں نے روبوٹوں کو اوپر آتے دیکھا۔
ان کی نظریں بھی اُوپر تھیں۔

"ہیلو۔ کیا حال ہے بھئی۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"افسوس۔ ہم جھیل سے نکل نہیں سکتے۔" ایک روبوٹ نے
جواب دیا۔

"اس جمیل کو تم نے کیسا پایا؟"

"خوفناک — کم بخت نیچے ہی نیچے کھینچتی ہے۔" دوسرا بولا۔ اس وقت وہ پھر نیچے جاتے نظر آئے۔

"ان سے تو مل گئی نجات — سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں"

"جنگ کی تیاری — ہم اگر چاہیں تو اس وقت یہاں سے فرار ہو سکتے ہیں اور سرحد کی طرف نکل کر کسی نہ کسی طرح اپنے ملک پہنچ سکتے ہیں — لیکن — اوّل تو ہم ان قیدیوں کے بغیر نہیں جائیں گے جو غلاموں کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور جنہیں اپنے گھروں سے نکلے نہ جانے کتنے کتنے دن بیت چکے ہیں — دوسرے یہ کہ اب ہم سُرخ پنجے سے ٹکرا کر رہیں گے — اس زمین دوز فیکٹری کو تباہ کیے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے اور سب سے ضروری پروفیسر داؤد کا خط ہے — وہ حاصل کر کے رہیں گے۔" انسپکٹر جمشید جلدی جلدی کہتے چلے گئے۔

"لیکن ہم جنگ کی تیاری کس طرح کریں — ہمارے پاس ہے کیا — ہم اتنے بہت سے آدمیوں سے جنگ کس طرح کر سکتے ہیں؟" خان رحمان جلدی سے بولے۔

"کتنے بہت سے لوگوں سے خان رحمان — زمین دوز فیکٹری میں اس وقت پچاس کے قریب باس کے اصل آدمی اور تین روبوٹ موجود ہیں — یا پھر چھوٹا باس اور اگر ہم تیاری کر لیں



تو مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"مگر جمشید — ہمارے پاس ایک پستول بھی نہیں ہے — یہ تو ان روبوٹوں کی مہربانی تھی کہ ہمیں زندہ پکڑ کر لے جانا چاہتے تھے، ورنہ ایٹمی پستولوں کے سامنے ہم کہاں تک ٹک سکتے تھے۔" خان رحمان نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر — کیا تم اس زمین دوز دنیا میں اتنے بے کس اور مجبور لوگوں کو چھوڑ کر چلے جانا پسند کرو گے — سُرخ پنجہ جو دُنیا کو تیسری عالمگیر جنگ کی بھٹی میں جھونک دینا چاہتا ہے — کیا اسے اس کے منصوبے پر عمل کرنے کے لیے چھوڑ جائیں؟" انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

"نہیں — ہم یہ بھی نہیں کر سکتے —" خان رحمان تھکی تھکی آواز میں بولے۔

"ہم یہ بھی نہیں کر سکتے — اور ان کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے، تب ہم کریں گے کیا؟" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"فرار!" فرزانہ بولی۔

"فرار — کیا مطلب —" ان میں سے کئی چونک کر بولے۔

"فی الحال ہمیں یہاں سے فرار ہو جانا چاہیے — ہم شہر میں کہیں چھپ کر آئندہ کے لیے پروگرام ترتیب دے سکتے ہیں۔"

"مجھے یہ ترکیب بہت معقول معلوم ہوتی ہے۔" خان رحمان

جلدی سے بولے۔ "ہمیں کہیں نہ کہیں سے چند پستول حاصل کرنے ہی ہوں گے۔ اس کے بغیر ہم کچھ نہیں کر سکیں گے۔"

"تو پھر چلو۔ کہیں ان لوگوں کو ہمارے اس نئے کارنامے کی خبر نہ ہو جائے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے تیز آواز میں کہا۔

اور وہ سب ایک ساتھ شہر کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔





## سنجیدہ ارے

شہری حدود میں داخل ہوتے ہی انہوں نے بھاگنا بند کر [دیا] اور لمبے لمبے ڈگ بھرنے لگے۔ کسی بھی جگہ انہیں کوئی آدمی [نظر] نہیں آیا تھا۔ وہ چلتے رہے، یہاں تک کہ ایک گلی میں داخل [ہو]ئے۔ انسپکٹر کامران مرزا چونکہ سب سے آگے تھے، اس لیے [ا]نہوں نے یہ معلوم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، وہ کہاں [جا] رہے ہیں۔ ابھی گلی میں داخل ہوئے ہی تھے کہ ٹھٹھک کر رک [ج]انا پڑا۔ گلی میں تین پولیس مین کھڑے تھے۔ انہیں وہاں دیکھ [ک]ر ان کے دل دھک کرنے لگے۔ یہ کس قدر عجیب بات [تھ]ی کہ پورے شہر میں کوئی شخص بھی کسی سڑک پر نظر نہیں آ رہا تھا اور اس گلی میں تین پولیس والے موجود تھے۔ وہ الٹے [ق]دموں پیچھے ہٹ آئے۔

"ہم اس گلی میں دوسری طرف سے داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے سرگوشی کی۔

"کیا اس گلی میں علی واقدی کا گھر ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! ان حالات میں ہم اور جا بھی کہاں سکتے ہیں، ہم
نے یہی سوچا تھا کہ اس کے گھر میں پناہ لی جائے اور اس وقت
تک یہاں چھپا جائے، جب تک ہم کسی قابل نہیں ہو جاتے۔"

"اور آپ نے بالکل درست سوچا تھا — آئیے — دوسری طرف
سے گلی میں داخل ہوں۔" انہوں نے کہا۔

چکر کاٹ کر وہ گلی کے دوسرے سرے پر پہنچے اور پھر دم بخود
سے رہ گئے — یہاں بھی تین پولیس والے موجود تھے — فوراً
پیچھے ہٹ آئے۔

"حیرت ہے — اس گلی میں آخر کیا بات ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"اور ہمارا علی واقدی کے گھر میں داخل ہونا بہت ضروری ہے
ورنہ ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔"

"ابا جان! آپ منہ سے پولیس کی سیٹی کی آواز نکال سکتے ہیں۔"
فرزانہ نے پوچھا۔

"آ گئی ذہن میں کوئی ترکیب۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں — بالکل نکال سکتا ہوں۔"

"تب تو پولیس والوں کو گلی کے موڑ پر سے ہٹایا جا سکتا
ہے۔" اس نے کہا۔

"اوہ — میں سمجھ گیا، تم کیا کہنا چاہتی ہو — ٹھیک ہے۔"



مرزا ہو گا۔"

انہوں نے جلدی جلدی انہیں سمجھایا کہ انہیں کیا کرنا ہے —
پھر وہ خود گلی سے کچھ فاصلے پر پہنچ گئے اور جب انہوں نے
اندازہ لگا لیا کہ ان کے ساتھی چھپ چکے ہوں گے تو انہوں نے منہ
سے سیٹی کی آواز نکالی اور بے تحاشہ دوڑنا شروع کر دیا — فوراً ہی
گلی والے کانسٹیبل حرکت میں آئے اور ان میں سے ایک نے سیٹی
بجا دی، پھر تینوں دوڑتے ہوئے گلی سے نکلے اور اس طرف
لپکے، جس طرف دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دے
رہی تھی — گلی کے دوسرے سرے پر کھڑے کانسٹیبل بھی سیٹی کی
آواز سن کر ان کی طرف دوڑ پڑے — اور پھر گلی سے نکل گئے۔

اب میدان صاف تھا — انسپکٹر کامران مرزا ان سب کو
لے کر فوراً گلی میں داخل ہوئے اور علی واقدی والی بند گلی میں داخل
ہو گئے — انہوں نے آہستہ آہستہ دستک دینا شروع کی — پھر ہاتھ
روک کر بولے:

"محمود — دستک دینے کا کام تم کرو — سنا ہے، تم اس کام
میں بہت ماہر ہو، میں تمہارے ابا جان کو لے آؤں، کیونکہ انہیں
تو معلوم — علی واقدی کا گھر کون سا ہے۔"

"جی بہتر — آپ بے فکر ہو کر جائیں — آپ کے آنے تک میں
دروازہ کھلوا چکا ہوں گا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

اور انسپکٹر کامران مرزا گلی کے اس سرے کی طرف بڑھ
جس طرف سے انہوں نے پہلے داخل ہونے کی کوشش کی تھی
جلد ہی قدموں کی آواز سنائی دی اور انسپکٹر جمشید نمودار ہوئے۔
ایک دبے پاؤں چلتے علی واقدی کے گھر تک پہنچے ــ محمود وا
دروازہ کھلوا چکا تھا اور سب لوگ دروازے کے دوسری طر
موجود تھے ــ یہ دونوں بھی اندر داخل ہو گئے ــ دروازہ بند
لیا گیا ــ۔

" لائٹ آف کر دیں واقدی صاحب ــ کہیں پولیس والے
طرف متوجہ نہ ہو جائیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

" جی اچھا۔" اس نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ لیکن یہ
کیا ہے۔"

" ابھی بتاتے ہیں۔"

وہ اُن کے ساتھ ایک کمرے میں آکر بیٹھ گئے۔

" بات یہ ہے واقدی صاحب ــ ہم ایک دو روز کے
کے گھر میں پناہ لینا چاہتے ہیں ــ صبح سارے شہر کی پولیس ایک
گھر کی تلاشی شروع کر دے گی ــ ہمیں اس بُری طرح تلاش
گا کر کیا بتائیں ــ ان حالات میں آپ بھی خطرے میں گھر سکتے
لہذا سوچ لیجیے ــ آپ پناہ دے سکتے ہیں یا نہیں ــ لیکن انکار کرنے
سے پہلے یہ سوچ لیجیے گا کہ ہم سب مسلمان ہیں ــ اور ایک



ے سے دو چار ہیں ــ ہم اس خطرے کو دور کرنے کے لیے سردھڑ
ازی لگائے ہوئے ہیں۔ ایک طرف پورا شہر ہے اور ایک طرف
ں آدمی ہیں ــ ہمیں کیا خطرہ درپیش ہے اور ہم کیا کرنے کا ارادہ
ہیں، یہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا ــ پہلے تو آپ اپنا فیصلہ
ئیے۔"

" پناہ تو میں پہلے بھی دے چکا ہوں ــ اب بھی کیا انکار
لگا ــ اسے آپ اپنا ہی گھر سمجھیے ــ لیکن یہ بتا دینا میں
ں سمجھتا ہوں کہ جس وقت سے آپ لوگ یہاں سے گئے
پوری گلی کے ایک ایک گھر کی بار بار تلاشی لی جا چکی ہے ــ
ں کا خیال ہے کہ آپ لوگ یہیں کہیں چھپے ہوئے ہیں "

" اوہ ــ تو اسی لیے باہر کانسٹیبل موجود تھے۔" انسپکٹر جمشید
ز سے نکلا۔

" جی کیا مطلب ؟"

" گلی کے دونوں سروں پر تین تین کانسٹیبل موجود تھے۔"

" پھر ــ آپ کس طرح داخل ہوئے۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

" انہیں چکمہ دینا پڑا۔"

" اوہ ــ اس طرح تو خطرہ اور بڑھ گیا ہے ــ جب انہیں کوئی
ے گا تو پھر یہاں آ موجود ہوں گے اور سوچیں گے کہ بیٹی کس
ئی تھی ــ اور ایک بار پھر تلاشی لی جائے گی۔"

" ہاں ! اس کا امکان ہے ۔ آپ سوچ لیجیے ۔ ہم آپ ک

مجبور نہیں کریں گے ۔"

علی واقدی واقعی سوچ میں ڈوب گیا ۔ آخر اس

سر اٹھا کر کہا :

" ٹھیک ہے ۔ جان رہے یا جائے ۔ میں آپ لوگوں

ضرور دوں گا ۔"

" بہت بہت شکریہ ۔ آپ بھی فکر نہ کریں ۔ ہم ا

لوگوں کی حفاظت کے لیے اپنی جانیں تک دینا پسند کر

نسپکٹر کامران مرزا نے جذبات سے لبریز آواز میں کہا

نے مختصر طور پر اسے حالات بتائے ۔

" اب ہمیں یہ جائزہ لینا ہے کہ تلاشی کی صورت میں ہم

کریں گے ۔ کس طرح ان کی نظروں سے بچیں گے ۔" انسپکٹر

" اور یہ بھی کہ پستول کس طرح حاصل کریں گے ۔" ا

بول اٹھا ۔۔۔

" یہ بعد کی بات ہے ۔ پہلا کام تو پولیس کی نظروں

محفوظ رہنا ہے ۔"

انہوں نے سارے گھر کا جائزہ لیا ۔ کوئی ایسی جگہ نظر

جہاں چھپا جا سکتا ۔ گھر صرف دو کمروں کا تھا ۔ ان

کے علاوہ ایک چھوٹا سا باورچی خانہ اور ایک غسل خانہ



پر بھی چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی ۔ البتہ اندرونی کمرے میں

رکھنے والی ایک بڑی سی پیٹی ضرور موجود تھی ۔

" کیا خیال ہے ۔ خطرے کے وقت ہم اس پیٹی میں نہ چھپ

" فرحت بولی ۔

" اگر انہوں نے پیٹی کھلوا کر دیکھ لی تو کیا ہو گا ۔" فرزانہ نے کہا ۔

" خطرہ تو مول لیا جا چکا ہے ، اب اس سے کیا ڈر ۔ اگر

نے پیٹی کھلوا کر دیکھ ہی لی تو پھر ہم بھی ان سے ٹکرا جائیں

" محمود بولا ۔

آخر سب نے اس پر اتفاق کیا ۔

" واقدی صاحب ۔ آپ لوگ آرام کریں ۔ اب ہم خود ہی

لیں گے ۔ ہاں پیٹی والا کمرہ ہمیں دے دیں ۔ اگر تلاشی لینے

ے پولیس والے اندر آ جائیں تو پہلے انہیں بیرونی کمرہ دکھائیں

س کمرے میں لائیں ، اس وقت تک ہم خود کو پیٹی میں بند

ہوں گے ۔"

اچھی بات ہے ۔"

تھوڑی دیر بعد وہ سب پیٹی والے کمرے میں بیٹھے باتیں

ے تھے :

سب سے پہلے ہمیں یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ ہم کہاں کھڑے

انسپکٹر جمشید نے گفتگو شروع کی ۔

"علی واقدی صاحب کے گھر میں۔" فاروق بول اٹھا۔
"لیکن یہاں ہم کھڑے کب ہیں — یہاں تو ہم بیٹھے ا
آفتاب نے اسے گھورا۔ کمرے میں زیرو کا بلب جل رہا تھا۔
"ٹھہرو بھئی۔ خدا کے لیے اپنی زبانوں کو لگام دے
ایسا نہ ہو، ہم کام کی باتوں پر غور بھی نہ کر سکیں۔" انسپکٹر جمشید
کر بولے، پھر انہوں نے سب کو ایک نظر دیکھتے ہوئے کہا
"ہمارے پیشِ نظر اہم کام صرف اس زمین دوز فیکٹ
تباہ کرنا ہی نہیں ہے — اس ریاست کی موجودہ حکومت
اُلٹنا بھی اہم ہے — ورنہ ایسی فیکٹری تو پھر تیار ہو جا
اس حکومت کو ختم کر کے پوری دنیا کے سامنے یہ حالات
ضروری ہے — اور سُرخ پنجہ کی گرفتاری ان سب کاموں
ضروری ہے — کیونکہ اس راہ پر اسی نے ان ملکوں کو لگایا
اور یہ سب کام ایسے نہیں جنہیں ہم دس آدمی کر سکیں۔
داخل ہو کر اسے تباہ کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں۔
بے شمار رکاوٹیں ہیں۔ حکومت کا تختہ اُلٹنے کے وسائل ہمارے
موجود نہیں — سُرخ پنجہ جس عمارت میں موجود ہے، ہم
عمارت تک پہنچ تو سکتے ہیں — اس میں داخل نہیں ہو سک
وہ ایک محل نما عمارت ہے — مضبوط ترین عمارت ہے او
کے اندر داخل ہونے کا راستہ شاید صدر دروازے کے علاوہ او



نہیں — فرض کیا، ہم کسی طرح اندر داخل ہو جاتے ہیں — تب
سُرخ پنجہ پر ہاتھ ڈالنے کا مسئلہ رہ جاتا ہے — وہ تو لہروں
ذریعے غائب ہے — ہم کس طرح جان سکتے ہیں کہ وہ کہاں
جود ہوگا — سچ تو یہ ہے کہ میں اس موقع پر پروفیسر داؤد کی
ورت بہت زیادہ محسوس کر رہا ہوں — اور انہیں ساتھ نہ لا کر
نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔" انسپکٹر جمشید کی آواز میں پریشانی
رہی تھی۔
"ایک منٹ جمشید — اس موقع پر میں ایک بات کہنا چاہوں
خان رحمان بولے۔
"ہاں ضرور — کیوں نہیں۔" وہ بولے۔
"حالات کا جائزہ لیتے ہوئے بعض اوقات کچھ باتیں ناممکن یا
مشکل نظر آتی ہیں — لیکن جب انسان میدانِ عمل میں کود پڑتا
تو صورتِ حال بالکل مختلف ہوتی ہے۔"
"ہاں! تم بالکل ٹھیک کہتے ہو — ہم میدانِ عمل میں ضرور کودیں
— لیکن مشکلات کا اندازہ لگانا بھی بہت ضروری ہے — جو
دشمن کی طاقت کا اندازہ لگائے بغیر میدانِ جنگ میں کود جاتے
وہ شکست کھا جایا کرتے ہیں — یہ اور بات ہے کہ ہم انہیں
کتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے جواب دیا۔
"ایک تجویز میں بھی پیش کروں گی۔ دشمن کی طاقت کو

نیست و نابود کرنے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کے مرکز پر
کاری ضرب لگائی جائے ۔ اس سارے جھگڑے کا مرکز سُرخ پنجہ
ہے ۔ کیوں نہ ہم پہلے اس کی طرف توجہ دیں ، اگر ہم نے اس
پر قابو پا لیا تو پھر باقی کام آسان ہو جائیں گے ۔" فرزانہ پُر اعتماد
لہجے میں کہتی چلی گئی ۔

" اس وقت معاملہ تین حصوں میں بٹا ہوا ہے ۔ گویا دشمن کی
طاقت تین جگہوں پر تقسیم ہے ۔ ایک حکومتی مشینری ، دوسرے
زمین دوز دنیا ، تیسرے سُرخ پنجہ ۔ تینوں حصے اپنی اپنی جگہ
مقابلے پر مضبوط اور طاقت ور ہیں ۔ مرکز ۔ اگر سُرخ پنجہ کو مان
بھی لیا جائے ۔ اور ہم اسے ختم بھی کر دیں تو بھی باقی دو حصے
نمٹیں پڑیں گے ۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے ۔

" لیکن ۔ ہمیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہو گا ۔" محمود بولا ۔

" ارے !" فاروق چونک کر بولا ۔

" خدا کے لیے اپنے ارے کو اپنے پاس ہی رکھو ۔ اس وقت
ہم بہت ہی زیادہ سنجیدہ گفتگو کر رہے ہیں ۔"

" لیکن یہ ارے بھی کچھ کم سنجیدہ نہیں ہے ۔" فاروق کھوئے
کھوئے لہجے میں بولا ۔

" اچھا چلو تشریح کرو اس ارے کی ۔" انسپکٹر کامران مرزا
مسکرائے ۔



" ہم پروفیسر ہامان کو تو بھول ہی گئے ۔ اس کے اس ریاست
میں پہنچنے کی اطلاع ملنے پر ہی تو ہم یہاں آئے تھے ۔ وہ تو یہاں
کہیں بھی نظر نہیں آیا ، یہاں تک کہ زمین دوز دُنیا میں بھی نہیں ، جس
کا انتظام اس کے دوست پروفیسر شلجان کے ہاتھ میں ہے ۔"

" تم نے واقعی سنجیدہ بات کہی ۔ لیکن اس وقت ہمارا مسئلہ
پروفیسر ہامان نہیں ۔ وہ کہیں بھی ہو ، ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ۔
ہو سکتا ہے اس نے یہاں آ کر گمنامی کی زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا ہو ،
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سُرخ پنجے نے اسے کوئی گھاس نہ ڈالی ہو
اور وہ مایوس ہو کر واپس چلا گیا ہو ۔ میرا خیال ہے ، ہمیں
پروفیسر ہامان کے سلسلے میں اپنے ذہن کو اُلجھانے کی ضرورت نہیں ۔"
انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا ۔

" میرا بھی یہی خیال ہے ۔"

" اگر آپ دونوں کا یہی خیال ہے تو باقی لوگ کیا دم مار سکتے
ہیں ۔" فاروق نے کندھے اُچکائے ۔

پھر وہ سب سوچ میں ڈوب گئے ۔ ہر کوئی یہ سوچنے لگا کہ اب
انہیں کیا کرنا چاہیے ۔ ایسے میں دروازے کی گھنٹی نے انہیں چونکا
دیا ۔ انہوں نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا ۔

" جلدی کرو ۔ پیٹی میں داخل ہو جاؤ ۔"

انہوں نے اپنی وہاں موجودگی کے آثار مٹائے اور پھر پیٹی کا

ڈھکنا اٹھا کر باری باری اس میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔
پھر انہوں نے بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز سنی:

"پیچھے ہٹو: ہمیں اس گھر کی تلاشی لینا ہے۔"

"لل۔ لیکن ۔ کس لیے۔ جناب۔" انہوں نے علی واقدی کی کپکپاتی آواز سنی۔

"ہمیں شک ہے۔ یہاں روڈان کے قاتل چھپے ہوئے ہیں۔"

"نن۔ نہیں جناب۔ یہاں کوئی بھی نہیں چھپا ہوا۔"

"ہٹو! ہم خود دیکھیں گے۔"

انہوں نے بھاری قدموں کی آواز سنی۔ پہلے بیرونی کمرے کی تلاشی لی گئی۔ پھر اندرونی کمرے کی باری آئی۔

"اس پیٹی میں کیا ہے؟"

"یہ لحافوں کی پیٹی ہے۔" علی واقدی بولا۔

"اسے کھول کر دکھاؤ۔"

اور پھر پیٹی کا ڈھکنا اٹھا دیا گیا۔ وہ ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ پولیس کانسٹیبل خوف زدہ انداز میں اچھلے اور ایک دو نے اس بری طرح ٹکرائے کہ گر پڑے۔ ابھی بمشکل اٹھ پائے تھے کہ انہوں نے پیٹی سے باہر چھلانگیں لگا دیں اور ان پر ٹوٹ پڑے۔ وہ بے چارے بھلا ان کے مقابلے پر کہاں ٹک سکتے تھے۔ آن کی آن میں بے بس ہو گئے۔ یہ کل چھ تھے۔ ان میں ایک سب انسپکٹر



تھا۔ باقی کانسٹیبل تھے۔ سب انسپکٹر کے پاس پستول موجود تھا۔ ان پر انسپکٹر جمشید نے قبضہ کر لیا اور ان پر تانتے ہوئے بولے:

"اپنی وردیاں اتار دو۔"

"کک۔ کیا مطلب۔"

"وردیاں اتارنے کا مطلب وردیاں اتارنا ہی ہوتا ہے۔ ...ھنا ہرگز نہیں ہوتا۔" آفتاب بولا۔

"لیکن کیوں۔ ہم وردیاں کیوں اتاریں۔"

"بس ہماری مرضی۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

آخر انہیں وردیاں اتارنا پڑیں۔ علی واقدی نے بستر کی کچھ چادریں مہیا کر دیں۔ یہ چادریں کانسٹیبلوں کو جسموں پر لپیٹنے کے لیے دے دی گئیں۔ وہ بہت حیران تھے کہ یہ ان کے ساتھ ہو کیا رہا ہے۔ اس کے بعد ان کے ہاتھ پیر باندھے گئے۔ پھر ہر ایک کے منہ میں ایک ایک رومال ٹھونسا گیا اور منہ اوپر سے باندھ دیے گئے۔ اب وہ نہ ہل جل سکتے تھے اور نہ شور مچا سکتے تھے۔

انہیں اسی پیٹی میں ڈال دیا گیا اور ڈھکنا تھوڑا سا اوپر اٹھا رہنے دیا گیا، تاکہ انہیں ہوا ملتی رہے۔

"اب تم لوگ یہاں آرام کرو گے دوستو۔ اور ہم تمہارے کپڑے پہنیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے شوخ آواز میں کہا۔

"لیکن ابا جان۔ ہم دس آدمی چھ وردیاں کس طرح پہن سکتے ہیں؟"

آفتاب بولا ــــ

" ہر آدمی صرف ایک چیز پہنے گا ــ یا قمیض ــ یا پتلون ــ اس طرح تو ایک جوڑا بچ جائے گا۔" فاروق نے ان کی بجائے جواب دیا۔

" تم نے جواب سن لیا آفتاب۔" فرحت مسکرائی۔

" ہاں ــ سن لیا ــ اسے کہتے ہیں کورا جواب۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

" اب کیا پروگرام ہے۔" خان رحمان جلدی سے بولے۔

" ہم چاروں ان وردیوں کو اپنے جسموں پر سجا کر شہر کی گشت کے لیے نکل سکتے ہیں ــ یہ دو وردیوں کے ساتھ گھر ہی میں رہیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

" شکریہ! ہم یہ اپنے ساتھ رکھ کر کیا کریں گے ــ آپ انہیں لے جائیے گا اپنے ساتھ ــ لیکن آپ جائیں گے کہاں۔" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

" ابھی تک کچھ اندازہ نہیں لگا سکے۔"

" میرا خیال ہے، ہم انہیں بھی اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں ــــ" منور علی خان نے کچھ سوچ کر کہا۔

" انکل! آپ کے منہ میں گھی شکر ــ ذرا بتائیے تو کس طرح!" آصف خوش ہو کر بولا۔

" ہم یہ ظاہر کر سکتے ہیں جیسے ہم تمہیں گرفتار کر کے کہیں لے جا رہے ہیں۔" وہ بولے۔



" بھئی واہ ــ کتنی سادہ ترکیب ہے۔" محمود نے فوراً کہا۔

" خیر خیر ــ تم لوگ بھی ہمارے ساتھ چلنا ــ لیکن سوال تو یہ ہے کہ ان چار قیدیوں کے ساتھ علی واقدی اور ان کے گھر والے گھبرائیں گے نہیں؟"

" نہیں ــ آپ فکر نہ کریں ــ ہم اتنے بزدل نہیں ہیں ــــ ہاں آپ سے یہ درخواست ضرور ہے کہ آپ لوگ واپس ضرور آئیے گا جلد۔"

" آپ فکر نہ کریں۔"

اور وہ گھر سے نکلے۔ علی واقدی نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

" لیکن ہم نے ابھی تک یہ فیصلہ تو کیا ہی نہیں کہ جانا کہاں ہے۔"

" ہم ایک عدد ڈاکا ڈالنے جا رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے ــــ

" جی ــ کیا فرمایا ــ ڈاکا!" وہ بوکھلا کر بولے۔

" ہاں! کوئی اسلحے کی دکان لوٹیں گے ــــ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

" اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

گھومتے پھرتے وہ شہر کی ایک مارکیٹ تک پہنچ گئے ــــ

انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا خان رحمان اور منور علی خان اب
وردیوں میں تھے۔ اس لیے انہیں کوئی الجھن محسوس نہیں ہو رہی
تھی۔ آخر ایک دکان پر اسلحہ ڈیلر کا بورڈ نظر آیا۔

"یہی ہے وہ دکان۔ جس پر ہمیں ہاتھ صاف کرنا ہے۔" انسپکٹر
جمشید نے دبی آواز میں کہا۔

دکان کا تالا کھولنے میں انہیں چند منٹ لگے۔ اندر داخل
ہوئے تو پوری دکان جدید اسلحے سے بھری پڑی تھی۔ انہوں نے
بہترین قسم کے پستول پسند کیے۔ چند رائفلیں بھی لیں اور گولیوں
کے ڈبے اپنی جیبوں میں ٹھونسے اور باہر نکل آئے۔ دروازہ بند
کر کے تالا لگایا گیا اور آگے بڑھے۔

"کیا خیال ہے۔ پہلے زمین دوز دنیا سے کیوں نہ نبٹ لیا جائے
اس وقت سب لوگ سو رہے ہوں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"سو تو خیر نہیں رہے ہوں گے۔ روبوٹ اور وہاں موجود
پچاس آدمیوں کو ضرور گڑبڑ کی اطلاع ہو گئی ہو گی، شاید پروفیسر شہلا
بھی وہاں پہنچ چکا ہو گا۔" منور علی خان نے خیال ظاہر کیا۔

"ہاں، ہو سکتا ہے یہی بات ہو۔ انسپکٹر جمشید۔ ابھی ابھی
میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے۔ اور میرا خیال ہے۔ وہ بات
بہت زور دار ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"تو پھر بتائیے نا۔"



انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے اور پھر انسپکٹر جمشید کے کان کے ساتھ
منہ لگا کر کچھ کہنے لگے۔ باقی سب نے انسپکٹر جمشید کی آنکھوں میں
چمک لہراتے محسوس کی۔ آخر ان کا منہ ہٹ گیا اور وہ بولے:

"تم لوگ پرانے قلعے کی طرف چلو۔ ہم بھی وہیں پہنچ رہے
ہیں۔ ہمارے پہنچنے تک قلعے سے باہر ہی موجود رہنا اور پوری طرح
ہوشیار رہنا۔"

"لیکن آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"ابھی کچھ نہ پوچھو، جو کہا ہے، اس پر عمل کرو۔" انسپکٹر جمشید
نے منہ بنایا۔

اور وہ سب قلعے کی طرف چل کھڑے ہوئے، جب کہ انسپکٹر
جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔
کم از کم ان دونوں کے لیے منزل نامعلوم نہیں تھی۔

# فرزانہ کا خیال

"کیا خیال ہے، انکل اور انکل کہاں گئے ہیں۔" آصف نے
کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔

"انکل اور انکل کہنے کی کیا ضرورت تھی، تم دونوں بھی کہہ سکتے
تھے۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

"چلو اس میں کیا حرج ہو گیا ہے۔ ہاں تو کہاں گئے دونوں
انکل ہ؟" آصف مُسکرایا۔

"شاید سرخ پنجے سے دو دو ہاتھ کرنے۔" محمود نے کہا۔

"میں ایسا نہیں سمجھتی۔" فرزانہ نے انکار میں سر ہلایا۔

"تو پھر کیا سمجھتی ہو؟" فرحت بولی۔

"اگر ہم پورے حالات اور واقعات کا بغور جائزہ لیں تو فوراً
اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کہاں گئے ہیں۔" فرزانہ نے پُر اسرار ان
میں کہا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے تم بغور جائزہ پہلے ہی لے چکی ا



اور اندازہ بھی لگا چکی ہو۔" آفتاب نے اس کی طرف بغور دیکھا۔

"تمہارا اندازہ بالکل صحیح ہے۔" فرزانہ نے شوخ لہجے میں کہا۔

"تو پھر بتاؤ نا — وہ کہاں گئے ہیں۔" آصف بے چین ہو کر بولا۔

"کیوں بتاؤں — تم لوگ بھی عقل رکھتے ہو، تمام حالات اور
واقعات بھی تمہیں معلوم ہیں — اندازہ لگاؤ۔" فرزانہ بولی۔

"کیا تم ہمارے ساتھ انکل منور علی خان اور انکل خان رحمان کو
بھی چیلنج کر رہی ہو۔" فاروق نے شریر انداز میں کہا۔

"نہیں! میں اتنی بے وقوف نہیں کہ اپنے سے بڑوں کو چیلنج
کروں — میرا خیال ہے کہ انہوں نے تو اندازہ لگا بھی لیا ہے۔"
ں نے کہا۔

"بھئی فرزانہ — سچ تو یہ ہے کہ میں کوئی اندازہ قائم نہیں کر سکا۔"
نور علی خان بے چارگی کے عالم میں بولے۔

"اور میں بھی نہیں — دراصل جاسوسی معاملات میں تمہارا ذہن
چلتا ہے — ہمارا نہیں۔" خان رحمان بولے۔

"تب تو مجھے بتانا پڑے گا — تاکہ آپ دونوں اُلجھن کا شکار
ہوں۔"

"نہیں! ہم بھی دماغ لڑانا چاہتے ہیں — تم ابھی نہ بتاؤ۔"
نور علی خان بولے۔

"بہت بہتر!" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

اور وہ سب سوچ میں گم ہو گئے۔ یہاں تک کہ قلعے کے سامنے
پہنچ گئے، لیکن کوئی اندازہ نہ لگا سکے۔

"کیوں بھئی — کوئی اندازہ لگا سکا یا نہیں۔" خان رحمان نے
ہنس کر پوچھا۔ کوئی نہ بولا — سب فرزانہ کو گھور کر رہ گئے۔

"ہمیں یہاں نہیں کھڑے ہونا چاہیے — آئیے درختوں کی اوٹ
لے لیں۔"

قلعے کے ارد گرد درخت بہت کم تھے اور کافی فاصلے
پر تھے — انہوں نے ایک ایک درخت کی اوٹ لے لی اور ان کا
انتظار کرنے لگے۔

"کسی نے سچ ہی کہا ہے — انتظار موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ
ہے۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"تو پھر چھوڑیے انتظار وِنتظار کو — آئیے زمین دوز دُنیا میں
چلیں۔" محمود نے کہا۔

"کیسے چلیں — پتا نہیں جمشید اور کامران مرزا کا کیا پروگرام ہے
اور پھر بھلا ہم زمین دوز دُنیا میں کس طرح پہنچ سکتے ہیں۔"

"یہ کیا مشکل ہے — ہمیں بس اس کمرے میں جا کر بیٹھنا
ہو گا — نیچے والوں کو خود ہی خبر ہو جائے گی — وہ اس کمرے کا
دروازہ تو بند کر دیں گے — اور سرنگ والا دروازہ کھول دیں گے۔"

"لیکن اُن کے بغیر جانا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہو گا۔ دا...



انہوں نے کیا سوچا ہے۔" منور علی خان نے کہا۔

"تو پھر انتظار کی زحمت گوارا کرنا ہو گی۔" آصف نے کندھے
اچکائے —

آخر خدا خدا کر کے انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا آتے
نظر آئے —

"ابا جان! ہم یہاں ہیں۔" محمود نے سرگوشی کی۔ آواز سُن کر
دونوں ان کی طرف آ گئے —

"سنو بھئی — پروگرام یہ ہے کہ ہم سب زمین دوز دُنیا میں
جائیں گے — قلعے کے کمرے کا دروازہ بند کرنے کے لیے نیچے سے
لازماً کوئی ضرور اُوپر آتا ہو گا — لہٰذا ہم میں سے دو اس دروازے
کے آس پاس ہی موجود رہیں گے اور دیکھیں گے کہ دروازہ کون بند
کرتا ہے — پھر ہمارے دستک دینے پر وہ دروازہ کھول دیں گے —
ہماری واپسی کا انتظار کریں گے۔" انسپکٹر جمشید آتے ہی بولے۔

"آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ دونوں گئے کہاں تھے۔" آصف
بولا —

"تو تم لوگ اندازہ نہیں لگا سکے — جب کہ ہمارا خیال تھا — تم
اندازہ لگانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"صرف فرزانہ اندازہ لگانے میں کامیاب ہوئی ہے — لیکن اس
نے ہمیں کچھ نہیں بتایا — اب پتا نہیں اس کا اندازہ درست ہے یا غلط۔"

"میں انکل کے کان میں بتا دیتی ہوں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اوہ ضرور ضرور۔" انسپکٹر کامران مرزا خوش ہو کر بولے
فرزانہ نے آگے بڑھ کر ان کے کان میں کچھ کہا، دوسرے ہی
ان کی آنکھیں پھیل گئیں، پھر انہوں نے انسپکٹر جمشید سے کہا:

"بھئی کمال ہے — فرزانہ نے تو سو فیصد درست اندازہ
ہے۔"

"یہ ایسے اندازے لگانے کی ماہر ہے۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا

"تو تم کیوں جلے جا رہے ہو۔" فرزانہ مسکرائی۔

"میں کیوں جلنے لگا — جلنے کے لیے تمہاری جوتی کیا کم ہے"
اس سے پہلے کہ فرزانہ کوئی جواب دیتی، انہوں نے ہاتھ اٹھا
کر سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بولے:

"وقت بہت کم ہے — یہ بتاؤ — باہر کون ٹھہرے گا۔"

"جیسے آپ مناسب سمجھیں۔"

"میرا خیال تو یہ ہے کہ آفتاب اور فاروق کو باہر چھوڑ دیا جا
اس طرح ہم لوگ ان کی باتوں سے تو محفوظ رہیں گے۔"

فرزانہ کا خیال سُن کر دونوں نے بُرے بُرے سے منہ
لیکن باقی لوگ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے — اور پھر انسپکٹر کامران مرزا
بولے:

"مجھے فرزانہ کے خیال سے اتفاق ہے — یہ دونوں یہاں رہیں گے



اس کمرے کے دروازے کے آس پاس۔ تمہیں دیکھنا ہے کہ آنے
کدھر سے آتا ہے۔ یا دروازہ بند کر کے کدھر سے واپس جاتا
— اور کس طرح۔"

"جی بہتر — ہم ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔" فاروق نے کہا۔

"تو پھر خدا حافظ — مناسب جگہ کا انتخاب کرنا تمہارا کام ہے۔
یہ ضرور کہوں گا — ذرا ہوشیار رہنا — کہیں کام خراب نہ ہو جائے۔"

"آپ فکر نہ کریں — ہم پوری طرح ہوشیار رہیں گے۔"

اور وہ قلعے میں داخل ہوئے — پھر اس کمرے میں پہنچ گئے
فاروق اور آفتاب باہر رہ گئے — انہوں نے اس کمرے سے
فاصلے پر ایک تاریک گوشہ اپنے لیے پسند کیا —

"میرا خیال ہے — ہمیں خاموش ہی رہنا چاہیے۔" فاروق دبی
میں بولا —

"یہ نیک خیال شاید میں زندگی میں پہلی بار تمہارے منہ سے
سن رہا ہوں۔" آفتاب نے مسکرا کر کہا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے، آخری بار سن رہے ہو اور میں پھر کبھی
ال نہ پیش کروں۔" فاروق نے بھی شوخ لہجے میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے — خاموش رہنا بہت ضروری ہے — کیونکہ آنے والا
آوازیں سن کر ٹھٹھک سکتا ہے۔" آفتاب نے کہا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کوئی شخص دروازہ باہر سے بند کرنے کے

لیے نہ آتا ہو اور یہ کسی مشینی طریقے سے بند کیا جاتا ہو۔"

"اگر یہ بات ہو گی تو ہمیں معلوم ہو ہی جائے گا — ہم دروا
کے سامنے ہی تو موجود ہیں۔"

"شاید ہم نے ابھی ابھی یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہم خاموش رہیں
گے —" فاروق چونک کر بولا۔

"ہاں! خیر ہم بول کب رہے ہیں۔" آفتاب نے کہا۔

"اور کیا — خاموشی تو — شش — شش —"

فاروق نے ہونٹ بھینچ لیے — آفتاب نے بھی کسی ک
پاؤں چلنے کی آواز سُن لی تھی — پھر ایک سایہ دروازے
نمودار ہوا اور اس نے اس پھرتی سے دروازہ بند کیا کہ دونوں
رہ گئے — پھر باہر سے چٹخنی لگا کر وہ ایک سمت میں مڑا اور
چل پڑا —

دونوں پُرجوش انداز میں دیوار سے لگ کر اس کی طرف
بڑھنے لگے — اس کی رفتار زیادہ نہیں تھی، اس لیے انہیں اسے
میں رکھنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی — جلد ہی انہوں نے جان
کہ اس کا رُخ قلعے کے پچھلے حصے کی طرف ہے۔ اس کے تعاقب میں
میں چلتے وہ گھنی جھاڑیوں کے ایک جھنڈ تک پہنچ گئے — اس کے ا
میں ایک رائفل تھی — رائفل کی مدد سے اس نے جھاڑیوں کو ہٹایا
اور پھر ان جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ انہوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ



دیکھا، لیکن وہ کہیں بھی نظر نہیں آیا۔

"یار اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔" آفتاب بولا۔

"عجیب احمق ہو — بھلا آسمان بے چارہ کیسے آسکتا تھا اسے نگلنے کے
لیے، جب کہ زمین پہلے ہی تیار تھی۔" فاروق نے بھنا کر کہا۔

"تت — تم — تم نے مجھے عجیب احمق کہا ہے۔" آفتاب غرایا۔

"شکر کرو — غریب احمق نہیں کہا۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

"ہیں — تمہیں — مزا چکھاؤں گا۔" اس نے دونوں ہاتھوں کو مکوں
کی صورت میں لاتے ہوئے کہا۔

"کیا کہا — مزا چکھاؤ گے — اے میاں جاؤ — بڑے آئے کہیں
کے مزا چکھانے والے — بہت دیکھے ہیں میں نے تم جیسے مزا
چکھانے والے۔" فاروق نے بڑے بوڑھوں کے انداز میں ہاتھ نچایا۔

"اچھا — یہ بات ہے — تو پھر یہ لو۔" یہ کہتے ہی آفتاب نے
اس کے منہ پر دے مارا — لیکن اس کے تیزی سے پیچھے ہٹنے کی
سے اس کا مکا خالی گیا۔

"لاؤ — کیا دے رہے تھے۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے
میں کہا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر آفتاب نے اس پر چھلانگ لگائی،
بھی اچھلا — اور ایک درخت سے ٹکرا گیا — درخت کی ٹکر اسے
آگے لے آئی۔ نتیجہ یہ کہ دونوں دھڑام سے گرے اور گتھم گتھا ہو

گئے۔۔ اچانک آفتاب کو خیال آیا :

" ارے ۔۔ انکل نے تو کہا تھا کہ پوری طرح ہوشیار رہنا ۔ کیا ...
پوری طرح ہوشیار اس طرح رہا جاتا ہے۔"

" پتا نہیں ۔ تم نے ہی شروع کیا تھا یہ ۔۔" فاروق نے منہ بنایا ...

" تو تمہیں مجھے عجیب احمق کہنے کی کیا ضرورت تھی۔" آفتاب ...
بھنا کر کہا۔

" اچھا بھائی معاف کر دو ۔۔ آئندہ کبھی تمہیں عجیب احمق نہیں
کہوں گا ۔۔ خاص ضرورت پڑی تو صرف احمق کہہ لوں گا۔" فاروق ...
نے سچے دل سے اقرار کیا۔

" خیر خیر ۔ پھر کسی موقع پر سمجھوں گا تم سے ۔۔ اس وقت اس طرح
میں لڑنے کا وقت نہیں ہے۔" آفتاب نے اسے چھوڑتے ہوئے کہا ...

" میرا بھی یہی خیال ہے۔" فاروق نے بھی اسے چھوڑ دیا۔

دونوں کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ...
جگہ کو بغور دیکھنے اور وہاں ایک نشان لگانے کے بعد واپس
لوٹے ۔۔

" کیوں نہ ہم دروازہ کھول کر دیکھ لیں ۔۔ شاید وہ ابھی سرنگ
میں داخل نہ ہوئے ہوں۔" فاروق نے تجویز پیش کی۔

" یہ ٹھیک رہے گا۔" آفتاب جلدی سے بولا۔

اور دروازے پر پہنچ کر انہوں نے اسے کھول دیا ۔۔ انہوں ...



... نے دیکھا ، سرنگ والا دروازہ کھل چکا تھا ۔۔ اور ان کے ساتھی
... کمرے میں نہیں تھے :

" شاید وہ ابھی زینے پر ہیں ۔" یہ کہہ کر آفتاب تیزی سے
... ۔۔ فاروق بھی اس کے پیچھے تھا ۔۔ دونوں زینے پر پہنچ کر
... ساتھ بولے :

" ٹھہریے ۔۔ پہلے ہماری بات سن لیجیے۔"

نیچے والوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا ۔۔ پھر انسپکٹر
... جمشید بولے :

" انسپکٹر کامران مرزا ۔۔ آپ ان کی بات سن لیں ۔۔ ہمارا رکنا کسی
طرح بھی مناسب نہیں۔"

" ہاں ! یہ ٹھیک ہے۔" انہوں نے کہا اور واپس مڑے ۔۔ اب وہ
... ان کی طرف بڑھ رہے تھے ۔۔ پھر وہ ان کے ساتھ کمرے سے
... آئے ۔۔

" ہاں بھئی اب بتاؤ۔"

" ایک شخص نے آکر دروازہ باہر سے بند کیا تھا ۔۔ ہم نے اس
کا تعاقب کیا ۔۔ آئیے آپ کو بھی وہ جگہ دکھا دیں۔"

" ویری گڈ ! یہ کام کیا ہے تم نے۔" انہوں نے خوش ہو کر کہا
قلعے سے باہر نکل کر وہ پچھلی سمت میں چل پڑے ۔ چاند کی
روشنی میں انسپکٹر کامران مرزا کی نظریں ان کے جسموں پر پڑیں تو

وہ چونک اُٹھے :

" کیا تم زمین پر لوٹ لگاتے رہے ہو ؟"

" جی ۔۔ جی ہاں ! ہم نے یہ کام بھی کیا تھا۔" آفتاب ہکلایا۔

" لیکن کیوں ؟" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

" فاروق نے مجھے عجیب احمق کہہ دیا تھا ، بس ہم دونوں جھگڑ پڑے۔" آفتاب نے بتایا۔

" اوہ ! یہ بہت بُری بات ہے ۔ لڑائی جھگڑا شریفوں کا کام نہیں ، تم اسے عجیب بے وقوف کہہ دیتے ، اس میں لڑنے کی کیا بات تھی۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

" جی بس غلطی ہو گئی۔" آفتاب بے چارگی کے عالم میں بولا۔

" لیکن انکل ۔ ہم دونوں کی جھڑپ تھی بہت دلچسپ ، مجھے افسوس تو یہ ہے کہ اس جھڑپ کو دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔" فاروق مُسکرا کر بولا۔

" اوہو ۔ معلوم ہوتا ہے ، تم نے آفتاب کی پٹائی کر دی"

انسپکٹر کامران مرزا مُسکرائے۔

" جی نہیں ۔ یہ بات نہیں ۔ دونوں نے برابر کا مقابلہ کیا تھا۔" فاروق بولا۔

" بھئی اگر دوسروں کو دکھانے کی اتنی ہی خواہش ہے تو یہ مقابلہ سب کے سامنے طے رہا۔" آفتاب نے جل کر کہا۔



" مجھے منظور ہے ۔ کیوں انکل ۔" فاروق بولا۔

" ہرگز نہیں ۔ اس طرح رنجش پیدا ہو گی۔" انہوں نے کہا۔

اتنے میں وہ اس جھنڈ تک پہنچ گئے ۔ انہوں نے بھی جھاڑیوں کو ہٹایا ۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک پختہ زینہ نیچے جا رہا ہے ۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ، سیڑھیاں اترنے لگے ۔ یہ ایک پتلی سی سرنگ تھی ۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ سرنگ ضرور بڑی ...ک کے ساتھ ساتھ زمین دوز دُنیا تک جاتی ہو گی ۔ ان کے ...ں اب تیزی سے دھڑکنے لگے تھے ۔ قدم تیز تیز اُٹھنے لگے ۔ ... سرنگ میں ان کی ملاقات کسی روبوٹ سے نہ ہوئی ۔ تقریباً پچیس ...ٹ تک مسلسل چلنے کے بعد سرنگ ختم ہوتی نظر آئی ۔ ایک ...لا دروازہ ان کی نظروں کے سامنے تھا ۔ اُنہوں نے جیبوں میں ...ڈال دیے اور دروازے کی طرف بڑھے ۔

* * *

سیڑھیوں سے نیچے اُتر کر وہ دروازے کی طرف بڑھے ۔ ...ہی نزدیک پہنچے ، دروازہ کُھل گیا ۔ ساتھ ہی ایک فائر ہوا اور ...ل روبوٹ کی آنکھ میں لگی ۔ شیشے کے ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھر ...ر رہ گئے ۔ پہلے فائر کے ایک سیکنڈ بعد ہی دوسرا فائر ہوا

اور گولی اس کی دوسری آنکھ میں لگی۔ اب روبوٹ اندھا ہو چکا
اس نے اندھوں کی طرح ہاتھ اٹھائے اور ان کی طرف بڑھا،
"تم اب بھی میرے ہاتھ سے نہیں بچ سکتے۔" اس نے
کر کہا۔

انسپکٹر جمشید نے تیسرا فائر اس کے پیٹ پر کیا۔ یہ
اچٹ کر ان کی طرف آئی۔ وہ پہلے ہی یہی اُمید کر رہے
فوراً جھک گئے۔ اب روبوٹ ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تاہم
نظر کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ ہاتھ اِدھر اُدھر گھمانے لگا۔ یہ
اُدھر بھاگے۔ اندھا ہو جانے کے باوجود بھی وہ ان سب
لیے انتہائی خطرناک تھا۔ انسپکٹر جمشید نے پیروں سے دھمک
کر کے اسے اپنی طرف متوجہ کیا، وہ تیزی سے اس طرف بڑھا
سرنگ کی دیوار سے ٹکرا گیا۔

"کیوں نہ اس کے کان میں گولی ماری جائے۔" محمود چلّا کر بولا

"ہاں ٹھیک ہے۔ خان رحمان۔ یہ کام تم کرو گے۔"
جلدی سے بولے۔

"اچھا!" انہوں نے کہا اور پستول سے نشانہ لے کر فائر کیا
لیکن اس سے پہلے ہی روبوٹ اپنے دونوں ہاتھ دونوں کانوں
رکھ چکا تھا۔ گولی اس کے ہاتھ پر لگی اور اچٹ کر خان رحمان
کی طرف آئی اور ان کے سر پر سے گزر گئی۔ روبوٹ کا قد ان



ت کافی لمبا تھا۔

انسپکٹر جمشید نے پھر دھمک پیدا کی۔ روبوٹ پھر ان کی
ف مڑا اور تیزی سے بڑھا۔ اس بار اس کے صرف ہاتھ دیوار
ٹکرائے۔ کیونکہ وہ پہلے بھی چوٹ کھا چکا تھا۔ ادھر خان رحمان
تھے، جونہی اس نے کانوں پر سے ہاتھ ہٹائے، اُنہوں نے
کے کان پر فائر جھونک مارا، پھر چکر کاٹ کر دوسرے کان
طرف آئے، لیکن اتنی دیر میں روبوٹ اُن کی طرف گھوم گیا تھا۔
تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔ خان رحمان کی کمر دیوار سے جا لگی،
گھبرا کر بولے:

"جمشید۔ مجھے اس سے بچاؤ۔"

انسپکٹر جمشید پریشان ہو گئے۔ خان رحمان بُری طرح روبوٹ
زد میں تھے۔ ایسے میں فرزانہ کا ہاتھ حرکت میں آیا۔ اس کے
ہاتھ میں پستول تھا۔ اس نے روبوٹ کی کمر پر نظر جماتے ہوئے
فائر کیا۔ اس فائر کے ساتھ ہی ایک خوفناک دھماکا ہوا۔
روبوٹ میں آگ لگ گئی۔ وہ دھڑا دھڑ جلنے لگا:

"آؤ۔ اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔" انسپکٹر جمشید
لائے۔

وہ دروازہ عبور کر کے دوسری طرف آئے۔ انسپکٹر جمشید نے
روازے کے آس پاس نظریں دوڑائیں تو انہیں چند بٹن لگے نظر آئے۔

وُہ سمجھ گئے کہ سرنگ اور زینے کا دروازہ ان بٹنوں سے کھلتا اور بند
ہوتا ہے۔ اب وُہ سب تیزی سے آگے بڑھے۔ روبوٹ ابھی تک
دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔ لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ سرنگ میں
دُھواں چھت کے ساتھ لگتا اور غائب ہوتا جا رہا تھا۔

تقریباً دوڑتے ہوئے وُہ دوسرے دروازے تک پہنچے، اس
بار سب پہلے ہی تیار تھے، پہلی ہی باڑھ میں دونوں روبوٹوں کی
آنکھیں ضائع ہو گئیں۔ فائر انسپکٹر جمشید، خان رحمان، منور علی خان
اور محمود نے کیے تھے۔ جونہی وہ ان کی طرف بڑھے، یہ جھکائیاں دے
کر ان کی کمر کی طرف گئے۔ فاروق اور فرزانہ نے فائر کرنے میں
دیر نہ لگائی۔ دوسرے ہی لمحے دونوں روبوٹ دھڑا دھڑ جل
رہے تھے۔

"کم از کم روبوٹوں سے تو پیچھا چھوٹا۔" خان رحمان پُرسکون
لہجے میں بولے۔

"ہوائی فائر کرو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ انہوں نے ایک
ساتھ فائر کیے۔ فائروں کی گونج نے پوری زمین دوز دُنیا میں گو
پیدا کر دی۔ سونے والے ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے۔ اور ان میں
بھگدڑ مچ گئی۔ جب لوگ ان کی طرف آئے تو انسپکٹر جمشید
چلا کر بولے:

"لوگو! تمہیں آزادی مبارک ہو۔ دروازے کھلے ہیں۔ فوراً باہر



طرف دوڑ لگا جاؤ اور قلعے کے باہر پہنچ کر ہمارا انتظار کرو۔ اگر
نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو سب مارے جاؤ گے،
ونکہ تم نہیں جانتے۔ کس طرف جانا ہے اور کیا کرنا ہے۔ یہ
م ہم کریں گے، تم لوگوں کو اپنے اپنے مُلک پہنچائیں گے۔ تم اپنے
ی بچوں اور ماں باپ کو دیکھ سکو گے۔ اپنی زندگی کے باقی دن
کے ساتھ گزار سکو گے۔ چلو شاباش۔ جلدی کرو۔"

ان کے الفاظ کیا تھے۔ مُردہ تنوں میں زندگی کی لہر۔ یہ لہر
کے اندر بھر گئی اور وُہ بے ہنگم شور مچاتے دروازے کی طرف
پڑے۔ اُنہوں نے انہیں راستہ دے دیا۔ پھر خود اپنے ساتھیوں
ے کر باس کے کمرے کی طرف بڑھے۔

دروازے کے ساتھ پہنچ کر وُہ رُک گئے۔ یہاں اب کوئی نگران
ں تھا۔ شاید پروفیسر شلجان نے کانگو کے بعد کسی کو رکھنے کی
رت محسوس نہیں کی تھی۔ انہوں نے دروازے پر دستک دی،
ں دروازہ نہ کھلا۔ پھر انہوں نے زور لگا کر دروازہ توڑ دینا چاہا۔
ن وہ اس کوشش میں بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ عین اس وقت انہوں
ے برابر والے کمرے میں ایک دھماکے کی آواز سُنی۔

# اسلحے کی فصل

انہوں نے دیکھا ، وہ کمرہ آلات سے بھرا پڑا تھا۔ ان آلات
کے سامنے تین آدمی بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ان
منہ آلات کی طرف تھے ـــ دروازے کی طرف ان کی کمر تھی
لیے انہیں ان کی آمد کا پتا نہ چل سکا۔ تینوں دروازے سے چپک
کر کھڑے ہو گئے ۔ انہوں نے سُنا ، ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔

" دو روبوٹوں کی گم شدگی نے پروفیسر شلجان کو حواس باختہ کر
دیا ہے ۔ وہ فوری طور پر بڑے باس سے ملنے چلے گئے ہیں ـــ کیونکہ
روبوٹوں کے ساتھ جن لوگوں کو بھیجا گیا تھا ، وہ بھی واپس نہیں آئے
اب نہ صرف ان لوگوں کو تلاش کرنا ہے ، بلکہ یہ بھی معلوم کرنا ہے
روبوٹوں پر کیا گزری۔"

"ہو سکتا ہے ، ان کی مشینری میں کوئی خرابی واقع ہو گئی ہو"
دوسرے نے خیال ظاہر کیا۔

" یہ بھی ہو سکتا ہے ، لیکن زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ ان



لوگوں نے کہیں روبوٹوں کو توڑ پھوڑ نہ دیا ہو ، کیونکہ پروفیسر شلجان
کے کمرے میں وہ پہلے کانگو اور پھر مُوبُو کا بیڑہ غرق کر چکے ہیں۔"

" اس زمین دوز دُنیا اس قسم کا یہ پہلا حادثہ ہے ـــ ورنہ یہاں
لوگ دم بھی نہیں مارتے ، روبوٹ کو دیکھ کر ہی لوگ حواس باختہ
ہو جاتے ہیں۔" تیسرے نے کہا۔

"شاید یہی خوش فہمی پروفیسر شلجان کو مار گئی ہے ـــ ان کا
خیال تھا کہ یہ زمین دوز دُنیا ناقابلِ تسخیر ہے ، اس کا کوئی کچھ نہیں
بگاڑ سکتا ، بال بھی بیکا نہیں کر سکتا ـــ ان کے خیال میں بھلا
روبوٹوں سے کون ٹکر لے سکتا تھا اور پھر یہ روبوٹ بھی جدید قسم
کے تھے ـــ ان سے پہلے جتنے بھی روبوٹ دُنیا کے سائنس دانوں
نے بنائے ہیں ۔ یہ ان سب میں زیادہ تیز ، پھرتیلے اور ذہین ہیں ،
اچھل کود بھی سکتے ہیں ، لمبی لمبی چھلانگیں لگانا تو گویا ان کے بائیں
ہاتھ کا کھیل ہے ـــ اس کے باوجود پروفیسر شلجان کے کمرے
میں وہ لوگ مُوبُو کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے ۔ کانگو بیچارہ
تو ایک وار میں ہی ڈھیر ہو گیا جس پر پروفیسر کو سب سے زیادہ
بھروسہ تھا ـــ" پہلا کہتا چلا گیا۔

"یقیناً وہ لوگ بھی کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں ـــ اس بار
شاید کچھ غلط لوگ اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں ،
کیونکہ یہاں تو صرف بزدلوں کو داخل کیا جاتا ہے ـــ میں تو حیران

ہوں کہ مُوبُو کی شکست کے بعد پروفیسر نے ان لوگوں کو دو روبوٹوں کے ساتھ کیوں بھیج دیا تھا، شاید اس نے سوچا ہو گا کہ وہ لوگ دو روبوٹوں سے نہیں لڑ سکیں گے۔"

"ہوں۔۔ اسی لیے تو پروفیسر شلجان بڑے باس کے پاس بھاگ گئے ہیں۔۔ ارے۔۔ میں ذرا ارد گرد کے حالات کا جائزہ تو لے لوں۔ کہیں کسی طرف کوئی گڑبڑ نہ ہو۔" یہ کہہ کر درمیان والے نے ایک سوئچ دبا دیا۔۔ فوراً ہی دیوار پر لگی سکرین روشن ہو گئی اور اس پر سرنگ کا منظر صاف نظر آنے لگا۔۔ یہ دیکھ کر وہ اچھل پڑے کہ سرنگ کے بیرونی حصے میں ایک روبوٹ بُری طرح جل رہا تھا:

"ارے۔۔ اِسے کیا ہوا؟"

"باقی دو کی خبر لو۔۔" پہلا چیخا۔

درمیان والے نے ایک ناب گھمائی۔ اب سرنگ کے اندرونی حصے کا منظر ان کے سامنے تھا، یہاں دو روبوٹ بے تحاشہ جل رہے تھے۔۔ اور لوگ دھڑا دھڑ سرنگ کی طرف دوڑ رہے تھے۔

"اف خدا۔۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔" تیسرا بوکھلا کر بولا۔

درمیان والے نے ناب کو اور گھمایا۔۔ اب اس کے سامنے پروفیسر شلجان کے کمرے کا بیرونی منظر تھا، یہاں اس نے سات آدمیوں کو دروازے پر زور لگاتے دیکھا:



"اوہ! یہ تو وہی لوگ ہیں۔۔ یہاں تک پہنچ گئے یہ۔۔ میں ابھی
ن کا بندوبست کیے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے ایک بٹن دبانے
ارادہ کیا ہی تھا کہ انسپکٹر کامران مرزا نے سرد آواز میں کہا:

"خبردار۔۔ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا۔"

یہ آواز سنتے ہی دو نے مڑ کر دیکھا، لیکن تیسرے نے بٹن دبانے
کوشش کر ہی ڈالی، لیکن اس سے پہلے کہ وہ دبانے میں کامیاب
جاتا، ان کے پستول سے ایک گولی نکلی اور اس کی کمر میں پیوست
گئی۔۔ گولی چلنے کا دھماکا بہت زور دار تھا، باقی دو نے فوراً
اوپر اُٹھا دیے۔۔ درمیان والا کمر کے بل فرش پر گرا اور تڑپنے
۔۔ انہوں نے سکرین کی طرف دیکھا تو انسپکٹر جمشید اور ان کے
ساتھی دھماکے کی آواز سُن کر چونکتے نظر آ رہے تھے۔۔ انہوں نے
آواز میں کہا:

"انسپکٹر جمشید۔۔ ہم ادھر ہیں۔۔ دوسرے کمرے کی طرف۔
ں آجائیے۔"

انہوں نے ان لوگوں کو وہاں سے ہٹتے دیکھا، جلد ہی وہ
کے پاس پہنچ چکے تھے اور کمرے کا منظر دیکھ کر حیران ہو
ہے تھے۔

"اگر ہم عین وقت پر یہاں نہ پہنچ جاتے تو آپ سب لوگ
تھے۔۔ یہ کوئی بٹن دبانے ہی والا تھا۔" فاروق نے تھر تھر کانپتی

آواز میں کہا۔

"اوہ!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"ہاں بھئی۔ پروفیسر شلجان کے کمرے کا دروازہ کس طرح کھلے گا۔ جلدی بتاؤ۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"وہ اندر نہیں ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہم جانتے ہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ دروازہ کس طرح کھلے گا۔"

"سامنے دیوار پر جو بٹنوں کی قطار نظر آ رہی ہے، اس کا تیسرا بٹن دبانے سے دروازہ کھل جائے گا۔"

"اگر یہ غلط ہوا تو تم دونوں زندہ نہیں بچ سکو گے۔" انسپکٹر جمشید غرائے۔

"یہ غلط نہیں ہے۔"

"تو پھر چلو۔ تم ہی دباؤ۔" انہوں نے کہا اور اس نے بٹن دبا دیا۔ سکرین پر انہوں نے دروازہ کھلتے دیکھا۔ ساتھ ہی ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔

"یہ آواز کیسی تھی؟" فرزانہ چونک کر بولی۔

"دروازہ کھلنے کی۔ یہ آواز اس دروازے میں خاص طور پر پیدا کی گئی ہے۔ تاکہ پروفیسر شلجان خبردار رہیں۔ لیکن اس وقت تو وہ ہیں ہی نہیں۔" پہلے نے کہا اور نہ جانے کیوں مسکرانے لگا۔



"لیکن تم مسکرا کیوں رہے ہو؟"

"میں یہ سوچ کر مسکرا رہا ہوں کہ پروفیسر شلجان اس زمین دوز دنیا کو ناقابلِ تسخیر کہا کرتے تھے، لیکن اسے چند لوگوں نے درہم برہم کر کے رکھ دیا۔" اس نے فوراً کہا۔

"تم کچھ چھپا رہے ہو۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

آخر وہ انہیں ساتھ لے کر پروفیسر شلجان کے کمرے میں داخل ہوئے۔ انسپکٹر جمشید نے اندر داخل ہونے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ میز پر رکھی وہ بوتل اٹھالی جس میں نیلے رنگ کا سیال مادہ نظر آ رہا تھا۔

"اس بوتل میں کیا خاص بات ہے انکل؟" آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"بعض اوقات میں معمولی چیزوں کو زیادہ اہمیت دیا کرتا ہوں۔ بس میں نے اسے یونہی اٹھا لیا ہے۔" انہوں نے کہا، پھر وہ ان دونوں کی طرف مڑے۔

"ہاں تو مسٹر۔ اب تم لوگ سچ سچ بتاؤ۔ وہ ہلکی سی آواز کیسی تھی، کیونکہ جب ہم پہلی مرتبہ اس کمرے میں داخل ہوئے تھے، اس وقت ہم نے دروازہ کھلنے کی کوئی آواز نہیں سنی تھی۔"

"نہ سنی ہو گی۔" ان میں سے ایک نے لاپروائی سے کہا۔

"تو تم نہیں بتاؤ گے۔"

"نہیں!" دوسرا بولا۔

"اچھا تو پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"تم ہمیں نہیں مار سکتے۔ کیونکہ ہمارے بغیر اس زمین دوز دُنیا
میں تم لوگ کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔"

"خیر یونہی سہی۔ ہم ترکیب نمبر دو آزمائیں گے۔ یہ دیکھو
تمہارے دائیں کان کی لو اڑنے والی ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے فائر
کر دیا۔ دوسرے پہلے ہی اِدھر اُدھر ہو گئے تھے۔ اس کے کان
سے خون بہنے لگا، حلق سے نکلنے والی چیخ بہت بھیانک تھی۔

"اب کہو۔ کیا خیال ہے۔ کیا دوسرے کان کی لو بھی اڑا دی
جائے۔"

"ٹھہرو۔ اس بٹن کے دبتے ہی پروفیسر شلجان اور بڑے باس کو
اس ہلکی سی آواز کے ذریعے یہ بات معلوم ہو گئی ہے کہ زمین دوز
میں کوئی خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔"

"اوہ!" اُن کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اس صورت میں یہاں رُکنا خطرناک ہو گا۔" انسپکٹر جمشید
بوکھلا کر بولے۔

"ہاں۔ چلیے چلیں۔"

"لیکن اس سے پہلے ہمیں اس کمرے کی تلاشی لے لینا چاہیے۔"



سپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"ابا جان۔ تلاشی تو ہم بعد میں بھی لے سکتے ہیں۔ شاید
پ پروفیسر داؤد انکل والے خط کی فکر میں ہیں، لیکن میرا خیال ہے
بڑے باس کے محل میں ہو سکتا ہے۔" آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"شاید تمہاری بات ہی ٹھیک ہے۔ خیر تو پھر ہم یہاں سے
ہی چلیں۔ تم دونوں بھی ہمارے ساتھ ہی چلو گے۔ ہاتھ اُٹھائے
آگے چلو۔ ارے ہاں۔ ہم نے اب تک ان کی تلاشی تو لی
نہیں۔"

ان دونوں کی تلاشی لی گئی۔ لیکن کچھ نہ ملا۔ شاید اس
ین دوز دنیا میں کسی کو اسلحہ پاس رکھنے کی اجازت نہیں تھی،
ئے پروفیسر شلجان اور روبوٹوں کے۔ روبوٹ ختم ہو چکے تھے اور
فیسر شلجان اس وقت بڑے باس کے پاس تھا۔ اور شاید ادھر
ئے ہی والا تھا۔

وہ بے تحاشہ دوڑتے ہوئے سرنگ کے دہانے تک پہنچے،
بوٹ ابھی تک اسی رفتار سے جل رہے تھے اور اب تو دیواروں
بھی آگ پکڑ لی تھی۔ زمین دوز دُنیا پوری طرح خالی ہو گئی
۔ غلاموں کے ساتھ شاید آقا بھی نکل گئے تھے۔ وہ پچاس
۔ جو باس کے اپنے آدمی تھے۔ ان کا غلاموں میں شامل
خطرناک تھا۔ یہ سوچ کر انسپکٹر جمشید نے دوڑتے ہوئے کہا:

" نگرانی کرنے والے کیا رات کو یہاں نہیں رہتے ؟"

" نہیں — اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں — صبح جھاڑیوں والے راستے سے اندر آ جاتے ہیں ۔"

" لیکن جھاڑیوں والا راستہ تو بالکل غیر محفوظ ہے — اس طرف سے تو کوئی بھی اندر پہنچ سکتا ہے ۔" فاروق بولا ۔

" تو کیا — جھاڑیوں میں تم لوگوں کا سامنا دو پھنیر سانپوں سے نہیں ہوا تھا ۔"

" دو پھنیر سانپوں سے — " فاروق ہکلایا ۔

" ہاں — وہاں دو پالتو پھنیر سانپ رہتے ہیں — ان کی دُمیں وہاں ایک کیل سے باندھ دی گئی ہیں ، تاکہ اِدھر اُدھر نہ آ جا سکیں ۔ یہ دونوں بالکل بے ضرر سانپ ہیں — کاٹ نہیں سکتے — اور یہ بات صرف اس راستے کو استعمال کرنے والوں کو معلوم ہے ۔"

" لیکن جب ہم اندر داخل ہوئے تو وہاں کوئی سانپ نہیں تھا ۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا ۔

" حیرت ہے — سانپ کہاں چلے گئے ۔" ان میں سے ایک نے حیران ہو کر کہا ۔

" ہو سکتا ہے ، سانپ سو گئے ہوں ۔" آفتاب نے خیال ظاہر کیا ۔

" یہ عجیب بات ہے — وہ کبھی سوتے ہوئے ملے تو نہیں آ



ـت ۔" ایک بولا ۔

" خیر — دیکھیں گے ان سانپوں کو بھی ۔"

وہ دوڑتے ہوئے سرنگ عبور کر گئے ، پھر قلعے سے باہر نکلے ، ہاں سب لوگ موجود تھے :

" کیا تم لوگوں میں نگران موجود نہیں ۔" انسپکٹر کامران مرزا بلند واز میں بولے ۔

" جی نہیں — " انہوں نے سب کو آپس میں گھورتے ہوئے کہا ۔

" تو کیا وہ رات کو زمین دوز دُنیا میں نہیں سوتے ؟" محمود نے پوچھا ۔

" یہ بات ہمیں آج ہی معلوم ہوئی — ورنہ ہم تو یہی سمجھتے تھے وہ رات کو وہیں رہتے ہیں — تاہم ہمیں تو روبوٹوں سے ڈر تا تھا ۔"

" اچھا اب چلو — یہ بات یاد رکھو کہ ابھی ہم سب لوگ خطرے ے باہر نہیں ہیں — بلکہ ایک خوفناک خطرے کی لپیٹ میں ہیں — ں کی آن میں اس پورے شہر کے غنڈے ہم پر ٹوٹ پڑنے والے یں — ہمیں ان سے مقابلہ کرنا ہو گا — آزادی قربانیاں دے کر ہی اصل ہوتی ہے — خان رحمان — اب تم ان کے کمانڈر ہو ۔" انسپکٹر شید بولے ۔

" ٹھیک ہے — لیکن ہم جائیں گے کہاں ؟"

"صرف اور صرف ایک جگہ۔ پرانی جھیل کے کنارے۔" انسپکٹر جمشید
نے بلند آواز میں کہا۔

"جھیل کے کنارے!" ان میں سے کسی ایک کے منہ سے حیرت زدہ
انداز میں نکلا۔

"ہاں، طاقت ور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں وہاں جانا
ہی ہو گا۔" انہوں نے کہا۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے ساتھ آنے
والے دونوں دشمنوں سے کہا:

"ہاں بھئی۔ تم اب کیا کہتے ہو۔ تمہیں یہیں مار کر ڈال دیا
جائے یا تم ہمارا ساتھ دو گے؟"

"ہم۔ ہم آپ لوگوں کا ساتھ دیں گے۔"

"تو پھر تم بھی ہمارے ساتھ بھاگ چلو۔"

ان دونوں کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ لہٰذا ان دونوں
سے کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ ان کے ہاتھ آزاد ہی رہنے
دیے گئے، پھر سب کے سب بے تحاشہ انداز میں دوڑ پڑے
اور جب وہ قلعے والی سڑک سے دُور ہوتے جا رہے تھے تو انہوں
نے شہر کی طرف سے بے شمار جیپوں کو آتے دیکھا:

"جمشید! تم نے میرے ہاتھ میں ایک ناتجربہ کار فوج کی کمان
دے دی ہے۔ بھلا میں اس فوج کو کس طرح لڑاؤں گا۔ جب کہ
آنے والے تجربہ کار اور اسلحے سے لیس ہوں گے۔"



"فکر نہ کرو۔ ان سب کو بھی اسلحہ ملے گا۔"

"کیسے ملے گا۔ کہاں سے ملے گا؟" خان رحمان حیران ہو کر بولے۔

"میں نے کہا نا فکر نہ کرو۔ بس تم انہیں پستول چلانا سکھا
دو چند منٹ کے اندر اندر۔"

"تمہاری باتیں مجھے بہت حیران کر دیتی ہیں۔ اس وقت بھی
حیران ہوں۔ کیا جھیل کے کنارے ہمارے لیے اسلحے کی فصل اُگی
ہے؟" خان رحمان جھلّا کر بولے۔

"ہاں خان رحمان۔ یہی بات ہے۔" وہ مسکرائے۔

"کیا کہا۔ یہی بات ہے۔" خان رحمان چلّا کر بولے۔

"ہاں یہی بات ہے۔ دیکھو خان رحمان۔ تمہارے پاس چند
منٹ ہیں۔ ابھی دشمن کو زمین دوز دُنیا کا جائزہ لینے میں وقت لگے
گا۔" انہوں نے کہا۔ اسی وقت انہیں اپنے ہاتھ میں پکڑی بوتل کا
خیال آ گیا۔

"ارے۔ یہ اب تک میرے ہاتھ میں ہے۔" یہ کہہ کر انہوں
نے اسے جیب میں رکھ لیا۔

"آخر اس میں کیا چیز ہے۔ اسے اٹھا کر لانے کی کیا ضرورت
تھی۔" منور علی خان نے حیران ہو کر کہا۔

"میں نہیں جانتا۔ اس میں کیا چیز ہے۔" وہ بولے۔

"اگر آپ کو معلوم نہیں کہ اس میں کیا ہے، تو پھر اسے اُٹھا

کیوں لیا؟" فرحت بولی۔ ان دونوں کا خیال رکھنا۔ یہ اسلحہ نہ اٹھانے پائیں" انسپکٹر جمشید

"آلات کے درمیان رکھی یہ بوتل مجھے حد درجے عجیب خان رحمان نے چونک کر ان کی طرف دیکھا:

تھی۔ بس میں نے اسے اٹھا لیا۔ اس کی بات چھوڑو۔ "خیر تو ہے جمشید۔ تم اس انداز میں باتیں کر رہے ہو جیسے

خان رحمان۔ تم ان سب لوگوں کو درختوں کے درمیان اس طرح سے کہیں اور جانا ہے"

گے کر آنے والے ان کی زد پر رہیں۔" "ہاں۔ ہمیں دوسرے محاذ کا رُخ کرنا ہے۔ یہاں تم اور منور علی خان

"تم فکر نہ کرو۔ اگر تمہارے کہنے کے مطابق وہاں اسلحہ سنبھالیں گے"

ہے تو میں ان لوگوں کے ساتھ آخر دم تک مقابلہ جاری رکھوں گا۔ اچھی بات ہے۔"

نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ اور رحمان نے ان سب لوگوں کو بتایا کہ پستول کس طرح چلایا

آخر وہ جھیل کے کنارے پہنچ گئے۔ انسپکٹر جمشید اور ا... ہے۔ گولیاں کس طرح بھری جاتی ہیں، نشانہ کس طرح لیا جاتا

کامران مرزا سیدھے ایک سمت میں گئے۔ باقی ان کے پیچھے تھے۔ اور پھر انہوں نے ان سب کو درختوں کے پیچھے چھپا دیا —

وُہ سب ایک جھٹکے سے رُک گئے۔ ان کے سامنے اسلحے کا ایک دشمنوں کو ٹائیوں کے ذریعے باندھ کر انہوں نے اپنے پاس

ڈھیر موجود تھا۔ خان رحمان کی آنکھیں اسے دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ بٹھوا دیا۔

گئیں۔ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا نے درختوں سے دُور قلعے

"کیوں خان رحمان۔ اسلحے کی فصل تیار ہے نا۔" انسپکٹر نے پلٹ کر دیکھا۔ اب کوئی شخص بھی نظر نہیں آ رہا تھا —

مُسکرائے۔ بہت اچھے طریقے سے درختوں کے پیچھے چھپ چکے تھے۔

"میں ایک بار پھر حیران ہوں جمشید لیکن باتوں میں وقت بہت شاندار خان رحمان۔ سنو۔ اس وقت تک تمہاری فوج

ضائع نہیں کروں گا۔ چلو بھئی سب لوگ ایک ایک پستول اور گولیوں یہاں رہے۔ جب تک کہ ضرورت نہ محسوس ہو۔"

کا ایک ایک ڈبا لے لو۔" انہوں نے حکم دیا اور خود بھی پستول "کیا مطلب؟" وُہ چونکے۔

لیا۔ انہوں نے گولیوں کے کئی ڈبے لے لیے۔ مطلب بتائے بغیر ہم یہاں سے نہیں جائیں گے۔ فکر نہ کرو۔"

"بہت پُر اسرار بن رہے ہو۔" خان رحمان نے اُلجھے ہوئے ا... میں ان کی طرف دیکھا۔

عین اسی وقت ہزاروں دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی... انسپکٹر جمشید اور سب لوگ بھی درختوں کی اوٹ میں چلے گئے...

سب لوگ بالکل خاموش رہیں گے — بالکل ساکت۔ ... تک میری آواز بلند نہ ہو، اس وقت تک فائر نہ کیا جائے۔" ان... کی آواز درختوں کے درمیان گونجی۔

تین منٹ بعد ہزاروں آدمی جھیل کی طرف دوڑتے ... ان کے ہاتھوں میں رائفلیں اور پستول لہرا رہے تھے — ات... سے لوگ دیکھ کر خان رحمان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"اف جمشید! ان کی تعداد تو بہت زیادہ ہے۔"

"ہاں! ہم پہلے ہی جانتے تھے کہ بہت بڑی تعداد ہم ... حملہ آور ہو گی۔"

"ل — لیکن — اتنے بہت سے لوگوں سے مقابلہ کرنا تو..." خان رحمان نے کہنا چاہا، لیکن انسپکٹر جمشید نے ان کی بات ک... دی:

"خان رحمان — تم تو ایک فوجی ہو اور ایک فوجی یہ بات ... اچھی طرح جانتا ہے کہ جنگ تعداد اور ہتھیاروں کے بل پر نہیں ... سے جیتی جاتی ہے۔"



"ہاں جمشید! تم ٹھیک کہتے ہو، شاید میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔" انہوں ... دبی آواز میں کہا۔

"نہیں خان رحمان — تمہاری فوج کو یہ خیال بھی نہیں آنا چاہیے — ان کا کمانڈر ایک بوڑھا آدمی ہے — اور تم بوڑھے ہو بھی نہیں —"

اسی وقت دشمن فوج بہت نزدیک آ گئی — جھیل کے کنارے ... کر ان میں سے سب سے اگلے آدمی نے کہا:

"... حیرت ہے — یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے — شاید وہ لوگ شہر کی طرف چلے گئے ہیں۔"

"اس صورت میں بھی وہ بچ کر نہیں جا سکتے — تمام راستے بند کر دیے گئے ہیں۔" ایک دوسری آواز سنائی دی۔

"تو پھر آؤ — انہیں شہر میں تلاش کریں۔"

دشمن فوج کا رُخ شہر کی طرف ہوا ہی تھا کہ سب کے سب ... ٹھٹک کر رہ گئے — شہر کی طرف سے ان گنت لوگ پُرجوش انداز ... دوڑتے چلے آ رہے تھے۔

"یہ — یہ کون لوگ ہیں۔" دشمن فوج کا سردار ہکلایا۔

"زمین دوز دُنیا میں قید لوگ اتنی تعداد میں تو نہیں ہیں —" ... را بولا —

"پھر — پھر — یہ کون ہیں —" سردار نے بوکھلا کر کہا۔

اتنے میں وہ لوگ نزدیک آ گئے — اور نزدیک آتے ہی

انہوں نے لیٹ لیٹ کر پوزیشن لینی شروع کر دی :

"تم لوگ کون ہو؟" سردار نے بلند آواز میں کہا۔

"ہم اس غنڈہ حکومت کے منہ پر ایک طمانچہ ہیں۔" جواب آیا ——

"کیا مطلب —— ہم سمجھے نہیں!"

"میں —— اس گروہ کا لیڈر ہوں —— اور میرا نام کاڈون ہے آج میں اس حکومت کا تختہ الٹ کر رہوں گا —— یہ حکومت اس طر[illegible] کے بغیر ختم کی ہی نہیں جا سکتی۔"

"کاڈون —— کاڈون۔" سینکڑوں آوازیں ابھریں۔ ادھر خان رحمان سب کچھ سمجھ گئے۔ انہوں نے کہا:

"تو آپ دونوں کاڈون کے پاس گئے تھے —— اس سے تمام معاملات طے کیے تھے۔"

"ہاں؛ اور خاص بات یہ ہے کہ ریاست کی فوج بھی کاڈون کے ساتھ ہے —— لیکن صرف نظریات کی حد تک —— اس جنگ میں فوج حصہ نہیں لے گی —— فوج کے حصہ لینے کی صورت میں یہ خطرہ ہے کہ پڑوسی دشمن ملک دخل اندازی کر بیٹھے گا ——"

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے۔

"ہاں —— ہمیں صرف ان غنڈوں کو شکست دینی ہے —— خان رحمان —— تم اور تمہارے ساتھی اس جنگ میں اس وقت کود[illegible]



[illegible]ے —— جب انتہائی ضرورت ہو —— ورنہ نہیں —— کاڈون کو ہم نے سب کچھ سمجھا دیا ہے، ان کی اور اس کے آدمیوں کی کوشش ہو گی کہ ان لوگوں کو کنارے کی طرف ہٹنے پر مجبور کر[illegible]یں —— اور یہ جھیل میں چھلانگیں لگانے پر مجبور ہو جائیں —— تم [illegible]ن لوگوں کو جھیل کی بجائے جنگل کی طرف نہیں بڑھنے دو[illegible]ے تمہیں یہاں اسی لیے مقرر کیا گیا ہے۔" انہوں نے [illegible]ی جلدی کہا۔

"اب میں سمجھ گیا، تم فکر نہ کرو۔" خان رحمان خوش ہو[illegible]ر بولے ——

"تو پھر اب ہم چلتے ہیں۔"

"کیا تم بتاؤ گے —— تم کون سے محاذ پر جا رہے ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں —— ہم سرخ پنجے سے دو دو ہاتھ کرنے جا [illegible]ہے ہیں —— کیونکہ جب تک ہم اسے شکست نہیں دیں گے، [illegible]ں وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے۔" انہوں نے کہا۔

"اچھا —— خدا تمہیں کامیاب کرے ——" انہوں نے کہا اور وہ [illegible]ختوں ہی درختوں کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

ادھر کاڈون کے آدمی برابر کنارے کی طرف رینگ رہے [illegible]ے —— ریاستی غنڈے بھی پوزیشن سنبھالنے لگے —— آخر گولیوں کا [illegible]بادلہ شروع ہو گیا۔ خان رحمان تماشائی بنے رہے —— انہوں نے

دیکھا۔ ریاستی غنڈوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، جب کہ کارڈون کے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی، لیکن ان میں جوش و خروش حد درجے تھا اور یہی جوش انہیں آگے بڑھا رہا تھا۔ فائرنگ اب انتہائی تیزی اختیار کر گئی تھی۔ فائروں کی اس گونج میں مرنے والوں کی چیخوں نے ایک ہولناک سماں پیدا کر دیا تھا۔ اور انہیں پُرانے زمانے کی جنگیں یاد آ رہی تھیں۔ جب جنگیں تلواروں سے لڑی جاتی تھیں۔ سارا سارا دن مجاہد تلوار چلاتے رہتے تھے اور بعض اوقات تو جنگ سُورج غروب ہونے پر بھی نہیں رُکتی تھی۔

جنگ ہر لمحے شدت اختیار کرتی جا رہی تھی کہ خان رحمان چونک اُٹھے۔ ریاستی غنڈوں کا ایک بڑا گروہ جنگل کا رُخ کر رہا تھا۔ شاید ان کے سردار نے انہیں حکم دیا تھا کہ چکر کاٹ کر دشمن کے پیچھے پہنچ جائیں اور ادھر سے حملہ کریں۔ یہ دیکھ کر خان رحمان چوکس ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو ہوشیار ہونے کا اشارا کیا۔ پھر جونہی۔ دشمن ان کی زد پر آیا۔ انہوں نے پہلا فائر داغ مارا۔ ان کے ساتھ ہی ان کے ساتھیوں نے فائر جھونک مارے۔ یہ ناتجربہ کار لوگوں کے فائر تھے۔ لیکن نشانہ چونکہ ایک آدمی کا نہیں۔ ایک گروہ کا لیا گیا تھا، اس لیے اکثر فائر کارگر رہے۔ خان رحمان نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور



دوسرا فائر کیا۔ ان کے ساتھیوں نے بھی دوسری باڑھ ماری اور اس گروہ میں بھگدڑ مچ گئی۔

"شاندار۔" ادھر سے کارڈون چلا کر بولا، لیکن پھر اچانک اس کی چیخ نے فضا کو تھرا دیا۔

# میں یہاں ہوں

بڑے باس کے محل سے کچھ فاصلے پر رُک کر انہوں نے چاروں طرف دیکھا۔ محل میں روشنی ہو رہی تھی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ دونوں باس جاگ رہے ہیں، وُہ سو بھی کس طرح سکتے تھے۔ ان کی زمین دوز دُنیا خطرے میں تھی۔ آس پاس کسی انسان کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

"فاروق! آج تمہاری صلاحیتیں آزمانے کا دن ہے۔" اچانک انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی کیا مطلب؟" فاروق چونک کر بولا۔

"تمہیں اس محل کے اُوپر پہنچنا ہے۔" وہ بولے۔

"ابا جان! یہ محل ہے ۔ کوئی درخت نہیں۔" فاروق بوکھلا کر بولا۔ "اور میں پرندوں کی طرح اُڑنا بھی نہیں جانتا ۔"

"میں یہ سب باتیں جانتا ہوں، اس کے باوجود تمہیں اوپر پہنچنا ہے۔ ورنہ ہم بڑے باس تک نہیں پہنچ سکتے۔" وہ بولے۔



"تو ہم صدر دروازے کے ذریعے باقاعدہ اندر کیوں نہ چلیں۔ جب بڑے باس کو یہ معلوم ہوگا کہ اس کے منصوبے کو درہم برہم کرنے والے اس سے ملاقات کے لیے آئے ہیں تو وُہ بہت خوش ہوگا اور فوراً دروازہ کھول دے گا۔" فاروق نے ترکیب بتائی۔

"لیکن اس طرح ہم پھنس جائیں گے۔" انہوں نے کہا۔

"خیر ۔ پھر فرمائیے ۔ میں اندر کس طرح جا سکتا ہوں ترکیب آپ بتا دیں، اس پر عمل میں کیے دیتا ہوں۔" اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"میں کیوں بتاؤں ترکیب ۔ یہ کام فرزانہ کا ہے۔" وہ بولے۔

"چلو فرزانہ ترکیب بتاؤ۔" فاروق مسکرا دیا۔

"اس کے لیے پہلے مجھے اس محل کا ایک چکر لگانا ہوگا۔"

"تمہیں چکر لگانے کی اجازت ہے۔" وہ بولے۔

"انکل! ہماری طرف آصف بلندیوں پر چڑھنے میں تیز ہے، کیوں نہ آصف کو بھی فاروق کے ساتھ کر دیا جائے ۔" فرحت بول اُٹھی ۔

"اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا ہنسے۔

"تو پھر ابا جان ۔ فرحت بھی تو ترکیبیں سوچنے میں تیز ہے ۔ اسے فرزانہ کے ساتھ کر دیا جائے۔"

"یہ بھی ٹھیک رہے گا۔"

"رہ گئے ہم — ہم لنڈورے ہی بھلے۔" آفتاب بے چارگی کے عالم میں بولا۔

"نہیں بھئی — تم سے بھی کام لیا جائے گا، فکر نہ کرو۔" انسپکٹر جمشید بولے —

"تو پھر میں اور فرحت چکر لگانے کے لیے جاتے ہیں۔"

"ہم میں سے ایک تمہارے ساتھ جائے گا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا —

"تو پھر آئیے۔"

اور وہ تینوں محل کا چکر لگانے کے لیے روانہ ہو گئے —

باقی لوگ وہیں کھڑے رہ گئے۔

"کیا خیال ہے انکل — کوئی ترکیب سوچ سکیں گے۔" آفتاب نے فکر مندانہ لہجے میں پوچھا۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے، ہم تو صبر کے ساتھ انتظار ہی کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کندھے اچکائے۔

انہیں بیس منٹ تک انتظار کرنا پڑا — آخر وہ تینوں آتے نظر آئے۔ ان کے چہرے چمک رہے تھے:

"محل کے پچھلی طرف پانی کا ایک پائپ چھت تک چلا گیا ہے، ہم اس کے ذریعے اوپر جا سکتے ہیں، لیکن چھت بہت زیادہ اونچائی



پر ہے — فاروق اور آصف آج تک اتنے اونچے پائپ پر نہیں چڑھے ہوں گے۔"

"تو کیا ہوا — آج چڑھ جائیں گے۔" آصف جلدی سے بولا۔

"اور کیا — ہم کوئی موم کے بنے ہوئے تو ہیں نہیں۔" فاروق نے کہا —

"تو پھر بسم اللہ کرو — لیکن ہم سب پائپ کے ذریعے اوپر ڑھنا پسند نہیں کریں گے — تمہیں اوپر جا کر نیچے اترنا ہو گا، اور وئی دروازہ کھولنا ہو گا، یہ بھی خیال رہے کہ عمارت میں دونوں س جاگ رہے ہیں، انہوں نے اپنی حفاظت کے لیے کچھ انتظامات ھی کر رکھے ہوں گے۔"

"دیکھا جائے گا — جب اوکھلی میں سر دیا تو موسلوں کا کیا ر۔" فاروق نے کہا۔

آخر سب لوگ پائپ کے نیچے پہنچ گئے — انسپکٹر جمشید نے ٹر نکال کر پائپ سے لگا کر دیکھا —

"اس میں کرنٹ نہیں ہے — بے فکر ہو کر چڑھ جاؤ۔"

"جی بہت اچھا — ویسے میں اس سے پہلے بھی ہمیشہ بے فکر ر کر ہی چڑھتا رہا ہوں — کیونکہ فکر کیا نہیں اور آدمی نیچے گرا ں۔" فاروق نے کہا اور اپنے جوتے اتار دیے — وہ مسکرا کر رہ گئے۔

"تمہارے اوپر پہنچنے کے بعد میں چڑھنا شروع کروں گا۔"

آصف بولا ——

"شکریہ!" اُس نے کہا اور اوپر چڑھنے لگا۔

اُن کی نظریں اس کے ساتھ ساتھ اوپر اٹھنے لگیں — دل دھک دھک کرنے لگے — ایسے میں اگر فاروق کا ہاتھ پھسل جاتا تو اس کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی — جُوں جُوں وُہ اوپر ہوتا گیا، اُن کے دل اور تیز تیز دھڑکتے گئے — اور پندرہ منٹ کی مسلسل کوشش کے بعد آخر اُس نے چھت کی منڈیر پر ہاتھ ڈال دیا — انہوں نے اطمینان کا ایک لمبا سانس لیا، ادھر فاروق نے خود کو چھت پر چت لٹا دیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا — اس وقت اس نے ایک ایسی تھکن محسوس کی کہ کیا کبھی کی ہو گی —

ادھر آصف پائپ پر چڑھنے لگا — اس کی اب خاص ضرورت تو نہیں رہی تھی — لیکن اکیلا فاروق کسی مشکل میں پھنس سکتا تھا، لہذا فیصلہ یہی کیا گیا تھا کہ دونوں ہی پائپ کے ذریعے چڑھیں گے۔ آخر خدا خدا کرکے آصف بھی چھت تک پہنچ گیا —

اتنی دیر میں فاروق دم لے چکا تھا:

"تم چھت پر ہی ٹھہر کر سانس لے لو — میں نیچے پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے — اگر تم کامیاب ہو جاؤ تو مجھے اطلاع کر دینا



کہیں میں چھت پر ہی نہ سوکھتا رہ جاؤں۔"

"فکر نہ کرو۔" اس نے کہا اور زینے کی طرف چلا — پھر اس کی ہستی گم ہو گئی — زینے کا دروازہ دوسری طرف سے بند تھا۔ تھکے تھکے قدموں سے وُہ واپس پلٹا اور آصف کے پاس رُک کر دبی آواز میں بولا:

"یار آصف! زینے کا دروازہ تو دوسری طرف سے بند ہے۔"

"اوہ! اب کیا ہو گا۔" اس نے چونک کر کہا۔

"یہی تو میں سوچ رہا ہوں — اس پائپ کے ذریعے نیچے اُترنے کا خیال بھی لرزا دینے والا ہے۔" اس نے کہا۔

"آؤ پوری چھت کا جائزہ لیں — شاید نیچے اترنے کی کوئی صورت نظر آ جائے۔" آصف نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دونوں نے منڈیر کے ساتھ ساتھ نیچے جھانکتے ہوئے چلنا شروع کیا — چھت کی اونچائی خوفناک تھی — نیچے چھلانگ لگانے کا مطلب صرف اور صرف موت تھا — انہوں نے مایوسانہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر پائپ کی طرف آئے — انہوں نے سر جھکائے — اور نیچے دیکھا — نیچے کھڑے سب لوگ دیکھ رہے تھے:

"زینے کا دروازہ دوسری طرف سے بند ہے — نیچے پہنچنے کا راستہ نہیں۔" فاروق نے دبی آواز میں کہا۔

"چھت کا بغور جائزہ لو۔" انسپکٹر جمشید نے جھنجھلا کر کہا۔
"جی— لے چکے ہیں۔" آصف بولا۔
"ایک بار پھر لو— کوئی چمنی وغیرہ تو اوپر آ رہی ہو گی۔"
"جی بہتر! ہم نے اس پہلو سے جائزہ نہیں لیا تھا۔"
دونوں ایک بار پھر چھت کی سیر کرنے لگے، پھر انہیں
چاروں طرف چار چمنیاں نظر آئیں — یہ آتش دانوں کی چمنیاں تھیں
اور تقریباً ایک فٹ نصف قطر گولائی کی تھیں — انہوں نے باری
باری چاروں چمنیوں کو ہاتھ لگا کر دیکھا، چاروں سرد تھیں اور
ان میں سے دھواں بھی نہیں نکل رہا تھا — وہ ایک بار پھر باپ
طرف آئے—
"یہاں آتش دانوں کی چار چمنیاں موجود ہیں۔" آصف نے بتایا۔
"اور کیا یہ اتنی کھلی ہیں کہ تم ان کے ذریعے نیچے اتر سکو؟"
"جی ہاں!" آصف نے کہا۔
"تب پھر— اگرچہ یہ کام بہت مشکل ہے— دم گھٹنے کا
اس میں خطرہ ہے— لیکن تم دونوں کو جان کی بازی لگانا ہی
گی۔" نیچے سے انسپکٹر کامران مرزا نے جذبات سے لبریز آواز میں
"اور ہم یہ بازی لگائیں گے، آپ فکر نہ کریں۔" فاروق
کہا اور دونوں ایک چمنی کی طرف بڑھے:
"آصف— پہلے میں چمنی میں داخل ہوں گا— جب تک میں



طرف سے اشارہ نہ ملے— تم چمنی میں داخل نہ ہونا— اشارہ نہ ملنے
کا مطلب یہ ہو گا کہ میں یا تو پھنس گیا ہوں— یا دوسری دُنیا
کا ٹکٹ لے چکا ہوں۔"
"بہت اچھا، لیکن کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ پہلے میں جاؤں۔"
"نہیں!" فاروق نے کہا اور چمنی کے کناروں کو تھام لیا،
پھر بازوؤں کے بل اُوپر اٹھا اور اپنی ٹانگیں اس میں داخل کر دیں،
پھر دونوں ہاتھ پوری قوت سے چمنی کی دیوار سے چپکا دیے اور
نیچے کھسکنے لگا— اس نے اپنے دونوں ہاتھ چھلتے ہوئے محسوس کیے۔
قریب تھا کہ تکلیف کی وجہ سے اس کے منہ سے چیخ نکل جاتی۔
کہ اسی وقت اسے چھت پر موجود آصف اور نیچے کھڑے باقی
لوگوں کا خیال آ گیا— ساتھ ہی اس نے سوچا— اگر اس کے
منہ سے آواز نکل گئی تو اس وقت تک کی ساری کامیابی پر پانی
پھر جائے گا— چنانچہ اس نے ہونٹ مضبوطی سے بند کر لیے۔
چمنی کی دیواروں پر دھواں نہیں جما ہوا تھا— جس کا مطلب یہ
تھا کہ ان چمنیوں کے نیچے بجلی کے ہیٹر جلائے جاتے رہے ہوں
گے— اچانک اس نے اپنا دم گھٹتے محسوس کیا— چمنی میں ہوا کی
آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی— اس کے ہاتھوں کا دباؤ چمنی
کی دیوار پر کم ہونے لگا— اور ذرا سا دباؤ اور کم ہونے کا
مطلب یہ ہوتا کہ وہ دھڑام سے نیچے جا گرتا۔ اس نے خدا کو یاد

کیا، اپنی ہمت بحال کی اور پھر بازوؤں میں طاقت سمیٹ کر نیچے سرکنے لگا۔ پورے تین منٹ اس کے اس کیفیت میں گذرے۔ آخر اس کے پاؤں چند سلاخوں پر ٹک گئے۔ اس نے بوکھلا کر نیچے دیکھا اور پھر اسے یہ ہولناک حقیقت معلوم ہوئی کہ چمنی کے نچلے حصے میں تین سلاخیں لگی ہوئی تھیں، اس کے پاؤں ان سلاخوں پر ٹکے تھے۔ اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا، کیونکہ وہ واپس اوپر نہیں جا سکتا تھا اور نیچے سلاخیں اس کا راستہ روکے ہوئے تھیں، اس کا دماغ بھائیں بھائیں کی صدائیں دینے لگا۔ ہوش اُڑنے لگے۔ مایوسی کے خوفناک اندھیرے میں اس نے سوچا۔ مجھے پاؤں اوپر اٹھا کر زور سے سلاخوں پر مارنا چاہیے۔ سلاخوں کے نیچے ہیٹر جلتا رہا ہے، کیا خبر آگ نے چمنی پر لگی سلاخوں کو کمزور کر دیا ہو، اس خیال کے آتے ہی اس نے پاؤں اٹھایا اور زور سے سلاخوں پر دے مارا۔

○

کاڈون کی چیخ نے خان رحمان کو تھرا دیا۔ کاڈون کی موت کا صاف مطلب ان کی شکست ہی ہو سکتا تھا۔ انہوں نے چلا کر کہا:



"مسٹر کاڈون۔ آپ خیریت سے تو ہیں" خان رحمان چلائے۔

"گولی میرے کندھے میں لگی ہے۔ میں بچ گیا ہوں۔ حملہ جاری رکھو۔ یہ فتح ہماری ریاست کے لیے ایک نئی صبح لے کر آئے گی۔" کاڈون کی بلند آواز سنائی دی۔

انہوں نے زوردار حملہ کیا، اس قدر شدت سے فائرنگ کی کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ جھیل کی طرف ہٹنے لگے۔ جھیل کی طرف ہٹنے کے سوا انہیں اور کچھ نہ سوجھ سکا، لیکن پھر ان کے لیڈر نے چلا کر کہا:

"خبردار۔ جھیل میں گرنے سے خود کو بچانا۔ یہ موت کی جھیل ہے۔"

"موت کی جھیل!" اس کے بے شمار ساتھی چلا اُٹھے۔

"ہاں! اس میں گرنے والا اُبھر نہیں سکتا۔ چاہے کتنا ہی ماہر تیراک کیوں نہ ہو۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"بس میں نے کہہ دیا۔" اس نے غرا کر کہا۔

لیکن اس کے کہنے سے کیا ہوتا تھا۔ سامنے سے گولی پر گولی چلی آ رہی تھی۔ ان سے بچنے کے لیے انہیں جھیل بہت ہی مناسب معلوم ہوئی تھی۔ خاص طور پر ان لوگوں کو جنہیں تیرنا آتا تھا۔ ایسے چند لوگوں نے چھلانگیں لگا ہی دیں اور پھر پانی کی تہہ میں

کھنچتے چلے گئے ۔ اُبھر نہ سکے ۔

"دیکھا میں نہ کہتا تھا" ان کا سردار چلایا۔

اس کے ساتھیوں کی سٹی گم ہوگئی ۔ سامنے گولیاں تھیں اور کمر کے پیچھے موت کی جھیل ۔ بائیں طرف خان رحمان کے ساتھی ۔ دائیں طرف کا حصہ پہلے ہی کارڈون کے ساتھیوں کی زد میں تھا ۔ اب ان کا دباؤ ہر لمحے بڑھ رہا تھا ، دوسری طرف ریاستی غنڈوں کے ذہنوں پر یہ خوف سوار ہو چکا تھا کہ شکست کی صورت میں ان کے لیے صرف موت ہے ۔ فرار کا کوئی راستہ نہیں ۔ اور اس خیال نے ان کے اوسان خطا کر کے رکھ دیے تھے ۔ خان رحمان نے اس چیز کو محسوس کیا اور انہوں نے اپنے ساتھیوں کو بھرپور حملے کا حکم دیا :

"ٹوٹ پڑو ساتھیو ۔ تم اسی صورت میں اپنے گھروں کو جا سکو گے ۔ اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں سے مل سکو گے۔" انہوں نے گونجتی آواز میں کہا۔

ان کے ساتھیوں میں بے شمار جوش بھر گیا ، کارڈون کے ساتھی بھی کم پُرجوش نہیں تھے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے پیش قدمی جاری رکھی ۔ وہ لمحہ بہ لمحہ دشمن کے نزدیک ہوتے چلے گئے ۔ کیونکہ دشمن تو پیچھے ہٹنے کے قابل ہی نہیں تھا ۔ پیچھے قدم ہٹاتا تو موت کے گڑھے میں جا گرتا ۔ وہ مسلسل فائرنگ کر رہا تھا ۔



یکن ان کے نشانے بدحواسی کی نذر ہو چکے تھے ۔ اور پھر ان
ل لاشیں اچھل اچھل کر جھیل میں گرنے لگیں ۔ خان رحمان
ہایت مہارت سے اپنے ساتھیوں کو آگے بڑھا رہے تھے
ن کے تمام ساتھی درختوں کی وجہ سے محفوظ تھے ۔ وہ
رختوں کی اوٹ لے کر ہی آگے بڑھ رہے تھے ۔ ایک
ر جو انہوں نے فلک شگاف نعرہ لگایا ۔ دشمن کے دل
ل گئے ۔ اگر ان کے پیچھے میدان ہوتا تو اس وقت
ک ان میں بھگدڑ مچ چکی ہوتی ۔ تاہم گولیوں سے بچنے
ے لیے بہت سے اب بھی چھلانگیں لگا رہے تھے اور
نی کی تہہ میں بیٹھتے جا رہے تھے ۔ اچانک بلبلوں کے
ور نے ان سب کو لرزا دیا ۔ ان کی اس بوکھلاہٹ سے
اڈون اور خان رحمان کے ساتھیوں نے اور فائدہ اٹھایا ،
ہلہ مار کر آگے بڑھے اور پھر دست بدست جنگ ہونے
ی ۔ وہ سب آپس میں ٹکرا گئے ۔ طوفان بدتمیزی کا منظر
ظر آنے لگا ۔ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا ۔ کس گروہ کا آدمی
ر رہا ہے ۔ اچانک خان رحمان کی زد پر ریاستی غنڈوں
کا سردار آ گیا ، انہوں نے نشانہ لیا اور فائر کر دیا ۔ سردار
را کر جھیل میں گرا ، ساتھ ہی انہوں نے نعرہ مارا :

"ان کا لیڈر مارا گیا دوستو ۔ میری گولی اس کی پیشانی

پر لگی ہے — بس اب آخری حملہ کرو اور ان سب کو جھیل
میں پھینک دو۔"

غنڈے بوکھلا گئے — انہوں نے تو حکومت میں رہ
کر کمزوروں پر حملہ کرنا سیکھا تھا — بہادروں سے
جنگ انہیں کب لڑنا پڑی تھی — ان کے پاؤں اکھڑ گئے
اور ایسے اُکھڑے کہ پھر نہ جم سکے — سینکڑوں چھپاکوں کی
کی آواز ایک ساتھ سنائی دی — کچھ ہاتھ اُٹھا کر کھڑے
ہو گئے — کچھ اِدھر اُدھر بھاگنے کی کوشش میں گولیوں کا
نشانہ بن گئے — اور پھر میدان صاف تھا — جنگ کا فیصلہ
کارڈون اور خان رحمان کے ساتھیوں کے حق میں ہو چکا
تھا۔

"مسٹر کارڈون — آپ کو فتح مبارک ہو۔" خان رحمان پُرمسرت
انداز میں چلّا کر بولے۔

لیکن انہیں کارڈون کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا —
وہ بے تحاشہ کارڈون کے ساتھیوں کی طرف بڑھے — پھر ان کے
نزدیک پہنچ کر بولے:

"مسٹر کارڈون کہاں ہیں؟"

"ہمیں نہیں معلوم —" انہوں نے بدحواس ہو کر کہا۔

"مسٹر کارڈون۔" خان رحمان پوری قوت سے چلّائے۔ "آپ



کہاں ہیں؟"

"مم — میں — میں یہاں ہوں۔" ایک مردہ سی آواز ان کے
کانوں میں آئی۔

اور وہ آواز کی سمت میں دوڑ پڑے —

# چمنی کا سفر

آصف نے کھٹکے کی آواز سنی تو یہ خیال ظاہر کیا۔ فاروق نیچے
اُتر گیا ہے ؛ چنانچہ وہ بھی بازوؤں کے بل پر اٹھا اور چمنی میں داخل
ہو گیا۔ اب وہ بھی اسی کے انداز میں نیچے سرک رہا تھا —
" آصف — رُک جاؤ آصف " نیچے سے اس نے فاروق کی
مدھم آواز سنی۔
" رُک جاؤں — لیکن کیوں — تم نے ہی تو مجھے نیچے آنے کا
اشارہ دیا تھا " آصف بدستور سرکتا ہوا بولا۔
" نہیں نہیں — میں نے تمہیں اشارہ نہیں دیا تھا — " فاروق
درد بھری آواز میں بولا۔
" یہ تمہاری آواز رو کیوں رہی ہے "
" تمہارے لیے — خدا کے لیے نیچے نہ سرکو — واپس اوپر چلے
جاؤ — ابھی تم زیادہ نیچے نہیں سرکے ہو گے — اوپر چڑھ سکو گے —
میں پھنس چکا ہوں — آصف — میں پھنس چکا ہوں " فاروق کی آواز



[illegible] لرزش نے آصف کو بھی لرزا دیا — اس نے اوپر سر اٹھا کر
[illegible]ا — اب وُہ اس حد تک نیچے آ چکا تھا کہ اوپر نہیں جا سکتا
[illegible] — اس نے اپنا دل ڈوبتا محسوس کیا — مردہ آواز میں
بولا :
" اب — اب میں بھی اوپر نہیں جا سکتا فاروق — میں آ رہا
[illegible] "
" اف خدا — رحم فرما — یہ کیسی موت ہمیں نصیب ہو رہی
ہے " فاروق گڑگڑا کر بولا۔
اتنے میں آصف اس کے بالکل نزدیک پہنچ گیا — اس کے
[illegible] فاروق کے کندھوں کو چھونے لگے — فاروق کی وجہ سے
[illegible] نے خود کو اوپر ہی سنبھالے رکھا، پھر بولا :
" کیا معاملہ ہے — تم نیچے کیوں نہیں جا سکتے "
" اس لیے کہ نیچے سلاخیں لگی ہیں — تین سلاخیں — میں نے
توڑنے کے لیے پاؤں سلاخوں پر مارا تھا، تم اسے اپنے
اشارہ سمجھ بیٹھے — اور میرے ساتھ خود بھی پھنس گئے "
" اف خدا — اب کیا ہو گا " آصف نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔
اچانک فاروق کو یاد آ گیا — مایوسی گناہ ہے — اس نے
[illegible]سے انداز میں کہا :
" آصف — مایوسی گناہ ہے نا "

"ہاں۔ گناہ ہے۔" آصف کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

"تب پھر، ہم کیوں مایوس ہوں۔ ہم خدا کو کیوں نہ یاد کریں۔ وہ ضرور ہماری مدد کرے گا۔ ہو سکتا ہے۔ جب ہماری طرف سے ابا جان وغیرہ کو کوئی اشارہ نہ ملے تو وہ بے چین ہو کر کسی نہ کسی طرح اس محل میں داخل ہو جائیں اور اس چمنی تک پہنچ جائیں۔ کیونکہ یہ بات انہیں بھی معلوم ہے کہ ہم چمنی میں داخل ہو چکے ہیں۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں۔" آصف بولا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا۔ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ ہم تو اس وقت چمنی میں کھڑے ہیں اور ہمارے ہاتھ چمنی کی دیوار پر ہیں۔" ایسے میں بھی فاروق کہہ اٹھا۔ اس کے جملے نے آصف کو بھی حوصلہ بخشا۔ اس نے جلدی سے کہا:

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ ہمیں اوپر جانے کی کوشش بھی جاری رکھنی چاہیے۔ کیوں نہ میں تمہارے کندھوں پر پورا زور ڈال دوں اور تم اپنا پورا زور سلاخوں پر ڈالو۔ شاید سلاخیں ہم دونوں کا وزن نہ برداشت کر سکیں۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔ چلو۔ لگاؤ زور۔"



اور وہ دونوں مل کر سلاخوں پر زور لگانے لگے۔

○

"ابا جان! میرا دل گھبرا رہا ہے۔ انہیں گئے کافی دیر ہو گئی ہے۔ کہیں وہ پھنس تو نہیں گئے۔" فرزانہ بولی۔

"خود میری حالت بھی بہت بری ہے۔ شاید میں اپنی زندگی میں اتنا پریشان کبھی نہیں ہوا ہوں گا۔"

"تو پھر آئیے۔ اب ہم اور صبر نہیں کر سکتے۔ ہم صدر دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور اس کے بعد جو کچھ ہو گا، دیکھا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ چلو۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔ اب وہ بے چین ہو چکے تھے۔ وہ صدر دروازے کی طرف چل پڑے۔ ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔

"شاید وہ چمنی میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔" آفتاب نے لرزتی آواز میں کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" محمود بولا۔

"خدا اپنا رحم فرمائے۔" فرحت نے دعا مانگی۔

آخر وہ صدر دروازے پر پہنچ گئے۔ وہ اسی دروازے

سے گزر کر روبوٹوں کے ساتھ اندر داخل ہوئے تھے ۔ انسپکٹر جمشید نے دروازے پر دستک دینے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ فرزانہ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا :

" ابا جان ۔ ٹھہر جائیے ۔ میں کسی کے دروازے کی طرف آنے کی آواز سن رہی ہوں ۔ شاید کوئی دروازہ کھولنے والا ہے ۔ دستک سن کر وہ ہوشیار ہو جائے گا ۔ جب کہ ہمارے لیے یہ صورت مناسب رہے گی کہ وہ دروازہ کھول دے اور ہم اس کی بے خبری سے فائدہ اٹھا کر اندر داخل ہو جائیں۔"

" شکریہ فرزانہ۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔

" بلکہ تمہارے کانوں کا شکریہ۔" آفتاب بولا۔

" ہمیں دائیں اور بائیں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جانا چاہیے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے اور انہوں نے فوراً اس پر عمل کیا ۔ ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے ۔ اگر دروازہ اتنی آسانی سے کھلنے والا تھا تو پھر انہوں نے فاروق اور آصف کو بلا وجہ ہی اتنی مشکل میں ڈالا تھا ، لیکن اس وقت کیا معلوم تھا کہ بعد میں دروازہ بغیر کسی کوشش کے کھل جائے گا۔

قدموں کی آواز اب صاف سنائی دینے لگی تھی ۔ وہ پوری طرح ہوشیار ہو گئے اور پھر دروازہ کھل گیا ۔ لیکن کوئی باہر نہ نکلا ۔ چند سیکنڈ تک خاموشی طاری رہی ، پھر ایک آواز

اُبھری۔

" آصف ۔ اب تم جا کر سب لوگوں کو ادھر لے آؤ۔" فاروق نے یہ الفاظ دبی آواز میں کہے تھے ۔ اس کی آواز سنتے ہی وہ دروازے کے سامنے آ گئے۔

" ارے ! آپ لوگ تو یہیں موجود ہیں۔" آصف چہکا۔

ان کی نظریں دونوں پر جم گئیں ۔ ان کی حالت عجیب تھی ۔ کپڑے جگہ جگہ سے پھٹ گئے تھے ۔ جسم پر بے شمار جگہوں سے خون رس رہا تھا ۔ ہر طرف خراشیں ہی خراشیں نظر آ رہی تھیں ۔

" معلوم ہوتا ہے ، بہت مشقت اٹھانا پڑی چمنیوں میں۔"

" ہم ۔ ہم تو دراصل موت کے منہ سے نکل کر آئے ہیں۔"

" کیا مطلب ؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

اور انہوں نے چمنی کے سفر کی داستان سنا دی ۔ وہ دونوں واقعی ایک خوفناک کارنامہ انجام دے کر آئے تھے۔

" ہم دونوں کے زور سے اگر سلاخیں نہ اکھڑ جاتیں تو ہم اس وقت بھی چمنی میں پھنسے ہوتے اور آپ لوگ ہمارا باہر انتظار کر رہے ہوتے۔" آصف بولا۔

"نہیں بھئی — دیر کافی ہو گئی تھی — ہم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ تم دونوں ضرور کسی مصیبت میں پھنس گئے، لہذا ہم نے فیصلہ کیا تھا — اب جیسے بھی ہو، اندر داخل ہو کر رہیں گے؛ چنانچہ ہم دستک دینے ہی والے تھے کہ فرزانہ نے تمہارے قدموں کی آواز سن لی۔"

"ہمارے قدموں کی آواز —" آصف حیران ہو کر بولا۔

"مطلب یہ کہ میں نے کسی کے دروازے کی طرف آنے کی آواز سُن لی تھی — اس وقت یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ تم ہو۔" فرزانہ بولی —

"خیر — خدا کا شکر ہے — یہ مرحلہ طے ہوا — آؤ اب اندر چلیں۔"

وہ اندر داخل ہوئے، کچھ سوچ کر دروازہ اندر سے بند نہیں کیا گیا۔ اب ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں پستول تھا — اور وہ اس قدر احتیاط سے چل رہے تھے کہ ان کے قدموں کی ہلکی سی چاپ بھی پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ عمارت بہت طویل اور عریض تھی اور انہیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ دونوں باس عمارت کے کون سے حصے میں ہوں گے؛ تاہم سیاہ فام کے ساتھ وُہ جس کمرے میں گئے تھے، ان کا رُخ اس طرف تھا — اس کمرے کے دروازے پر پہنچ کر انہوں نے سن گن لینے کی کوشش کی — اندر



باتیں کرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی — انہوں نے اپنے کان دروازے پر لگا دیے، لیکن آوازیں صاف سنائی نہ دے سکیں — دروازے پر دباؤ ڈال کر دیکھا تو اندر سے بند پایا۔

"ہاں بھئی — اب کیا کریں۔" انسپکٹر جمشید نے سوالیہ نظروں سے سب کی طرف دیکھا۔ برآمدے میں جلنے والے بلب کی روشنی میں وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔

"دروازے سے ہٹ کر مشورہ کر لینا چاہیے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے بھی اشاروں میں کہا۔

وُہ دس بارہ قدم دُور آ کر کھڑے ہو گئے اور سرگوشیاں کرنے لگے:

"پروفیسر شلجان کے گرد لہریں موجود ہیں — ان لہروں کی موجودگی میں اس پر کوئی گولی اثر نہیں کرتی — اُلٹا دوسروں کی طرف آتی ہے — ادھر بڑے باس صاحب لہروں کے ذریعے سے نظروں سے ہی اوجھل ہیں — اس کی حفاظت بھی لہریں کرتی ہوں گی — اور یہ بات نہ ہوتی تو یہاں ضرور باقاعدہ پہرہ ہوتا، لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ اتنی بڑی عمارت میں دونوں پروفیسر بالکل تنہا ہیں، زیادہ سے زیادہ یہاں ایک سیاہ فام ملازم موجود ہے — وہ بھی اس وقت اپنے کمرے میں سو رہا ہو گا — اس کا مطلب ہے، دونوں

باس جانتے ہیں کہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا ہے۔
سوال یہ ہے کہ ان حالات میں ہم کیا کریں" انسپکٹر کامران مرزا
کہتے چلے گئے۔

" سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ دروازہ کیسے کھلوایا جائے۔"
انسپکٹر جمشید نے کہا۔

" کیوں نہ اس سلسلے میں سیاہ فام سے مدد لی جائے۔"
فرزانہ بولی۔

" اس کے لیے ہمیں پہلے اسے **تلاش کرنا ہوگا۔**"

" ٹھیک ہے۔ تم چاروں جاؤ۔ ہم چاروں یہاں ٹھہریں گے"
انسپکٹر جمشید بولے۔

" کون کون سے چاروں، اس کی بھی وضاحت کر دیں۔"
فرحت نے کہا۔

" فاروق اور آصف تو بے چارے ابھی ابھی چمنی سے نکل کر آ
رہے ہیں، میرا اور انسپکٹر کامران مرزا کا دونوں باسوں کے کمرے
کے سامنے ٹھہرنا بہت ضروری ہے، لہذا باقی چار جا کر کسی طرح
سیاہ فام کو یہاں تک لے آئیں۔"

" جی بہتر! لیکن مہربانی فرما کر آپ لوگ نمایاں طور پر نہ کھڑے
ہوں۔ ادھر ادھر چھپ جائیں۔" فرزانہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

" اچھا! یونہی سہی۔"



اور وہ چاروں سیاہ فام کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔
اتنی بڑی عمارت میں انہیں ایک آدمی کو تلاش کرنا تھا۔

" محمود تم منہ سے گھنٹی کی آواز نکال سکتے ہو؟" فرزانہ بولی۔

" گھنٹی کی آواز۔ کیا مطلب؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

" آفتاب۔ محمود کو گھنٹی کی آواز کا مطلب بتاؤ۔" فرزانہ نے
منہ بنایا۔

" اچھا! گھنٹی ایک ایسا آلہ ہوتا ہے جس میں سے دوسرے کو
خبردار کرنے والی آواز نکلتی ہے۔ اور رہ گیا آواز کا مطلب۔
تو اب میں آواز کا کیا مطلب بتاؤں۔ محمود کو چاہیے کہ خود ہی
سمجھ جائے۔"

" چلو سمجھ گیا، فرزانہ شاید میں منہ سے گھنٹی کی آواز نہیں
نکال سکتا۔ کیونکہ آج تک اتفاق ہی نہیں ہوا۔"

" وہ اس لیے کہ تم تو صرف اُلو کی آواز نکالتے رہے ہو۔"
فرحت شوخ لہجے میں بولی۔

" تم نے ٹھیک کہا فرحت۔ لیکن شاید تم تو اتنا بھی نہیں کر
سکتیں۔" محمود جل کر بولا۔

" لڑنے کی ضرورت نہیں، آفتاب کیا تم منہ سے گھنٹی کی آواز
نکال سکتے ہو؟"

" آخر منہ سے گھنٹی کی آواز نکالنے کی ایسی کیا ضرورت پڑ گئی

ہے۔" آفتاب جھلا اُٹھا۔

"چھوڑو۔ فرحت تم بتاؤ" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"میں لڑکی ہوں۔ گھنٹی نہیں" اس نے کہا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ اب یہ کام بھی مجھے ہی کرنا ہوگا۔"

"آخر تمہارے ذہن میں کیا ہے۔" محمود نے اسے گھورا۔

"بھوسہ!" آفتاب بول اُٹھا۔

"میں تمہاری بات کا بُرا نہیں مانتی۔ کیونکہ جن کے دماغوں میں خلل ہوتا ہے۔ انہیں ہر وقت بھوسے کے ہی خواب نظر آتے ہیں" فرزانہ مُسکرا کر بولی۔

"یہ بڑی مصیبت ہے، تم لوگ موضوع سے اِدھر اُدھر ہٹتے رہتے ہو۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

"اچھا اب نہیں ہٹیں گے۔ فرحت محمود کے قریب ہو جاؤ۔" آفتاب جلدی سے بولا۔

"محمود موضوع تو نہیں" فرحت بولی۔

"دھت تیرے کی" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"ہماری آوازیں ذرا اونچی ہو گئی ہیں۔ کہیں ہم خطرہ نہ مول لے لیں" فرزانہ نے انہیں گھورا۔

"مول نہ لیں تو اور کیا کریں۔ کم بخت مفت تو ملتا ہی نہیں" آفتاب بول اٹھا۔



اسی وقت ایک کمرے سے انہیں خراٹوں کی آواز سنائی دی۔

اُن کے قدم رُک گئے۔ کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور سیاہ فام ایک مسہری پر سو رہا تھا۔

"لو اب گھنٹی کا پروگرام شروع" فرزانہ نے کہا اور منہ سے گھنٹی کی آواز نکالی۔

ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس کے حلق سے بالکل ویسی ہی آواز نکلی تھی جیسی جدید گھنٹیوں کی ہوتی ہے۔ لیکن سیاہ فام کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

"تم لوگ باہر ہی ٹھہرو۔ صرف میں اندر جاؤں گی" فرزانہ نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"آخر تم کرنا کیا چاہتی ہو۔"

"میں چاہتی ہوں، یہ خود بخود باس کے کمرے تک جائے اور دروازہ کھلوائے۔" اس نے کہا اور اندر داخل ہو گئی۔ تینوں دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑے ہو گئے۔

فرزانہ نے اندر جا کر منہ اس کے کان کے قریب کیا اور پھر گھنٹی کی آواز نکالی۔ اس بار سیاہ فام ہڑبڑا کر اٹھا اور پھر اس قدر تیزی سے بستر سے اُترا کہ فرزانہ حیران رہ گئی۔ وہ اس وقت تک مسہری کے پیچھے چھپ چکی تھی۔ سیاہ فام نے ایک چھلانگ لگائی اور دروازے کے باہر پہنچ گیا، دوسرے ہی

لمحے وُہ تقریباً دوڑ رہا تھا۔ یہ چاروں اس کے پیچھے لپکے ۔ اب انہیں فرزانہ کی ترکیب پر حیرت ہو رہی تھی ۔ ورنہ وہ تو پہلے اسے جگاتے اور پھر پستول کے زور پر دروازے تک لے جاتے اور دروازہ کھلوانے کے لیے کہتے ۔

جلد ہی سیاہ فام باس والے دروازے کے سامنے پہنچ گیا اور باادب لہجے میں بولا :

" کیا حکم ہے باس ؟"

" حکم ۔ کیسا حکم ۔ ہم نے تمہیں کب بلایا ہے ؟"

" میں سو رہا تھا باس ۔ گھنٹی کی آواز سن کر میری آنکھ کھلی تھی ۔ " اس کے لہجے میں حیرت در آئی ۔

" تب تم نے ضرور خواب دیکھا ہوگا ۔ خواب میں گھنٹی بجتے سنی ہوگی ؟" اندر سے آواز آئی ۔

" میں خواب ضرور دیکھ رہا تھا باس ۔ لیکن اس خواب میں گھنٹی نہیں تھی ۔ میں تو پریوں کو اڑتے دیکھ رہا تھا ۔"

" جنوں جیسے آدمی کو پریوں کا خواب دیکھنے کا کوئی حق نہیں ۔ بھاگ جاؤ ۔ مگر نہیں ۔ اب جاگ گئے ہو تو کافی ہی بنا لاؤ ۔ آج ہمیں تمام رات جاگنا ہے ۔"

" وہ کیوں باس ؟"

" ایک باغی گروہ نے ہمارے منصوبے کو درہم برہم کرنے کی



کوشش کی ہے ۔ اس سے پرانی جھیل کے کنارے باقاعدہ جنگ ہو رہی ہے ۔ ہم ٹی وی پر اس جنگ کا نظارہ کر رہے ہیں ۔"

" اوہ ۔ تو یہ بات ہے ۔ تو پھر باس پلڑہ کس کا بھاری ہے ۔"

" ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا ۔ ہمارے ساتھیوں نے غلط جگہ کا انتخاب کر لیا ہے ۔ خیر دیکھیں ۔ کیا ہوتا ہے ۔"

" ٹھیک ہے باس ۔ میں ابھی کافی بنا کر لاتا ہوں ۔"

اس نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ایک سمت میں چلا گیا ۔

" ابا جان ! کیا آپ کے پاس بے ہوشی کی کوئی دوا ہو گی ۔"

فرزانہ اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ ان کے قریب کھسک آئی ۔ اب وُہ باس کے کمرے سے کافی دُور ایک تاریک گوشے میں کھڑے ہوئے تھے ۔

" نہیں ۔ کیوں ؟"

" میں نے سوچا تھا ، ہم کافی میں بے ہوشی کی دوا ملا دیں ۔" اس نے کہا ۔

" اس کی ضرورت نہیں ۔ ہم مردانہ وار ان لوگوں کا مقابلہ کریں گے ۔ ارے ہاں ۔ تم لوگ اس سیاہ فام کو اٹھا کر کیسے لائے ؟" انسپکٹر جمشید بولے ۔

" یہ کارنامہ فرزانہ نے انجام دیا ہے انکل ۔" آفتاب نے کہا

اور جب اس نے تفصیل سنائی تو وہ سب بے ساختہ مسکرا دیے۔

"اسے کہتے ہیں، سانپ بھی مر جائے، لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

وہ یہ گفتگو نہایت مدھم آواز میں کر رہے تھے۔

"خدا جانے جھیل کے کنارے لڑی جانے والی جنگ کا انجام کیا ہوا۔" فاروق نے پریشان لہجے میں کہا۔

"فکر نہ کرو۔ خدا مددگار ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے باس کے کمرے میں صرف دونوں باس ہی ہیں۔ اور کوئی نہیں۔"

"ہو سکتا ہے۔ کوئی اور بھی ہو۔"

"نتیجے کی صورت میں کارڈون اور خان رحمان کا اگلا اقدام کیا ہو گا اباجان۔" آفتاب نے پوچھا۔

"بہت مزے دار۔" وہ مسکرائے۔

"جی کیا مطلب؟" سب نے چونک کر پوچھا۔

"بھئی۔ ابھی مطلب نہ پوچھو۔"

پندرہ منٹ بعد سیاہ فام ایک ٹرالی دھکیل کر دروازے کی طرف لاتا نظر آیا:

"لو بھئی۔ ہوشیار ہو جاؤ۔ دروازہ کھلنے کا وقت آگیا ہے۔ ہم بھی اس کے پیچھے داخل ہوں گے۔ پھر جو خدا کو منظور۔"



انسپکٹر کامران مرزا نے دبی آواز میں کہا، پھر جونہی سیاہ فام ان کے پاس سے گزرا، وہ اس کے پیچھے لگ گئے۔ اب وہ سانس بھی بہت آہستہ آواز میں لے رہے تھے۔

"کافی تیار ہے باس۔" سیاہ فام نے دروازے کے سامنے پہنچ کر انتہائی باادب لہجے میں کہا۔

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ سیاہ فام ٹرالی دھکیلتا اندر داخل ہو گیا اور اس کے پیچھے وہ بھی اندر داخل ہو گئے۔

انہوں نے دیکھا۔ تین آدمی صوفے پر بیٹھے تھے، ان کی نظریں سامنے رکھے ٹی وی سیٹ پر تھیں۔ ان کی کمر دروازے کی طرف تھی۔ ٹی وی کی سکرین پر جنگ کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ انہوں نے خان رحمان کو اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے سنا ان پر بھی جوش طاری ہو گیا۔

"کافی بناؤں باس۔" سیاہ فام نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"ہاں۔ ضرور۔"

سیاہ فام کی نظریں بھی ٹی وی کی سکرین سے گویا چپک گئیں۔ وہ اس عالم میں کافی بنانے لگا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ وہ لوگ بھی کمرے کے دروازے کے پاس اطمینان سے کھڑے ہو

کر ٹی وی پر لڑائی کا منظر دیکھنے لگے۔

"پروفیسر شلجان ۔ ہماری فوج شکست کھا رہی ہے۔" بڑے باس کی کھردری آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"ہاں باس ۔ یہ ٹھیک ہے۔"

"مسٹر جاگور ۔ فوج کو فون کرو ۔ اب فوج کو درمیان میں لانا ہی ہوگا۔" بڑے باس کی آواز ابھری۔

"او کے سر۔" تیسرے آدمی نے کہا اور تپائی پر رکھے فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ سلسلہ فوراً ہی مل گیا:

"ہیلو، وزیرِ داخلہ جاگور بول رہا ہوں۔ ایک باغی گروہ نے حکومت کے کارندوں پر حملہ کر دیا ہے۔ حملہ بہت منظم طور پر کیا گیا ہے۔ ہمارے کارندوں سے غلطی یہ ہوئی کہ جھیل کے کنارے پوزیشن لے بیٹھے۔ اب ایک طرف وہ موت کی جھیل میں گر رہے ہیں، دوسری طرف دشمن کی گولیوں کا نشانہ بن رہے ہیں۔ ہمارے آدمیوں میں شکست کے آثار صاف نمودار ہو چکے ہیں۔ اس وقت پولیس سے مزید مدد بھی نہیں لی جا سکتی ۔ کیونکہ پولیس کا بیشتر حصہ جنگ میں مصروف ہے۔ لہٰذا آپ لوگ شہر میں داخل ہو کر فوراً جھیل کا رخ کریں اور باغی گروہ کو شکست دے کر گرفتار کر لیں۔"

"لیکن سر! یہ تو قانون کی خلاف ورزی ہو گی ۔ فوج کا یہ



تیار نئی حکومت نے پہلے ہی چھین رکھا ہے ۔ ہم انتظامیہ کے کسی عاملے میں دخل اندازی نہیں کر سکتے۔"

"اب حکومت ہی آپ کو یہ حکم دے رہی ہے۔"

"اس کے لیے تحریری حکم ہونا ضروری ہے۔"

"اب تحریری حکم کا وقت نہیں رہا۔ جو کہا گیا ہے، اُس پر ل کیا جائے۔" وزیرِ داخلہ جاگور نے غرا کر کہا۔

"او کے سر!" دوسری طرف سے کہا گیا اور جاگور نے ریسیور کھ دیا۔

عین اُسی وقت ٹی وی سکرین پر انہوں نے ابتری کا منظر دیکھا ن کے ساتھی دھڑا دھڑ جھیل میں گر رہے تھے:

"کیوں نہ جھیل کے نظام کو ختم کر دیا جائے۔" جاگور نے ریشانی کے عالم میں کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو مسٹر جاگور ۔ جھیل اور زمین دوز دُنیا کا نظام یک ہے ۔ پوری زمین دوز دُنیا اس پوری جھیل کے نیچے بنائی گئی ہے ین دوز دُنیا کو ہوا اس جھیل سے حاصل کر کے پہنچائی جاتی ہے۔ ڑی بڑی مشینیں جھیل سے آکسیجن جذب کرتی ہیں اور پھر جھیل ں کاربن ڈائی آکسائڈ چھوڑتی ہیں ۔ آکسیجن کھینچنے کے عمل کی وجہ سے جو چیز بھی جھیل میں گرتی ہے ۔ اس کی تہہ کی طرف کھنچتی چلی اتی ہے اور جب کاربن ڈائی آکسائڈ چھوڑی جاتی ہے تو بلبلوں کے

ساتھ اُوپر آتی ہے — اگر ہم جھیل کا نظام ختم کر دیں گے تو گویا زیر
دوز دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور ہماری زمین دو
دُنیا — ایسے ایسے ایٹمی ہتھیار تیار کر رہی ہے جن کی کارکردگی تیس
عالم گیر جنگ میں دیکھنے کے قابل ہو گی — پوری دُنیا کو ہم نے جہنم
کی بستی نہ بنا دیا تو کہنا — اتنے بڑے بڑے ملکوں نے اس منصو
میں ہمارا ساتھ یونہی تو دینا منظور نہیں کر لیا اور یہ سارا منصوبہ
نے اور صرف میں نے تیار کیا ہے۔" بڑا باس فخریہ انداز میں کہ
چلا گیا —

"ارے — وہ کیا۔" پروفیسر شلجان چلا اُٹھا۔

انہوں نے چونک کر سکرین کی طرف بغور دیکھا — اور پھر
کمرے میں موت کی سی خاموشی چھا گئی — جھیل کے پانی کے اُوپر
دھوئیں کا ایک بگولا اُٹھ رہا تھا۔

"پانی میں دھواں —" جاگور بڑبڑایا۔

"نہیں — نہیں — یہ نہیں ہو سکتا۔" باس نے کپکپا کر کہا۔

"کیا نہیں ہو سکتا سر —" جاگور کی آواز کانپ اُٹھی۔



# آخری خواہش

وہ دوڑ کر کارڈون کے پاس پہنچے — ایسا کرنے کے لیے
انہیں بے شمار لاشوں پر سے گزرنا پڑا :

"مسٹر کارڈون — آپ — آپ ٹھیک تو ہیں۔" خان رحمان نے اس
زخمی آدمی کو دیکھ کر کہا جسے اس کے ساتھیوں نے چاروں طرف
سے گھیر رکھا تھا۔

"نہیں — مم — میں نے جھوٹ بولا تھا — اچھے ساتھی — گولی
میرے کندھے میں نہیں — میرے سینے میں لگی تھی، لیکن اگر اس
وقت میں اپنی فوج کو بتا دیتا کہ گولی میرے سینے میں لگ چکی ہے تو
وہ کبھی بھی اتنی بہادری سے نہ لڑ سکتی۔"

"اوہ !" خان رحمان اور منور علی خان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"لیکن — لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا — یہ کارواں جاری
رہے گا — کام نہیں رُکے گا — اس ناانصاف حکومت کا خاتمہ
اب قریب ہے — اور میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ یہ کامیابی اس

منصوبے کی وجہ سے ہوئی ہے جو آپ کے دونوں ساتھی لے کر
میرے پاس آئے تھے۔ ورنہ ہم تو انتخابات جیت ہی نہیں
سکتے تھے۔ ریاستی غنڈے ہماری کیا دال گلنے دیتے۔ نارمن۔
تم کہاں ہو۔"

"میں یہ رہا سر!" ایک آواز سنائی دی۔ پھر ایک نوجوان
آدمی آگے بڑھا۔

"اپنے آدمیوں کی کمان میں اب تمہیں سونپتا ہوں۔ باقی
پروگرام بھی تمہیں معلوم ہے۔ ان دونوں بہادروں اور ان کے ساتھی
کو بھی ساتھ لے لو۔ اور باقی کے منصوبے پر بھی عمل کر ڈالو۔
دیر کرنا مناسب نہیں۔"

"لیکن سر۔ آپ۔" نارمن ہکلا کر رہ گیا۔

"میری فکر چھوڑو۔ میں تو اب چند گھڑیوں کا مہمان ہوں۔
ریاست میں منصفانہ انتخابات کرائے جائیں۔ ایک سچے آدمی کو برسرِ
اقتدار لایا جائے۔ جو بڑی حکومتوں کا آلۂ کار نہ بن سکے۔ ہمارے
سر تیسری عالمگیر جنگ کا الزام نہ آنے پائے۔ یہی میری آخری خواہش
ہے۔ میری وصیت ہے۔ میری آر۔ آرزو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی کاڈون کی گردن ڈھلک گئی۔ ان
کے دل بھر آئے۔

عین اسی وقت ایک شور گونجا۔ انہوں نے چونک کر دیکھا تو



سب لوگ جھیل کی طرف خوف زدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔
انہوں نے جھیل کے پانی میں سے دھوئیں کا ایک بگولا اُٹھتے دیکھا،
جھیل میں دھواں ایک حیران کن بات تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں
سے دیکھنے لگے۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے دھواں پوری جھیل پر
پھیل گیا اور وہ خوف زدہ انداز میں پیچھے ہٹنے لگے۔ پھر ایک عظیم
گڑگڑاہٹ گونجی۔ اور جھیل کا پانی گرداب کی طرح چکرانے لگا۔
یوں لگتا تھا۔ جیسے پانی کسی بہت بڑے گڑھے میں جا رہا ہو۔
وہ خوف زدہ انداز میں پیچھے ہٹنے لگے۔ اچانک کئی ہولناک دھماکے
ہوئے۔ پھر گرد کا طوفان اٹھا۔ آگ کے شعلے بلند ہوئے۔ اور
سب کچھ گرد اور دھوئیں کے بادلوں میں چھپ کر رہ گیا۔ وہ دُور
ہٹتے چلے گئے۔ صاف ظاہر تھا کہ زمین دوز دُنیا تباہ ہو گئی تھی
اور شاید اس میں آگ روبوٹوں کے جلنے کی وجہ سے لگی تھی۔

آدھ گھنٹے کے بعد گرد اور دھوئیں کے بادل کسی قدر چھٹے اور
انہوں نے آگے بڑھ کر ایک ہولناک منظر دیکھا۔ ایک ایسا منظر کہ
انہوں نے زندگی میں کبھی نہ دیکھا ہوگا۔

پوری جھیل کا پانی غائب ہو چکا تھا۔ وہ زمین دوز دُنیا میں
سما گیا تھا۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہے
ہوں۔ کئی منٹ بعد ان کے ہوش و حواس قائم ہو سکے۔ آخر فارمن
نے کاڈون کی لاش چند وفاداروں کے حوالے کی اور خود سب ساتھیوں

کو لے کر وہاں سے روانہ ہوا۔ تھوڑی دیر بعد وُہ شاہی محل کا محاصرہ کر چکے تھے۔ چند معمولی جھڑپوں کے بعد کٹھ پتلی صدر کو گرفتار کر لیا گیا۔

"اب ہم اپنے ساتھی سیاسی قیدیوں کو رہا کرائیں گے۔" فارمن بولا۔

کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ اب آپ ہمیں اجازت دے دیں۔ کیونکہ اب آپ کو ہماری مدد کی ضرورت نہیں رہی۔ ہمارے ساتھی ایک اور محاذ پر لڑ رہے ہیں۔ ہمیں ان کی بھی خبر لینی چاہیے۔" خان رحمان بولے۔

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ میں بھی فارغ ہو کر اس طرف آؤں گا۔ آپ اگر اپنے ساتھ کچھ جانثاروں کو لے جانا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"جی ہاں۔ چند آدمی ساتھ کر ہی دیں۔ کم از کم ہمیں اس عمارت تک پہنچنے میں ہی آسانی ہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔" فارمن نے کہا اور اپنے ایک ساتھی کو ہدایات دینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ فارمن کے دس آدمیوں کے ساتھ باس کے ہیڈ آفس کا رُخ کر رہے تھے۔



باس نے جاگور کی بات کا کوئی جواب نہ دیا، پاگلوں کی طرح بگولے کو دیکھتا رہا اور پھر دھماکوں کی آوازیں سنائی دیں۔ دھوئیں کے ساتھ آگ کے شعلے بھی نظر آئے۔ پھر دھواں اس قدر بڑھا کہ سب کچھ اس میں چھپ کر رہ گیا۔ سکرین پر اب صرف دھواں نظر آ رہا تھا۔

"سب کچھ تباہ ہو گیا۔" باس نے مُردہ آواز میں کہا۔

"لیکن۔ یہ کیسے ہو گیا؟"

"کسی طرح زمین دوز دنیا میں آگ لگ گئی۔ وُہ آگ پھیل گئی اور اس نے پورے ایریے کو اپنی پلیٹ میں لے لیا۔ دھماکے کی وجہ سے جھیل کا پانی پوری زمین دوز دنیا میں بھر گیا ہو گا۔" باس کی آواز دور کسی ویرانے کے کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی۔

"اب کیا ہو گا۔" پروفیسر شلجان نے کہا۔

"اس منصوبے میں شریک مُلک ہم سے جواب طلب کریں گے۔ خیر انہیں تو ہم جواب دے لیں گے۔ سب سے ضروری مسئلہ تو باغی گروہ کی سرکوبی کا ہے۔"

"فوج روانہ ہو چکی ہو گی۔ آپ اس کی فکر نہ کریں۔"

"سنہری خواب نہ دیکھیں، فوج روانہ نہیں ہو گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ چونک کر مڑے اور پھر ان کی آنکھیں پھیل کر رہ گئیں:

"تت — تم — تم —" پروفیسر شلجان اور باس کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں — ہم۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اچھا ہوا تم لوگ یہاں آ گئے — تم سے اس تباہی کا انتقام لینا ضروری تھا۔"

"ضرور لے لیں انتقام — لیکن اس سے پہلے یہ سن لیں کہ فوج نے کاڈون کا ساتھ دینا منظور کر لیا ہے — کیونکہ فوج بھی اس غنڈہ حکومت سے تنگ آ چکی ہے۔"

"نہیں — یہ غلط ہے۔" جاگور چلایا۔

"اچھا تو فون کر کے معلوم کر لو کہ فوج روانہ ہو چکی ہے یا نہیں — بلکہ اس وقت تک تو صدر صاحب کو بھی گرفتار کیا جا چکا ہو گا۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"کیا بک رہے ہو۔" جاگور گرجا۔

"فون کر لو — معلوم ہو جائے گا۔"

جاگور نے کسی مشینی آدمی کی طرح فون کا ریسیور اٹھایا اور کسی کے نمبر ملائے — لیکن دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی، کسی نے ریسیور



اٹھایا — جاگور کی پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا۔

"صدر کے محل سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔"

"اوہ!" دونوں باس ایک ساتھ بولے۔

"جواب ملے بھی کیسے — اسے گرفتار کیا جا چکا ہے۔"

"ٹھہرو — میں فوج کو فون کر لوں۔" جاگور بولا اور پھر نمبر ملائے۔

دوسری طرف کی آواز سنتے ہی اس نے کہا۔

"فوج ابھی تک جیل کی طرف روانہ ہوئی یا نہیں۔"

"نہیں — اور نہ روانہ ہو گی — آپ کی اطلاع کے لیے عرض کر دیں کہ صدر گرفتار ہو چکے ہیں — اب اقتدار کاڈون کی پارٹی کے ہاتھ میں ہے — صبح سویرے حکومت کا تختہ اُلٹا جانے کا اعلان کر دیا جائے گا — فوج نئی حکومت کا ساتھ دے گی اور نئے سرے سے انتخابات کرائے گی۔"

"اُف!" جاگور کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا۔

"تو ان کی اطلاعات دُرست ہیں۔" باس نے پُرسکون آواز میں پوچھا — اب وُہ اپنے اُوپر قابو پا چکا تھا۔

"ہاں!" جاگور کے منہ سے نکلا۔

"گویا ہمارا پلان خاک میں مل گیا ہے — زمین دوز دُنیا تباہ ہو گئی ہے — حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا ہے اور ان سب تبدیلیوں کے ذمے دار صرف یہ لوگ ہیں جو اس وقت ہمارے

کمرے میں موجود ہیں ۔ کم از کم ہم انہیں تو زندہ نہیں چھوڑیں گے ، ہمارا انجام جو بھی ہو۔"

" تم چاروں ہاتھ اوپر اٹھا لو ۔ ہمارے ہاتھوں میں پستول موجود ہیں ۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

" پستول ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہیں ، ان کی گولیاں تو اُلٹا تمہارا ہی مزاج پوچھیں گی ۔"

" بھئی اس خوش فہمی میں نہ رہنا ۔ یہ دیکھو میرے ایک ہاتھ میں پستول ضرور ہے ، لیکن دوسرے ہاتھ میں بھی کچھ ہے ۔" انسپکٹر جمشید شوخ لہجے میں بولے۔

انہوں نے چونک کر دیکھا ۔ اور پھر پروفیسر شلمان اور باس کے چہرے سفید پڑ گئے ۔ جاگور اور سیاہ فام نے حیران ہو کر اس بوتل کو دیکھا جس میں نیلے رنگ کا سیال مادہ موجود تھا :

" یہ ۔ یہ بوتل کیسی ہے سر ۔" جاگور نے کانپ کر کہا۔

" ان سے نہ پوچھو ۔ یہ لو ۔ میں نے بوتل کا ڈھکنا ہٹا دیا ہے ۔ خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ بوتل میں کیا ہے ۔"

نیلے رنگ کا سیال یک دم گیس میں تبدیل ہو کر بوتل سے نکلنے لگا اور چند سیکنڈ کے لیے وہ سب اس میں چھپ کر رہ گئے ۔ یہ گیس ناگوار بو والی نہیں تھی ۔ وہ اس میں آسانی



سے سانس لیتے رہے ۔ جب گیس چھٹ گئی تو انہوں نے دیکھا ، پروفیسر اور باس کے چہرے بالکل سفید پڑ چکے تھے ۔

" مسٹر جاگور ۔ تم یہ جان کر خوش ہو گے کہ ان دونوں کے گرد جو لہریں مچل رہی تھیں ۔ اب وہ غائب ہو چکی ہیں —— لہٰذا اب ہم فائر کریں گے تو گولی اچٹ کر ہماری طرف نہیں آئے گی ۔"

" سر ! کیا یہ درست ہے ۔" جاگور نے مری مری آواز میں کہا ۔

" ہاں ، لیکن یہ اب بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ۔ یہ ابھی بچے ہیں ۔"

" اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم میں چھ بچے ہیں ۔" فاروق نے جلدی سے کہا ۔

" اچھا بھئی ۔ اپنے اپنے پستول اور نشانے ہم پر آزما دیکھو ۔"

" تو کیا ۔ گولی اب بھی تمہیں نہیں لگے گی ۔" انسپکٹر کامران مرزا نے حیران ہو کر کہا ۔

" ضرور لگے گی ۔ لیکن ہمارا بگاڑ کچھ نہیں سکے گی ۔" اس نے ہنس کر کہا ۔

" اچھا تو پہلا فائر سنبھالو ۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے ایک فائر سیاہ فام کی ٹانگ پر کیا ۔ گولی اس کے

گھٹنے پر لگی ، لیکن وُہ کھڑا مسکراتا رہا۔

"فضول ہے بھئی ۔ ان پستولوں کی گولیاں ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔"

"تو تم چاروں نے بلٹ پروف لباس پہن رکھا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا غرائے۔

"ہاں! بہت دیر میں سمجھے۔" باس نے طنز بھری آواز میں کہا۔

"اور یہ دیکھو ۔ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔" باس نے جیب سے اپنا ہاتھ باہر نکالا۔

انہوں نے دیکھا ۔ اس کے ہاتھ میں ایک ایٹمی پستول تھا۔

"اسے ایٹمی پستول کہتے ہیں ۔ اس میں سے گولی کی بجائے موت کی شعاع نکلتی ہے جو آدمی کو ایک سیکنڈ کے اندر جلا دیتی ہے ۔ اب کیا خیال ہے؟"

"شاندار ۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اتنی کامیابیاں حاصل کرنے کے بعد آخری مرحلے پر اس طرح بے بس ہو جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تو پھر مسکرا کیوں رہے ہو۔"

"اس لیے کہ ہم ہر حال میں مسکرانے کا فن جانتے ہیں۔۔



ہم نے اور کچھ نہیں تو تمہارا منصوبہ تو خاک میں ملا ہی دیا ۔ اب اگر ہم مر بھی گئے تو افسوس نہیں ہو گا ۔ یوں تو زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے ۔ تم لوگوں کے بس میں کچھ بھی نہیں۔" انہوں نے جواب دیا۔

"موت کو سامنے دیکھ کر لوگوں کے دماغ ہل ہی جایا کرتے ہیں ۔ تمہارا کیا قصور۔" پروفیسر شلجان ہنسا۔

"ہمیں مار کر بھی تم نہیں بچ سکو گے ۔ بہت جلد اس محل کا بھی محاصرہ کر لیا جائے گا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے انہیں ڈرانے کی کوشش کی۔

"پروا نہیں ۔ ختم تو ہو ہی چکے ہیں ۔ تمہیں تو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"ارے تو ۔ جو کرنا ہے ۔ جلدی کرو نا ۔ دیر کیوں لگا رہے ہو۔" آفتاب نے بھنا کر کہا۔

"یہ بات ہے ۔ تو یہ لو۔"

یہ کہتے ہی باس نے پستول کا ٹریگر دبا دیا ۔ اس میں سے نیلے رنگ کی ایک شعاع نکلی ۔ ساتھ ہی انہوں نے اِدھر اُدھر چھلانگیں لگا دیں ۔ باس کو ان کی طرف سے اس پھرتی کی ابھی امید نہیں تھی ۔ شاید اسی لیے اس نے نہایت لاپروائی سے پستول استعمال کیا تھا۔

اِدھر اُدھر چھلانگیں لگانے کے ساتھ ہی محمود اور آفتاب لڑھکتے ہوئے اس صوفے کے پیچھے چلے گئے۔ جس پر وہ تینوں ابھی تک بیٹھے تھے۔ انہیں اس طرح بچتے دیکھ کر پروفیسر شلجان نے بھی پستول نکال لیا۔ اب دونوں نے ایک ساتھ شعاع ماری۔ ایک بار ٹریگر دباتے ہی شعاع دھار کی طرح نکلتی تھی اور پھر سلسلہ ٹوٹ جاتا تھا۔ اگر کہیں مسلسل نکلتی تو اس وقت تک وہ چُرمُر ہو چکے تھے۔

ایک بار پھر انہوں نے ادھر ادھر چھلانگیں لگائیں۔ اس بار فرحت بھی غیر محسوس طور پر صُوفے کے پیچھے آگئی۔ اب وہ تینوں اُٹھ کر کھڑے ہو چکے تھے اور سیاہ فام ان کے پیچھے دبکا ہوا تھا۔ اچانک صوفہ اوپر اٹھا اور ان پر جاگرا۔ تینوں صوفے کے ساتھ دھڑام سے گرے۔

"شاندار! جواب نہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا چلائے، ساتھ ہی انہوں نے صوفے پر چھلانگ لگا دی۔ ادھر انسپکٹر جمشید صوفے کی طرف بڑھے۔ محمود، آفتاب اور فرحت نے صوفہ اچانک اٹھا کر ان پر دے مارا تھا۔ اگرچہ وہ بہت وزنی تھا۔ لیکن وہ بھی اس وقت اپنی تمام تر طاقت بازوؤں میں سمیٹ لائے تھے۔ عام حالات میں شاید ان سے صُوفہ اٹھ بھی نہ سکتا۔

وہ چاروں صوفے کی لپیٹ میں آئے اور بہت بھونڈے



انداز میں گرے۔ ایٹمی پستول ان کے ہاتھوں سے نکل کر دُور تک لڑھکتے چلے گئے۔ فرزانہ اور آصف نے ان کی طرف ایک ساتھ چھلانگیں لگائیں اور انہیں اُٹھا کر لڑھکتے ہوئے دُور نکلتے گئے۔

"بس۔ تمہارا کھیل ختم ہو گیا۔ اب سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور ہاتھ اُوپر اُٹھا دو۔" آصف نے شوخ آواز میں کہا۔

لیکن اس سے پہلے انسپکٹر کامران مرزا اور انسپکٹر جمشید ان پر ٹوٹ پڑے تھے اور اب مقابلہ مکّوں اور لاتوں کا شروع ہو چکا تھا۔ ایسے میں اس کی کون سنتا۔ اچانک اُنہوں نے انسپکٹر جمشید کو اچھل کر گرتے دیکھا۔ وہ گھٹنوں کے بل گرے، اُٹھنے کی کوشش کی اور پھر ڈھیر ہو گئے۔

"ابّا جان!" فرزانہ بے تاب ہو کر بولی۔

ابھی فرزانہ کے منہ سے ابّا جان نکلا ہی تھا کہ انسپکٹر کامران مرزا بھی انہی کے انداز اچھلے اور زور سے گرے۔ پروفیسر شلجان اور باس نے بلند قہقہہ لگایا۔ صرف وہی نہیں جاگور اور سیاہ فام ملازم بھی بھونچکے رہ گئے۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ ان دونوں نے انہیں کیسے اُچھال پھینکا ہے۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ اب ایٹمی پستول ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ اپنے ہاتھ اٹھا دو اور اس قہقہے کا گلا گھونٹ لو۔" فرزانہ نے جھنّا کر کہا، لیکن انہوں نے تو جیسے سنا ہی نہیں۔

ہے۔" وہ چلّا اٹھے۔

"خبردار!" فرزانہ فوراً ان کی طرف مڑ کر غرائی۔ اور [illegible]ل کا رُخ اس کی طرف ہو گیا۔ وہ اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔

"فرحت۔ آصف والا پستول اپنے قبضے میں کر لو۔ اور فرزانہ۔ تم اسے بھی پستول چلانے کا طریقہ بتا دو۔ اگر [illegible] ان کے داؤ کا جواب نہ دے سکا تو تم دونوں کو تیار [illegible] انتظار ہوگا۔"

"بھئی آپ اکیلے جواب نہیں دیں گے۔ میں بھی دوں [illegible]" انھوں نے انسپکٹر کامران مرزا کی آواز سنی۔ اب تو ان [illegible] اور بھی کھل اٹھے۔ پھر دونوں ان کی طرف بڑھے۔ اب دا[illegible] باس پریشان ہو چکے تھے۔ شاید اس لیے کہ [illegible] بھی پستول چلا[illegible] کا طریقہ معلوم کر لیا گیا تھا اور ان کے دونوں ساتھی کام بھی آ چکے تھے۔ تاہم وہ ابھی تک تنے کھڑے [illegible] دونوں انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا ان کے نزدیک پہنچے۔ دونوں کے ہاتھ بجلی کی طرح حرکت میں آئے۔ ان کے ہاتھ ان کی بغلوں کی طرف بڑھے تھے لیکن [illegible] وہ دونوں ہوشیار تھے۔ اس سے پہلے کہ ان کے ہاتھ ان [illegible] بغلوں میں بڑی قوت سے پڑتے۔ انھوں نے بھی داؤ ان [illegible] آزما ڈالا۔ دوسرا لمحہ حیران کن تھا۔ دونوں باس بالکل انھی کی طرح [illegible] اچھلے تھے۔ اور بے حس ہو گئے۔



"یہ ایک بالکل نیا داؤ تھا۔ [illegible] انھوں نے ہم پر آزمایا تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"حیرت ہے۔ آپ نے اسی جلدی وہ داؤ استعمال کرنا سیکھ لیا۔" محمود نے اچھلتے ہوئے کہا۔ اب وہ باری باری ہوش میں آتے جا رہے تھے۔

"[illegible] بغلوں میں ہاتھ کچھ اس قدر زور سے لگے تھے کہ [illegible]ک کی طرح اچھل پڑے۔ اور اب یہی حال ان دونوں کا ہوا ہے۔ فرزانہ۔ فرحت ہوشیار رہنا۔ کہیں یہ جھوٹ موٹ کے بے ہوش نہ ہوئے ہوں۔"

"آپ فکر نہ کریں۔"

اسی وقت ایک چہکتی آواز سنائی دی:

"لو بھئی۔ یہاں بھی معاملہ سر ہو چکا ہے۔" یہ آواز خان رحمان کی تھی۔

"شکر الحمدللہ۔" منور علی خان بولے۔

پھر وہ دونوں دس آدمیوں کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔

"آپ وقت پر آ گئے۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔ پھر [illegible] کے ساتھیوں کی طرف مڑے۔

"انھیں جکڑ لو بھئی۔ اور اپنی پستول لے کر ان کے سروں [illegible] کھڑے رہو۔ یہ بہت خطرناک ہیں۔"

ان کے حکم کی تعمیل کی گئی۔

"پروفیسر شلیان کو تو خیر ہم جانتے ہیں۔ پروفیسر داؤد نے اس کا نام سن لیا تھا۔ لیکن یہ بڑا باس آخر کون ہے۔" محمود بے تاب ہو کر بولا۔

"ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید آگے بڑھے۔

"تو کیا آپ بھی ابھی تک اندازہ نہیں لگا پائے۔"

"ہاں! لگا چکا ہوں، کیونکہ کمزوری آواز پہلے بھی سن چکا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ بڑے باس کے نزدیک پہنچے۔ انہوں نے اسے چھو کر دیکھا۔ آنکھوں کے پپوٹے اٹھا کر دیکھے۔ وہ واقعی بے ہوش تھا۔ اب انہوں نے اس کے چہرے سے میک اپ اتارنے کی کوشش شروع کی۔ انہیں اس کام میں فوراً کامیابی نہیں ہوئی۔ پندرہ منٹ بعد کہیں جا کر وہ میک اپ اتارنے میں کامیاب ہو سکے اور پھر ان کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔ وہ لمحہ واقعی حیران کن ترین لمحہ تھا، جب انہوں نے اپنے سامنے پروفیسر ہامان کو پڑے دیکھا۔

"اف خدا۔ یہ۔ یہ سرخ پنجہ ہے۔"

"ہاں! میرا اندازہ بھی یہی تھا۔ یہ آواز بدل کر بول رہا ہے، لیکن اس میں سو فیصد کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اس کی آواز



[illegible] آواز بدل سکے اور میں پہچان نہ سکوں۔ ویسے پھر بھی مجھے شک [illegible] ہوتی ہے۔ کیونکہ [illegible] اس پائے کا آدمی نہیں بن سکتا۔"

"بھئی یہ کون ہے، پہیلیاں بھی تو بتائیے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

انہوں نے اس کا نام انہیں بتایا تو ان کی آنکھیں بھی حیرت [illegible] ان کے بارے میں تفصیل سے وہ پہلے ہی بتا چکے تھے۔

"اور اب ہمیں یہاں کی تلاشی لینا ہے۔ یہ دیکھنا ہے کہ خزانہ کہاں ہے۔"

تلاشی لینے پر انہیں تجوری اور سیف کی چابیاں مل گئیں۔ [illegible] ہیں کھولا گیا۔ دونوں کی تلاشی لینے پر بے شمار چیزیں ان کے ہاتھ لگیں اور ان چیزوں کو جب انہوں نے غور سے دیکھا، تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ سٹی گم ہو گئی۔ اوپر کے سانس اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے۔ ان چیزوں میں پروفیسر داؤد کا روزنامچہ بھی تھا۔ ان میں بے شمار خوفناک ایجادات کے نمونے بھی تھے۔ بڑے بڑے ملکوں کے بڑے بڑے اور ہولناک قسم کے راز بھی تھے۔ ان میں ملک بحران کا بھی ایک ایسا راز تھا جس کی بنیاد پر اس کا تختہ الٹا گیا تھا۔ اب ان کی سمجھ میں آیا۔ سرخ پنجہ کیا کر رہا تھا۔ وہ دوسرے ملکوں کے بہت ہی خفیہ راز اپنے ایجنٹوں کے ذریعے اڑاتا رہا تھا۔ ایجادات چراتا رہا تھا۔ رازوں

کئی ملکوں کی حکومتوں کے تختے اُلٹ چکا تھا اور اب تیسری عالمی جنگ کی تیاری میں مصروف تھا — اور یہ جنگ بھی ان رازوں کی مدد سے چھیڑی جانی تھی — یہ سب باتیں وہ ان تحریروں کو بغور دیکھ کر ہی جان گئے — لیکن پروفیسر داؤد والا خط جو انہیں ڈاکٹر ملام لیگ نے بھیجا تھا اور جو ملک بحران کے تھے اس خط میں اب بھی انہیں کوئی چیز نظر نہیں آئی تھی —

"خیر کوئی بات نہیں — ہم سُرخ پنجہ سے معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں — نہ معلوم کر سکے تو پروفیسر داؤد تو اس خفیہ تحریر کو اجاگر کر ہی لیں گے" انسپکٹر جمشید بولے اور پھر سُرخ پنجہ کو ہوش میں لانے کی تدبیر کی گئی — تھوڑی دیر بعد کہیں جا کر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"مسٹر سُرخ پنجہ — ہم تمہارا اصلی چہرہ دیکھ چکے ہیں — ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سُرخ پنجہ تم ہو گے — ہم یہ بھی جان چکے ہیں کہ تم کیا کارنامے دنیا کے کئی ممالک میں انجام دے چکے ہو، لیکن ایک بات ابھی تک ہمارے پلے نہیں پڑی تو صرف یہ کہ ڈاکٹر ملام لیگ نے پروفیسر کو جو خط لکھا تھا، اس خط میں ایسی کیا بات تھی جسے چرانا ضروری خیال کیا گیا اور شاید ہمارا ملک بھی اس خط کی وجہ سے ہی چھوڑنا پڑا ورنہ تم وہاں رہتے ہوئے ہی سب کچھ کرتے رہتے، یہاں کے



یہ تو پروفیسر صاحبان کی سمجھ میں آ گیا تھا، کیا خیال ہے — وضاحت ضرور پسند کرو گے، اب جب کہ تم شکست کھا چکے ہو، تمہارا سارا منصوبہ ناکام ہو چکا ہے اور انہیں حکومتوں کا بھی تختہ اُلٹ چکا ہے جو تمہاری مرضی سے برسرِ اقتدار آئی تھیں — کیا تم بتانا پسند کرو گے کہ تم سُرخ پنجہ کس طرح بنے — ان بڑے بڑے عہدوں نے تمہیں یہ سرداری کس طرح سونپ دی — جب کہ تم ایک مشرقی آدمی ہو اور وہ لوگ مشرقی لوگوں کو اپنے سے کم تر خیال کرتے ہیں" انسپکٹر جمشید روانی کے عالم میں کہتے چلے گئے۔

"ہاں، ضرور — میں تمہیں ضرور بتاؤں گا — اور یہ جو تم نے کہا ہے ناکہ میرا منصوبہ ناکام ہو گیا ہے — میں اس بات کو تسلیم کیے لیتا ہوں، لیکن اس سے تیسری عالمی جنگ نہیں رک سکتی، وہ انہی خطوط پر لڑی جائے گی، جن کی میں نے اپنے منصوبے میں وضاحت کر دی ہے — وہ ملک اس منصوبے کی ناکامی کے بعد اب اپنے اپنے طور پر تیاری کریں گے یا کسی اور کو سُرخ پنجہ بنا دیں گے" اس نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"خیر — دیکھا جائے گا — اب پوری دنیا کو اس منصوبے کی تفصیلات معلوم ہو جائیں گی — پوری دنیا بھی انہیں منہ توڑ جواب دینے کے لیے ایک ہو جائے گی — یہ بعد کی بات ہے۔ اس وقت تو ہم نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے اور تم

نے ایک بہت بڑی شکست کھائی ہے — کیا یہ روبوٹ بھی تمہارے
بنائے ہوئے تھے؟"

"یہی سمجھ لو — جب میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے سلسلے
میں ملک سے باہر تھا، اس وقت میری ذہانت کا اندازہ ان
لوگوں کو ہوا — انہوں نے مجھ پر خاص توجہ دی — میں نے سائنس
میں اس قدر ترقی کی کہ وہ حیران رہ گئے اور انہوں نے مجھے بہت
اختیارات سونپ دیے — یہ پیش کش بھی کی کہ میں اب انہی کے ساتھ
رہوں — لیکن میں نے اپنے ملک واپس لوٹنے کا فیصلہ کیا — اور جب
واپس آیا تو یہاں میری کوئی قدر افزائی نہ ہوئی — کسی نے مجھے
کوئی اہمیت نہ دی — اس چیز نے مجھے پاگل کر دیا اور میں
نے ان لوگوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا — میں سیاحت کے
بہانے ان سے جا کر ملا اور انہوں نے مجھے سرخ پنجہ کا خطاب
دے ڈالا — پھر اس نام سے ایک گروہ قائم کیا گیا — اسے
پوری دنیا میں پھیلا دیا گیا — اس کی کمان میرے ہاتھ میں دی گئی
اس گروہ کا مقصد تھا دوسرے ملکوں کے راز چرانے اور اہم
ایجادات اڑانے — یہ کام بہت منظم طور پر شروع کر دیا گیا،
پھر میں نے اپنی کارروائیوں کا دائرہ اور وسیع کرنے کا فیصلہ کر
لیا اور ایک منصوبہ ترتیب دے کر انہیں بھیجا — انہوں نے فوراً
منظوری دے دی اور پروفیسر شہباز کو میری ماتحتی میں دے دیا۔



اس کے بعد یہ زمین دوز دنیا بنائی گئی — اس سے پہلے
اس ریاست کی سابقہ حکومت کا خاتمہ کیا گیا — یہاں قلعہ [illegible]
بند کیا گیا — تاکہ شریف لوگ جیلوں میں گھس کر رہنے پر مجبور
ہو جائیں... انہیں اپنی جانوں کے لالے پڑے رہیں — وہ آنکھ
اٹھا کر بھی نہ دیکھیں کہ ریاست میں ہو کیا رہا ہے — اگر ہم قلعے
پر پابندی عاید کریں تو کوئی ادھر جانے کی جرات تک
نہ کرے — نگرانی اور پہرے کے بغیر بھی لوگ وہاں جانے کا
خیال تک دل میں نہ لائیں اور ہم نے عوام کو اس رنگ میں
ڈھال لیا — انہیں حد درجے بزدل بنا دیا — روڈان نے اس
سلسلے میں خاص کردار ادا کیا تھا — وہ اپنے غنڈوں کے ذریعے
اس لیے لوگوں کو پٹوایا کرتا تھا کہ لوگوں پر غنڈوں کی دھاک بیٹھی
رہے — دوسرے یہ کہ اس طرح زمین دوز دنیا کو کام کرنے والے
بھی مل جاتے تھے، جو ذرا بھی جرأت مند ہوتا، وہ قلعے سے بھاگ
نکلتا تھا اور جرأت مندوں کی ہمیں ضرورت بھی نہیں تھی، ہم تو
بزدل لوگوں سے کام لینا چاہتے تھے — اسی لیے قلعے کے کمرے
کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا جاتا تھا، اس طرح صرف بزدل لوگ
اندر پہنچ پاتے تھے — اور اب میں آتا ہوں شام ٹیگ کے خط کی
بات — میں نے ملک بحران کے کچھ راز چرانے اور ان رازوں
کے بل پر حکومت کا تختہ الٹ دیا — اس وقت ڈاکٹر شام ٹیگ

ملک کی اہم ہستی تھے — وہ ان دنوں ایک اہم ترین ایجاد کے
چکر میں تھے۔ انہوں نے کامیابی حاصل کرنے کے بعد فارمولا بھی
لکھ لیا تھا — مگر انہی دنوں حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا — اس
سلسلے میں سُرخ پنجہ کا نام بہت مشہور ہوا — میں خود چاہتا تھا کہ
میرا نام خوب پھلے پھولے — تاکہ ملکوں پر میری دہشت طاری
ہو جائے۔ ڈاکٹر ماما لیگ میرے بارے میں کچھ اندازہ لگا چکے
تھے: چنانچہ انہوں نے حالات کا جائزہ لیا اور تو وہ کچھ ڈر گئے۔
انہوں نے سارے حالات اور فارمولے کے بارے میں تفصیل اس
خط میں لکھ کر بھیج دی، لیکن پروفیسر داؤد خط کی صرف ظاہری
تحریر پڑھ سکے — دراصل ڈاکٹر ماما لیگ نے سوچا تھا کہ میں
انہیں زندہ نہیں رہنے دوں گا — لہٰذا ان کی موت کے بعد پروفیسر
داؤد کو ضرور کسی خفیہ تحریر کا خیال آئے گا — لیکن ہوا یہ کہ میں ڈاکٹر
ماما لیگ تک پہنچ گیا اور میں نے ان پر تشدد کر کے یہ معلوم کر لیا
کہ ایجاد کا فارمولا کہاں ہے — اس نے بتا دیا کہ فارمولا اور دوسری
بہت سی باتیں وہ ایک خط کی صورت میں پروفیسر داؤد کو بھیج چکے
ہیں — اس کے بعد ڈاکٹر ماما لیگ کو نہایت خاموشی سے ختم کر
دیا گیا۔ ان کی موت کی خبر کسی اخبار میں بھی شائع نہ ہو سکی۔
یہی وجہ تھی کہ پروفیسر داؤد کو ان کے مرنے کی اطلاع نہیں ملی اور
انہیں اس خط کا خیال نہ آیا —" یہاں تک کہہ کر سُرخ پنجہ خاموش



گیا —
"تو یہ بات تھی — جیسا کہ تم نے چاہا — ڈاکٹر ماما لیگ کو بھی
ختم کر دیا۔" انسپکٹر جمشید افسوس زدہ لہجے میں بولے۔
"یہ بات تھی — ڈاکٹر ماما لیگ کو مجھ پر شک ہو گیا تھا — مطلب
یہ کہ وہ جان گیا تھا کہ سرخ پنجہ دراصل کون ہے — کیونکہ ہم دونوں
نے سائنس کی تعلیم ایک ساتھ حاصل کی تھی — کچھ وقت ایک دوسرے
کے ساتھ بھی رہے تھے — سرخ پنجے کے روپ میں جب میں ان
کے سامنے آیا تو اپنی آواز مکمل طور پر تبدیل نہ کر سکا اور انہوں
نے اسے چونکتے ہوئے دیکھ لیا — ایسے میں خط کا راز معلوم کر
لینے کے بعد اسے زندہ نہیں چھوڑا جا سکتا تھا — وہ تمام حالات
پروفیسر داؤد کو لکھ دیتا اور پھر وہ تمہیں بتا دیتا، تم لوگوں کے
حالات سے میں پہلے ہی پوری طرح باخبر تھا۔"
"لیکن یہ ہنٹروں والا داؤ تم نے کہاں سے سیکھا؟" فرزانہ
بول اٹھی —
"ایک جاپانی سے — وہ میرے پاس کچھ عرصہ ملازم رہا تھا۔"
"اور پروفیسر شعبان کو تم نے سکھایا؟"
"ہاں! اپنے کسی موقعے کے لیے میں نے یہ داؤ پروفیسر
کو بھی سکھا دیا تھا — لیکن افسوس — یہ داؤ ہمارے کچھ بھی
کام نہ آ سکا!" ان کے لہجے میں حسرت تھی۔

"آخر اس عالم بیگ کی ایجاد کیا ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"وہ ایک ایسی کھاد کا فارمولا ہے جس سے فصل بیسیوں گنا زیادہ ہو سکتی ہے۔ ایسے ملکوں کے لیے جو خوراک کی قلت کا شکار ہیں اور جن کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے اور زرعی پیداوار کم ہو رہی ہے، یہ ایجاد ایک انمول چیز ہے۔"

"اوہ! تب تو یہ ہمارے ملک کے لیے انمول ترین ثابت ہو گی — ہمارے ہاں بھی غلہ روز بروز مہنگا ہی ہوتا جا رہا ہے اور غریب لوگ بُری طرح پس رہے ہیں۔" آصف نے خوش ہو کر کہا۔

"اس کے علاوہ بھی تو انتہائی اہم چیزیں ہمارے ہاتھ لگی ہیں، ان چیزوں میں ہمارے دوست ملکوں کے بھید بھی ہیں، یہ ہم انہیں لوٹا دیں گے۔ اس طرح ہماری دوستی اور گہری ہو گی۔ دشمن ملکوں کے راز ہم اپنے پاس محفوظ رکھیں گے — اور ضرورت پڑنے پر ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

اس وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی اور فارمن اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"معلوم ہوتا ہے — آپ لوگ یہاں اپنا کام مکمل کر چکے ہیں۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں! آپ لوگ ان دونوں کو گرفتار کر لیں — ان کی حفاظت



کا بھی خاص خیال رکھا جائے — کیونکہ ان کی پشت پر کئی بڑے بڑے ملک ہیں، ایسا نہ ہو کہ وہ انہیں چھڑانے کی کوشش کریں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ فکر نہ کریں، اس سے پہلے کہ ان کی طرف سے اس قسم کی کوشش ہو، ہم انہیں ختم کر دیں گے — یہ سانپ کے بچے ہیں، ان کا زندہ رکھنا خطرناک ہو گا۔"

"نہیں — فی الحال انہیں زندہ رکھنا ہو گا — ہم اپنے تمام دوست ممالک سے مشورہ کر کے فیصلہ کریں گے — دوسرے یہ کہ زمین دوز دنیا میں جو لوگ غلام بن کر کام کرتے رہے ہیں، انہیں نہایت عزت اور احترام سے ان کے ملکوں کو واپس بھیجا جائے — اور ہاں ہم نے ایک شخص علی واقدی کے ہاں پناہ لی تھی — ان کے گھر میں بھی چار کانسٹیبل بندھے ملیں گے — علی واقدی صاحب کا بھی خاص خیال رکھا جائے — ہم بھی کل ان سے ملیں گے۔"

"آپ فکر نہ کریں، ایسا ہی ہو گا۔" فارمن نے کہا۔

"آپ لوگ پوری طرح حالات پر قابو پا چکے ہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"بالکل — حالات ہمارے حق میں ہیں۔"

"مسٹر کالڈون تو بہت خوش ہوں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"آپ کو ابھی تک بتایا نہیں آپ کے ساتھیوں نے؟" فارمن نے
دکھ بھرے لہجے میں کہا۔
"نہیں تو — کیوں کیا بات ہے؟"
"مسٹر کاڈون لڑائی کے میدان میں کام آ گئے۔"
"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔
چند سیکنڈ تک خاموشی طاری رہی، پھر انسپکٹر کامران مرزا
بولے:
"ہم ان دو پھنیر سانپوں کو تو بھول ہی گئے — جھاڑیوں میں
پیچھے راستے میں نہ جانے وہ سانپ ہیں کیوں نظر نہیں آئے تھے،
جب کہ انہیں باندھا ہوا تھا۔"
"کیوں نہ — چل کر دیکھا جائے۔" آصف بولا۔
"اب وہاں بچا ہی کیا — وہاں تو ایک تباہی اور بربادی کا
منظر ہی دیکھنے کو ملے گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
"تو کیا ہم یہ نہیں جان سکیں گے کہ سانپ نظر کیوں نہیں
آئے تھے۔" فرحت بولی۔
"اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ خدا کو ہماری مدد
منظور تھی اور جب خدا کو مدد منظور ہوتی ہے تو راستے کی رکاوٹیں
خود بخود دور ہوتی چلی جاتی ہیں — ان سانپوں نے بھی خود کو آزاد
کرا لیا ہو گا اور جدھر ان کے سینگ سمائے ہوں گے، اُدھر ہی

چل گئے ہوں گے — بے چارے بھٹکتے بھٹکتے بہت تنگ آ
گئے ہوں گے۔" فاروق طنزیہ انداز میں کہتا چلا گیا۔
"سانپوں کے سینگ — تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔" آفتاب
نے اسے گھورا۔
"بھئی یہ سینگ ذرا محاورے وار ہیں — سمجھنے کی کوشش
... احمق کہیں گے۔"
"تم نے پھر مجھے احمق کہا۔" آفتاب اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
"بھئی عجیب احمق تو نہیں کہا۔"
"ٹھہرو ابھی بتاتا ہوں۔" آفتاب اس پر جھپٹ پڑا، اور وہ
ارے ارے ہی کرتے رہ گئے — دونوں اتنی دیر میں گتھم گتھا ہو
چکے تھے اور جب تک انہیں چھڑانے میں کامیابی ہوتی — وہ کئی
قلابازیاں کھا چکے تھے۔
"بھئی مسٹر فارمن کا ہی کچھ خیال کرو — یہ کیا سوچیں گے۔"
انسپکٹر جمشید جھینپ کر بولے۔
"ہمارے بارے میں یہ کوئی بڑی بات نہیں سوچ سکتے — کیوں
انکل فارمن؟" آفتاب خوش ہو کر بولا۔
"لو — اب یہ بھی ان کے انکل بن گئے۔" خان رحمان مسکرائے۔
"سوری انکل — اصل انکل تو آپ ہی ہیں۔" فاروق بولا۔
"میں یہ بات پروفیسر انکل کو جا کر بتاؤں گی۔" فرزانہ شریر لہجے

## کیا آپ بتا سکتے ہیں؟

## ۵۰۰ روپے کا نقد انعام

ذیل میں ایک پیرا دیا جا رہا ہے۔ آپ کو صرف یہ بتانا ہے کہ پیرا کس ناول کا ہے اور کون سے صفحے سے لیا گیا۔ صرف ناول کا نام اور صفحہ نمبر لکھ دیجیے۔ سب سے پہلے موصول ہونے والے تین درست جوابات میں مبلغ ۵۰۰ روپے برابر برابر تقسیم کیے جائیں گے۔

**پیرا :**

"ہاں، لیکن یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔ ہمیں صرف باہر ایک نظر ڈالنے کو کہا گیا تھا۔ آؤ اب اندر چلیں، کیونکہ ہم صدر دروازہ کھلا چھوڑ آئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم یہاں کھڑے رہ جائیں اور وہ اندر پہنچ جائے" محمود نے کہا۔

---

نوٹ : مندرجہ بالا پیرا مکتبہ اشتیاق سے آج تک شائع ہونے والے تمام ناولوں میں سے ایک سے منتخب کیا گیا ہے۔

ادارہ





## آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز

# خطوط کا فریب

—— اشتیاق احمد ——

- انسپکٹر جمشید کو ایک فون موصول ہوا اور پھر.....
- اس بار محمود، فاروق اور فرزانہ ایک انوکھا تعاقب کرتے ہیں۔
- یہ تعاقب انہیں کہاں لے گیا۔ اسے اگر موت کا منہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔
- ایک بڑے آدمی کو کوئی دھمکی آمیز خط لکھتا تھا۔
- بیگم جمشید کی پراسرار بے ہوشی۔

ایک ہولناک ناول۔

قیمت : ۵/۵۰

## آئندہ ناول کی ایک جھلک :

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز [illegible]

# گمنام ہمدرد

—— مصنف : اشتیاق احمد ——

- وہ نیشنل پارک میں بیٹھا زاروقطار رو رہا تھا۔
- تین شخصوں کی کہانی، جو پر اسرار طریقے پر بھیجے گئے۔
- ان میں کیا تھا۔ آپ آخر تک اندازہ نہیں لگا سکیں گے۔
- ملک اور قوم کے سچے ہمدرد سے ملیے۔
- انسپکٹر جمشید آپ کو اس بار بہت خوش نظر آئیں گے۔
- محمود، فاروق اور فرزانہ اندازوں کی زد میں۔

قیمت : ۵/۵۰



## آئندہ ناول کی ایک جھلک :

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز ۲۶

# پُراسرار چور

—— مصنف : اشتیاق احمد ——

- ایک ماہر چور کی کہانی جو دو سال بعد جیل سے رہا ہو کر آیا تھا۔
- جوں ہی اس نے اپنے گھر کا دروازہ کھولا۔ اسے ایک لفافہ اندر پڑا نظر آیا۔
- لفافہ اسے کس نے بھیجا تھا اور اس میں کیا لکھا تھا؟
- انسپکٹر کامران مرزا نے اخبار میں ایک خبر پڑھی اور اس کیس میں دل چسپی لینے پر مجبور ہو گئے۔
- ایک شخص نے اپنے بیٹے سے ایک عجیب وعدہ لیا تھا۔
- آفتاب، آصف اور فرحت چکر میں۔

قیمت : ۵/۵۰

## آئندہ ناول کی ایک جھلک:

### شوکی سیریز

# آدھا ہیرو

مصنف: اشتیاق احمد

- آدھے ہیرو سے ملیے - آپ حیران رہ جائیں گے۔
- لیکن پورے کیس میں آدھے ہیرو سے آپ کی ملاقات ہی کب ہو گی؟
- ایک مکان میں شوکی برادرز کا بلاوا۔
- وہاں ایک خوف ناک منظر ان کے سامنے تھا۔
- جیمو باکسر جب اس کی طرف بڑھا تو ان پر کیا گزری!
- ایک انعام کی کہانی۔

قیمت: ۵/۵۰



# آپ پر الزام ہے

اس عنوان کے تحت آپ اشتیاق احمد پر کوئی سوال یا الزام عاید کر سکتے ہیں۔ اشتیاق احمد آئندہ ماہ کے کسی ناول میں آپ کے الزامات کا جواب دیں گے۔ بہترین سوال یا الزام پر اشتیاق احمد مبلغ -/۱۰۰ روپے کا نقد انعام اپنی جیب سے ادا کریں گے۔ اس انعام کا ادارے سے تعلق نہیں ہوگا۔

آپ سوال یا الزام عاید کرنے میں بالکل آزاد ہیں؛ تاہم الزام اخلاق سے باہر نہ ہو۔ ایک بچہ ایک وقت میں صرف ایک سوال یا الزام عاید کر سکتا ہے، ایک سے زائد نہیں۔ سوال یا الزام بالکل الگ کاغذ پر لکھیں، لیکن الگ لفافہ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک ہی لفافے میں آپ اپنا خط یا کوئی دوسری چیز رکھ سکتے ہیں۔

(ادارہ)

# خطوط کے آئینے میں

پہلے تین خط انعامی قرار دیے گئے۔ انعامی پیکٹ روانہ کر دیے گئے ہیں۔

---

محترم اشتیاق احمد السلام علیکم۔

ہم نے آپ کے تقریباً تمام ناول پڑھ رکھے ہیں۔ سبھی بہت پسند آئے۔ ہمارا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے ہے۔ اس وجہ سے ہمارے والد یہ بات پسند نہیں کرتے کہ ہم لوگ جاسوسی ناول پڑھیں۔ مگر جب میں نے انہیں آپ کا ایک ناول پڑھنے کو دیا تو وہ انہیں بہت پسند آیا۔ اس ناول کا نام گھناؤنا کیمپ ہے۔ انہوں نے یہ ناول پڑھنے کے بعد ہمیں اجازت دی کہ اگر تم اس مصنف کی کتابیں پڑھنا چاہتے ہو تو ضرور پڑھو۔ دراصل اس ناول میں میرے والد صاحب کو آخر میں لکھی گئی حدیث شریف نے بہت متاثر کیا تھا، لہٰذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ قلمی جہاد کر رہے ہیں۔ مجھے آپ سے بڑی شکایت یہ ہے کہ آپ نے اسلامی کتب لکھنا کیوں بند کر دیں۔ مہربانی فرما کر اس طرف توجہ





دیں۔ میری ان تمام ساتھیوں سے گزارش ہے، جو آپ کے ناول پڑھتے ہیں۔ وہ کم از کم ایک مرتبہ آپ کی لکھی ہوئی اسلامی کتب کا مطالعہ ضرور کریں۔ دوسری شکایت آپ کے ناولوں کی کتابت سے ہے۔ اکثر جگہ پر کتابت کی غلطیاں ہوتی ہیں۔ حج کی دلی مبارک باد قبول فرمائیں۔ یہ میرا پہلا خط ہے۔ آپ کا مخلص۔

محمد اشرف موسانی۔ محمد شفیق منزل، دوسری منزل فلیٹ نمبر ۳ اسلم روڈ۔ رنچھوڑ لائن، کراچی۔

---

انکل اشتیاق کے نام:

میرے آخری دو خط جو میں نے یکے بعد دیگرے لکھے تھے۔ کے ابھی تک جواب نہیں آئے۔ اس لیے کھری کھری سننے کے لیے تیار ہو جائیے۔ میرا ارادہ آپ کی آبرو خاک میں ملانے کا نہیں اور نہ آپ کی پگڑی اچھالنے کا ہے، بلکہ آپ کے تن بدن میں آگ لگانے کا ہے۔ جس طرح آپ نے ہمارے خطوں کے جواب نہ دے کر ہمیں آپے سے باہر کر دیا ہے۔ ایسی آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لی ہے کہ خط پر خط لکھے جا رہا ہوں، لیکن ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ آسمان پر اڑنا چھوڑ دیں اور سب کو ایک آنکھ سے دیکھیں۔ امید ہے، میں نے جو خفا گفتگی کی، اس سے آپ کے چھکے چھوٹ گئے ہیں۔

آپ سوچ رہے ہوں گے، کس احمق سے پالا پڑ

گیا ہے۔ زبان درازی کیے جا رہا ہے ۔ اوہ میری تو عقل پر پردہ پڑ گیا تھا۔ سورج کو چراغ دکھانے چلا تھا۔ فقط۔

محمد روحیل قادر۔ معرفت محمد سہیل قادر آٹو انسٹرکٹر سینٹ پیٹرک ٹیکنیکل سکول، کراچی۔

---

ڈیئر اشتیاق احمد :

آج کل بچوں میں تمہارا خوب چرچا ہے۔ جدھر دیکھو، تمہاری کتابیں نظر آ رہی ہیں۔ تم نے تو اس دور کے سارے ادیبوں کو مات دے دی ہے۔ بچوں کے دلوں پر تمہارا قبضہ ہے۔ اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ بچوں کو قومی نظریات سے روشناس کراؤ۔ آج کے بچوں کو کل ملک کی باگ ڈور سنبھالنی ہے۔ انہیں ایمان، اتحاد اور تنظیم کا سبق دو۔ انہیں نظم و ضبط سے کام کرنا سکھاؤ۔ انہیں بتاؤ کہ ان کا مقصد کیا ہونا چاہیے۔ اپنی ذات سے وفا، والدین کی خدمت اور ملک اور قوم کی خدمت، انہیں یہ بھی بتاؤ کہ ان کی زندگی کا مقصد کیا ہونا چاہیے۔ انہیں اچھی طرح سمجھا دو کہ وہ صرف اس صورت میں کامیاب ہو سکتے ہیں، جب وہ اپنی زندگی کے تمام اصول قرآن مجید کے مطابق اپنائیں۔ شاید تم نے مجھے اب تک پہچانا نہیں۔ ارے بھئی، یہ میں ہوں انسپکٹر جمشید۔ اور بھئی مجھے تو یہ ہرگز پسند نہیں کہ میری صحات کی تشہیر کی جائے۔ میں تو گم نام رہ کر کام کرنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ خیر میری ہدایات پر



سختی سے عمل کرنا اور بچوں کو اسلامی قانون سے آگاہ کرتے رہنا، ورنہ تم بھی گمنامی کے اندھیروں میں کھو جاؤ گے۔ اچھا بھئی اب اجازت۔ بیگم تمہیں سلام لکھوا رہی ہیں اور محمود، فاروق اور فرزانہ بھی سلام کہہ رہے ہیں۔ خدا حافظ۔ تمہارا دوست انسپکٹر جمشید۔

صہیب عمر۔ رہائش نمبر ۲۵۲ اے۔ بلاک ۵ گلشن اقبال کراچی ۴۷

---

انکل اشتیاق آداب۔ چند تجاویز اور مشورے ارسال ہیں۔ مکتبہ اشتیاق کا ایک مونوگرام بنوایا جائے۔ خاص نمبر میں شوکی سیریز کو بھی شامل کیا جائے۔ خاص نمبر میں قومی اور ملی اشعار بھی شامل کیے جائیں۔ خاص نمبر میں میری کہانی کے علاوہ آپ اپنا انٹرویو شائع کریں۔ مکتبہ اشتیاق سے چار ناولوں کے علاوہ اسلامی سلسلہ اور مشاہیر اسلام اور پاکستان پر بھی کتابیں شائع کریں۔ روبرو کے نام سے ایک سلسلہ شروع کریں۔ یہ ایک ادبی عدالت ہوگی، جس میں آپ کے قاری آپ سے کھلم کھلا سوالات اور الزامات عاید کریں گے۔ یعنی انہیں یہ آزادی ہو گی اور آپ ان الزامات کا جواب دیں گے۔ ہر ماہ کے ناولوں میں کسی شخصیت کا انٹرویو شائع کیا جائے۔ اپنے سکول یا مدرسہ میں سالانہ امتحان اچھے نمبروں سے پاس کرنے والے قاریوں کو انعام دیا جائے۔ اس کے علاوہ چاروں ناولوں میں لطائف، معلومات عامہ، مضمون نویسی کے سلسلے شروع کیے جائیں۔ یہ سلسلے یقیناً قارئین کے لیے دل چسپی کا

سبب بنیں گے — خیر اندیش۔

جاوید اختر خان زادہ۔ ڈی ۲۰۰ لطیف آباد یونٹ ۱۰ حیدرآباد سندھ

ج: یہ ناول ہیں، ماہانہ رسالے نہیں۔ یہ تمام سلسلے تو شروع نہیں کیے جا سکتے۔ ہاں "روبرو" اور اچھے نمبروں پر انعام پر غور کر رہا ہوں۔ جلد اعلان ہوگا۔ شاید اسی ناول میں اعلان پڑھ سکیں گے۔

---

پیارے بھائی اشتیاق السلام علیکم،

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔ سب سے پہلے تو حج کی مبارک باد قبول فرمائیں۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ کتنی احمق لڑکی ہے — حج کیے ہوئے چھ ماہ ہو گئے اور اب مبارک باد دے رہی ہے، تو سنیے، بلکہ پڑھیے — میری شادی ۱۵ اکتوبر کو یعنی حج کے مہینے میں ہوئی تھی، جب آپ حج کے لیے گئے ہوئے تھے، ہم اس لیے آپ کو شادی کا کارڈ بھی نہیں بھیج سکے۔ امید ہے اپنی چھوٹی بہن کو معاف کر دیں گے۔ ناراض تو نہیں ہیں۔ اگر ہیں تو بتا دیں — ہم ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لیں گے۔ دیر سے خط اس لیے لکھ رہی ہوں کہ پہلے شادی کے سلسلے میں مصروفیات رہیں، پھر شادی کے بعد بھی اتنی مصروف رہی کہ فرصت ہی نہ ملی۔ اب فرصت ملی ہے تو خط لکھ رہی ہوں، لیکن شادی سے پہلے اور شادی کے بعد تمام ناول پڑھنا نہیں بھولی۔ خاص نمبر اور ہر مہینے کے چار ناول باقاعدگی سے پڑھتے رہیں۔ شوکی سیریز جیسی بہترین سیریز





لکھنے پر میری اور میرے شوہر کی طرف سے مبارک باد قبول فرمائیں، کیونکہ شادی کے بعد میں نے اپنے تمام ناول اپنے شوہر کو پڑھوائے ہیں، انھوں نے بھی آپ کے ناول بہت پسند کیے ہیں اور ہر مہینے میرے کہے بغیر چاروں ناول باقاعدگی سے لا کر دیتے ہیں جو ہم دونوں مل کر پڑھتے ہیں۔ اچھا اب اجازت، خدا حافظ —

آپ کی اپنی بہن شاہانہ زبیر۔ ناظم آباد، کراچی۔

ج: شادی مبارک، خدا آپ کو نئی زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں دے۔
بھئی جب میں یہاں تھا ہی نہیں تو ناراض ہونے کا کیا سوال؟

---

دشمن اشتیاق السلام علیکم —

امید ہے کہ تم بیمار ہو گے۔ میری طرف سے فکر نہ کرو، میں خیریت سے ہوں۔ کبھی کبھی تو تم پر غصہ آتا ہے کہ تمہیں زندہ چبا ڈالوں اور کبھی اتنا رحم آتا ہے کہ پانی میں ڈبو دوں، تمہارا تو میں چہرہ خراب کر دوں، ناول میں بے کار باتیں لکھ کر صفحات پورے کرنا چاہتے ہو۔ بے کار باتوں سے تو تیرا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ اس ماہ کے ناول پڑھ کر بہت غصہ آیا۔ اس لیے کہ میں نے پہلے "دشمن شہر نہیں، شہر کے قیدی" پڑھ لیا تھا — انہیں دو حصوں میں کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ دشمن شہر میں تم نے قاتل قصبہ کی نقل کی ہے — نقل کرتے شرم نہیں آتی اور کہتے ہو کہ دھوکا نہ کھائیں۔ اب کچھ حضرات اپنی کتابوں کے پیچھے آپ کی تصویر شائع کرنا چاہتے ہیں۔ یقیناً

کیسے پتا چل جاتا ہے — کون لوگ یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ انوکھا پروگرام پڑھ کر دل چاہا تمہیں جھلی کر لکھا جاؤں۔ خط کا جواب دو لفظوں میں لکھ کر نہ بھیجنا، ورنہ تمہاری خیر نہیں اور آخر میں ایک پیار کا نقطہ بھی بول دینا بھی — پاگل خدا کے لیے بے کار باتیں نہ لکھا کرو۔

فقط تمہارا ماموں :

خرم مغل ۰۰ ۰۰۵ سی۔ بلاک ۷ گلشن اقبال کراچی

---

ڈیر انکل اشتیاق احمد السلام علیکم —

میں آپ کو اتنے خط لکھ چکی ہوں کہ اب تو خط لکھنے کو دل بھی نہیں چاہتا — یہ آخری خط ہے، ورنہ ہم آپ سے ناراض ہو جائیں گے۔ پُر ہول سازش اور زرد لفافہ اچھی تھیں، لیکن کافی غلطیاں تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ ہر ماہ اتنے بہت سے کیس کہاں سے ڈھونڈ لیتے ہیں۔ اسی لیے مجھے حافظ احمد ولی اللہ ارباب کے خواب سے اتفاق ہے کہ آپ انگریزی ناولوں اور انگریزی فلموں کی نقل کرتے ہیں۔ کم از کم میرا اور میری پوری کلاس کا خیال یہی ہے۔ برا مت مانیے گا۔ ویسے ہم کسی اور مصنف کی کہانیاں بالکل نہیں پڑھتے۔ باقی مصنف تو آپ کو بُرا بھلا کہہ رہے ہوں گے — اللہ تعالیٰ آپ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی دے اور آپ کے دل میں رحم پیدا کرے۔

اب اجازت، خدا حافظ :

ثمرہ منصور تارڑ — سٹی ویسٹ ٹاؤن، سرگودھا —



ڈیر اشتیاق انکل،

آپ کیسے ہیں — ایک عجیب بات ہے اور وہ یہ کہ مجھے آپ کے بارے میں ابھی تین ماہ پہلے ہی معلوم ہوا ہے کہ اشتیاق احمد بھی کوئی مصنف ہیں — اصل میں ہوا یہ ہے کہ میں نے بازار سے ایک کہانی خریدی اس کا نام ایک رات کا ہنگامہ تھا۔ واہ مزا ہی آ گیا پڑھ کر۔ پھر تو جیسے لائن ہی لگ گئی — روز ایک کہانی آ رہی ہے — اس ماہ کے ناول پڑھے سب بے حد اچھے تھے، لیکن شوکی سیریز کچھ زیادہ ہی اچھا تھا۔ ایک بات اور — آپ انکل کامران مرزا کو انکل جمشید سے بہت نیچا دکھاتے ہیں اور یہ تو بتائیے، آفتاب وغیرہ کو ان کے کھونے کب ملیں گے۔ اگر میں آپ کو کوئی خط لکھوں اور اس خط میں پیسے ڈال کر آپ کو بھیجوں اور کسی کتاب کی فرمائش کروں تو کیا آپ بھیج دیں گے؟ جواب ضرور اور جلد دیں۔

فقط سعدیہ حیدر، رضویہ سوسائٹی، ناظم آباد، کراچی۔

ج: لفافوں میں رقم مت بھیجیں، منی آرڈر کریں۔

---

اشتیاق احمد السلام علیکم،

آپ کا خط ملا، بالکل خوشی نہیں ہوئی۔ پہلے آپ کی کتابوں میں غلطیاں نکل آتی تھیں، اب آپ کے بھیجے ہوئے خطوط میں غلطیاں نکل آتی ہیں — آپ نے خط میں لکھا ہوا تھا، خط سے آگاہی اور آگے لکھا تھا، بھیجے جواب حاضر ہے — یہ خط پڑھ کر آپ سوچیں گے کہ کتنا احمق لڑکا ہے — اسے

ہم کھانے سے غرض رکھنی چاہیے نہ کہ پیڑ گننے سے۔

آپ شاید یہ بھی سوچیں کہ عجیب لڑکا ہے، خط لکھنے پر تل گیا ہے۔ پہلے غلطیاں نکالنے پر تل گیا تھا اور میں گھر میں بیٹھ کر سوچوں گا کہ میں بھی کتنا عجیب ہوں۔ امتحان سر پر کھڑے ہیں اور اشتیاق احمد کے ناول پڑھنے پر تل گیا ہوں۔ اب میں خط بند کرتا ہوں خدا حافظ۔

عمر فاران میر ۔ پی سی ایس۔ آئی۔ آر کالونی پشاور، یونیورسٹی پشاور۔

---

ڈیئر انکل آداب،

آپ کے ارسال کردہ سرورق اور ناول ملے اور پڑھے۔ شکریہ ناول بہت اچھے تھے۔ خاص کر خون کے پیاسے اور شوکی سیریز۔ اس بار کا خاص نمبر کالا شیلان اور شیلان کے پجاری کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ بھی بتاتا چلوں کہ میں امتحان میں اپنی کلاس میں ۸۰۰ میں سے ۷۶۰ نمبر لے کر اول آیا ہوں۔ جب کہ گزشتہ امتحان میں ۷۰۳ نمبر لے کر تیسرے نمبر پر رہا تھا۔ میری تو ہر امتحان میں کوئی نہ کوئی پوزیشن ہوتی ہے، یہ آپ کے لیے اطلاع تھی کہ آپ کے پڑھنے والے نالائق نہیں ہیں۔ اگلے خاص نمبر میں تینوں پارٹیوں کو لائیں۔ خدا حافظ۔

عتیق احمد کوارٹر نمبر ۱۱۹ ای۔ ٹی اینڈ ٹی کالونی ہری پور، ہزارہ

---



پیارے بھائی اشتیاق احمد، آداب و تسلیمات۔

یہ میرا پہلا خط ہے اور مجھے ایک فی صد بھی امید نہیں کہ آپ خط کا جواب دیں گے یا اپنے ناول میں اسے جگہ دیں گے۔ جب آٹھ دس خط لکھوں گا، تب کہیں جا کر آپ جواب دینے کے بارے میں سوچیں گے، کیونکہ آپ ٹھہرے بچوں کے مشہور و معروف اور بلند پایہ جاسوسی مصنف اور مصنف بھی ایسے کہ ایک مرتبہ خود ہی جاسوس بن گئے۔ چل جاسوس کہیں کا۔ شریر بھئی کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ کا قد ذرا لمبا اور ہاتھ پاؤں میں ڈھیر ساری طاقت اور عمر تقریباً پچیس سال ہوتی اور اس ملک کے چوٹی کے جاسوس ہوتے، کیونکہ جاسوس کی اہمیت جاسوسی مصنف سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ مصنف صرف لکھتا جاتا ہے حالات و واقعات کا رخ جس طرف چاہے موڑ سکتا ہے اور ہر مسئلے کا حل منٹوں میں نکال لیتا ہے، لیکن جاسوس کو عملی زندگی میں بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، تب کہیں وہ جاسوس بنتے ہیں۔

فقط: ایم حبیب ۔ پی ۱۹۰ مین بازار، گلشن کالونی، فیصل آباد

ج: اسی لیے میں مصنف ہی بھلا۔

---

# کرداروں سے سوال

نوٹ : پہلے تین سوال انعامی قرار پائے۔ انعامی پیکٹ روانہ کر دیے گئے تھے۔

---

لطف اللہ و مجمل سٹریٹ حیات گنج سانده کلاں، لاہور :

س : ارے فرزانہ، کل تمہاری بی کھمبا کیوں نوچ رہی تھی ؟

ج : چور کی ڈاڑھی میں تنکا۔ آپ وہاں کیا کر رہے تھے۔

---

طارق شریف ڈار الیکٹرک سٹور سیکٹر ۳ ڈڈیال، آزاد کشمیر۔

س : فاروق بھائی، جلدی سے تعلیم سے فارغ ہو جایئے۔ آپ کے لیے ایک نوکری ڈھونڈ لی ہے۔ ہاکی کی کمنٹری آپ سے بہتر کوئی نہیں کرے گا۔ کیا خیال ہے !

ج : مجھے دیکھ کر رنگ پکڑ لیں اور یہ ملازمت خود ہی کر لیں۔

---

سعید احمد ۲۲۸ بی ماڈل ٹاؤن اے مین بازار فیصل آباد :



س : انسپکٹر جمشید مجھے ایک خیال آیا ہے، کیوں نہ آپ کو سکتہ طاری کرنے والی دوائی کھلا کر آپ کے دماغ سے تمام عمر زندہ رہنے والا عرق تیار کیا جائے اور میں نے ڈاکٹر قریشی سے بھی مشورہ کر لیا ہے، کیا خیال ہے ؟

ج : خوفناک۔

---

پرنس آف ڈھمپ، حیدر آباد :

س : انکل جمشید جلد آئیں اور محمود، فاروق اور فرزانہ کو بھی لائیں، کیونکہ ہمارا کتا کھو گیا ہے۔

ج : یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ آپ اب اللہ کی رحمت سے محروم نہیں رہیں گے۔ کیونکہ جس گھر میں کتا ہوتا ہے، وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آ سکتے۔

---

فرح فاطمہ، علامہ اقبال روڈ، لاہور

س : انسپکٹر جمشید، آپ کو ہر کیس میں یہ کس طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں آدمی مجرم ہے ؟

ج : بذریعہ جاسوسی۔

---

عامر ندیم بٹ محلہ مسلم گنج، گوجرانوالہ :

س : فرزانہ، جلتی جوتی اینڈ بی مینڈکی۔ ارے سنتی ہو، آخر تم لڑکی ہو یا ترکیبوں کی پٹاری ؟

ج : فرزانہ —

---

افضل علی ۱۴۴ بنگلور ٹاؤن، کراچی :

س : انکل خان رحمان، اب آپ اتنے بھی غریب نہیں کہ ظفرو سے کھانا بھی پکوائیں، استری بھی کرائیں اور ڈرائیونگ بھی ؟

ج : آپ کا نوکری کا ارادہ تو نہیں ؟

---

مرزا قمر احمد، ربوہ :

س : خان رحمان، آپ اپنے نوکر کو مرغا کیوں بناتے ہیں ؟

ج : پھر اور کیا بناؤں ؟

---

ثاقب سلیم۔ فیڈرل بی ایریا، کراچی :

س : فاروق بھائی، چند روز بعد میرے سکول میں زیادہ بولنے کا مقابلہ ہو رہا ہے، صرف ایک روز کے لیے اپنی زبان پارسل کر دیں۔

ج : آپ کو دوسروں کے کندھوں پر بندوق رکھ کر چلانے کا شوق ہے شاید —

---



محمد ظہور خان عادل، بنوں :

س : شوکی اینڈ کو کے نمائندے آفتاب خان، جب آپ کو کوئی ترکیب سوجھتی ہے تو چٹکی کیوں بجاتے ہیں ؟

ج : پھر کیا بجاؤں ؟

---

افتخار سعید، جہلم :

س : انکل جمشید، آپ اپنے دماغ کو تر رکھنے کے لیے کون سا تیل استعمال کرتے ہیں ؟

ج : آپ تیل کا کام تو نہیں کرتے۔

---

محمد سلیم ۲۲/۷ سی ٹیپر کالونی، کراچی :

س : کیا آپ اس خاص نمبر میں شوکی برادران کو بھی لائیں گے ؟

ج : نہیں —

---

محمد جاوید۔ لطیف آباد، حیدر آباد :

س : انکل، دارالحکومت میں تو سمندر نہیں ہوتا۔ آپ کے ہاں ایسا کیوں ہے ؟

ج : کیا یہ کوئی کلیہ ہے ؟

---

محمد ناصر عباس۔ گلشن عثمان، کراچی نمبر ۲۷ :

س: انکل جمشید، میں یہ سوچ رہا ہوں کہ میں آخر کون سا ایسا سوال آپ سے کروں، جس کا جواب آپ کے پاس نہ ہو؟

ج: تو سوچ لیجیے نا ___ روکا کس نے ہے؟

---

پروین احمد۔ محمود آباد، کراچی :

س: فاروق بھائی، ناکوں چنے چبانا کو جملے میں استعمال کریں؟

ج: کیا ضرورت ہے، عملی طور پر چباتے رہتے ہیں۔

---

قیصر محمود۔ باغبان پورہ، لاہور :

س: فرزانہ بہن، میں آپ کی بلی کو اغوا کرنے کے لیے آرہا ہوں۔ ہوشیار ہو جائیں۔

ج: آپ ایسے ہی لے لیں۔ اغوا میں تو ناکامی ہی پلے پڑے گی۔

---

عدنان عنایت بٹ رتہ روڈ، گوجرانوالہ :

س: منور علی خان، سنا ہے آپ بہت بڑے شکاری ہیں۔ میں تو تب مانوں گا، جب مرغ کا انڈا حاصل کر کے دکھائیں؟

ج: یہ شکار کی کون سی قسم ہے۔

---



محمد جاوید۔ انصاری روڈ اسلام پورہ، لاہور

س: فاروق بھائی، آپ کو یہ نت نئے نام اور محاورے ورثے میں تو نہیں ملے؟

ج: میرے والد ابھی زندہ ہیں، آپ کس دنیا میں بستے ہیں۔

---

ندیم محمود صدیقی۔ سٹیلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی :

س: بھئی شوکی، تم اور تمہارے بھائی جاسوسی میں تیز ہو گئے ہیں، ادھر محمود اور آصف وغیرہ بھی جاسوسی میں بہت تیز ہیں۔ تم ان سے جاسوسی کا ون ڈے کیوں نہیں کھیلتے؟

ج: ہم تو ابھی کل کے بچے ہیں۔

---

عرفان عرفی، لاہور کینٹ :

س: محمود، فاروق اور فرزانہ آپ نے محاوروں کے بین الاقوامی میلوں پر کتنے ایوارڈز حاصل کیے ہیں؟

ج: ہمیں میلوں میں شرکت کرنے کی فرصت کہاں۔ جاسوسی میلے ہی پیچھا نہیں چھوڑتے۔

---

محمد اشتیاق۔ صدر بازار، لاہور :

س: حامد، سرور اور ناز صاحبان، آپ کو اتنا عرصہ محمود، فاروق اور فرزانہ

کے ساتھ رہتے ہو گیا۔ آپ اب تک جاسوس کیوں نہیں بنے، جب کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔

ج: ہم ان کے ساتھ کب رہتے ہیں۔

---

محمد مکرم شیخ۔ فیروز پور روڈ، لاہور:

س: انسپکٹر جمشید، آپ میک اپ کرنے میں بہت ماہر ہیں تو کیا اپنی بیگم کا میک اپ بھی خود ہی کرتے ہیں۔

ج: میرے اور بیگم کے میک اپ میں زمین آسمان کا فرق ہے جناب،

---

میر احمد مغل آبادی حاکم رائے۔ گوجرانوالا:

س: اشتیاق احمد، محاوروں کی چٹنی تھوڑی سی ادھر بھی روانہ کردیں۔

ج: پہلے اپنی جیب کا جائزہ لے لیں۔

---

سید محمد خرم سمن آباد، لاہور:

س: ابھی تک تو نقلی اشتیاق احمد میدان میں آئے تھے۔ اگر کوئی مشتاق محمد کے نام سے انسپکٹر عبدالرشید، فرجود، فاروق، فرحانہ اور انسپکٹر عمران مرزا۔ نگہت، عاطف، مہتاب وغیرہ پر ناول لکھنا شروع کردے تو؟

ج: میں بے چارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی بھی نہیں کر



سکوں گا۔

---

محمد فصیح صلح۔ چاہ میراں، لاہور:

س: انسپکٹر کامران مرزا، ذرا بستر سے منہ نکال کر بتایئے کہ آپ کا پیشوا اور سرخ جی سیریز والا ناول کس سن میں شائع ہوا تھا۔

ج: لیکن بستر سے منہ نکال کر کیوں؟

---

فرحان مرزا، ناظم آباد کراچی:

س: اشتیاق احمد صاحب، آپ کو کس چیز کا زیادہ اشتیاق ہے۔ حج پر جانے کا یا ناول لکھنے کا اور اگر میں آپ سے کہوں کہ ناول لکھنا چھوڑ دیں۔ تو؟

ج: حج فرض ہے، ناول لکھنا اب میرا پیشہ ہے۔

---

صہیب احمد فاروقی۔ کورٹ روڈ، گجرات:

س: انکل اشتیاق، آپ کے کرداروں کی زندگی میں ہنگاموں کا بہت دخل ہے۔ کہیں کوئی ہنگامہ ہی تو ان کی تخلیق کا موجب نہیں تھا؟

ج: یہ ناممکن نہیں۔

---

رضوان امین بٹ ۔ الریاض، سعودی عرب :

س: اشتیاق احمد صاحب، آپ اپنے ناولوں میں لکھتے ہیں، محمود، فاروق، فرزانہ یا آفتاب، آصف اور فرحت، نے جل بھن کر کہا۔ یہ جل کا لفظ تو سمجھ میں آتا ہے، لیکن یہ بھُن کیا ہوتا ہے!

ج: آپ نے آج تک بھُنا ہوا گوشت نہیں کھایا ؟

---

محمد اشفاق ۔ صدر بازار، لاہور کینٹ :

س: فرزانہ بہن، کیا تم محمود اور فاروق خاص نمبر میں کھلونے ساتھ لے جانے کے لیے بھول گئے تھے : حالانکہ آپ کو صدر صاحب نے بلایا تھا اور ضروری تھا کہ کوئی خطرناک بات ہو، لیکن آپ کے کھلونوں کا ذکر تو سرے سے ناولوں میں کیا ہی نہیں گیا۔

ج: بھول ہو جانا کوئی بڑی بات تو نہیں ۔

---

شبانہ منظور ۔ شوگر مل، میرپور خاص :

س: انکل اشتیاق، آپ کہیں ٹی وی پروگرام "سونا چاندی" کے کردار "سونا" تو نہیں، کیونکہ آپ کی شکل سونے سے بہت ملتی ہے۔ بُرا مت مانیے گا۔

ج: آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

---

مشہور و معروف مصنف اشتیاق احمد



کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح اور جاسوسی سے بھرپور ناول

## جولائی کے ناول

### چھٹا خاص نمبر

(۸۶) جمیل کی موت ——— ۲۲/۵۰

مشترکہ کارنامہ

## اگست کے ناول

| | | | |
|---|---|---|---|
| (۸۷) | خطوط کا فریب | (انسپکٹر جمشید سیریز) | ۵/۵۰ |
| (۸۸) | گن مم بھدرو | " " " " | ۵/۵۰ |
| (۶۲) | پراسرار چور | (انسپکٹر کامران مرزا سیریز) | ۵/۵۰ |
| (۷) | آدھا ہیرو | (شوکی سیریز) | ۵/۵۰ |